بچوں کی تعلیم و تربیت میں سماجی عوامل کا کردار اور اثرات

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار:

صاعقہ گلناز

ایم فل اسکالر علوم اسلامیہ

رولنمبر: (MP-IS-(F-17)-298)

نگران مقالہ

ڈاکٹر عبدالغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2017ء-2021ء

بچوں کی تعلیم وتربیت میں سماجی عوامل کا کرداراوراثرات

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار:

صاعقہ گلناز

ایم فل اسکالرعلوم اسلامیہ

رولنمبر:(MP-IS-(F-17)-298)

نگران مقالہ

ڈاکٹر عبدالغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد

سیشن 2017ء-2021ء

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچاہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کواس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **بچوں کی تعلیم وتربیت میں سماجی عوامل کاکرداراوراثرات**

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ)

The Role and Impact of Social Factors in Children's Education and Training (Review in The Light of Islamic Teaching)

ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار: صاعقہ گلناز

رجسٹریشن نمبر: 1416-MPhil/IS/F17

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری ____________________

(نگرانِ مقالہ) دستخط نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان ____________________

(صدرِ شعبہ علومِ اسلامیہ) دستخط صدرِ شعبہ علومِ اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان ____________________

(پرو ریکٹر اکیڈمکس) دستخط پرو ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں **صاعقہ گلناز** ولد **محمد اسلم** رول نمبر: MP-IS-(F-17)-298

رجسٹریشن نمبر : 1416 MPhil/IS/F17

طالبہ، ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **بچوں کی تعلیم وتربیت میں سماجی عوامل کا کردار اور اثرات**

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ)

The Role and Impact of Social Factors in Children's Education and Training
(Review in The Light of Islamic Teaching)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **صاعقہ گلناز**

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

Abstract

Children are the guarantors of the survival of human society. They are born innocent, sinless and sound in nature. Then the social factors around them (parents, family and friends, educational institutions, mosque, media and the environment) directly or indirectly affect their education training and dominate them. Of course, all these factors are important but the social factors that affect the education and upbringing of children like parents, educational institutions, mosque and media have been covered in the thesis. The purpose of study is to examine the role of these factors and consequent effects in this regard and to suggest possible measures and action plans to improve the role of these factors. This research is divided into four chapters. The first chapter examines the role and influence of parents. The second chapter describes the role of educational institutions. The third chapter deals with the role of the mosque. In the last chapter, the positive and negative role of the media in the education and upbringing of children has been described. In these chapters, the role of each factor has been reviewed statistically and at the end possible steps have been derived and suggested to improve the role of these factors. This thesis explores descriptive and analytical methods of research and with the help of questionnaires from primary class IV and V children, the role and effects of these factors have been learned and their derivation has come to light in the light of information .The dignified parents and children have a positive effect on the personality of children and even education and upbringing have been provided in the mosques. Similarly, where the media has a positive effect on the children, its negative consequences also affect it. With the results in the mind the suggestions and recommendations are given. Parents can give their children full time so that they can stop being part of any negative activity. The Government and relevant institutions should bring to the fore every capable teacher and curriculum that reflects worldly needs and Islamic values. PEMRA should take stern action against journalists who speak without investigation.

Keywords: Social factors, Children, parents, teachers, curricular and extra-curricular activities, mosque and media.

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اور شکر کے تمام نذرانے اللہ تعالیٰ کے نام کہ جس کے احسانات کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔اسی کا یہ بھی احسان عظیم ہے کہ اس نے تحقیق کے جملہ مراحل میں اپنے فضل و کرم سے تیسر کی نعمت سے نوازااور اس کی توفیق سے تحقیق کا یہ کام انجام خیر کو پہنچا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ "[1]

ترجمہ: جو لوگوں کا شکرادا نہیں کرے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکرادا نہیں کرے گا۔

آقا کریم ﷺ کے اسی فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے میرے اس تحقیقی عمل میں بہت سے محسن ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

میں بالخصوص اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری صاحب کی ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے انتخاب موضوع سے لے کر مقالے کی تکمیل تک اپنی فاضلانہ سوچ، ناقدانہ طرزِ جستجو سے نہ صرف راہنمائی کی بلکہ اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی شفقت سے مدد بھی کی۔اسی طرح میں ڈیپارٹمنٹ کے دیگر اساتذہ کرام کی بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے دوران تحقیق میری راہنمائی کی۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کی بے حد مشکور ہوں۔بعدازاں میں بے حد ممنون ہوں جناب پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز نمل اور صدر شعبہِ جناب ڈاکٹر نور حیات صاحب کی جنہوں نے اپنے محققانہ انداز فکر سے میری راہنمائی فرمائی اور اختیار موضوع سے تکمیل موضوع تک گراں قدر مشوروں سے نوازا۔میں لائبریریوں کے عملے، فیملی کے ارکان، کلاس فیلوز،اوران تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے مسلسل حوصلہ افزائی کی۔میں اپنے والدین،بہن بھائیوں اور سسرال کا شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی دعاؤں، محبتوں اور راہنمائی نے دین اسلام کی خدمت کو مقصد حیات بنایا اور میری تعلیم کے اتنے طویل دورانیے میں ہمیشہ اپنی دعاؤں اور محبتوں سے نوازا۔میں اپنے محسن پیر

[1] سنن ترمذی، محمد بن عیسیٰ، كتاب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ،مصر ، الطبعة الثانية، 1395ھ ،حديث 1954، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیاہے۔

نیاز الحسن صاحب، سید مخدوم علی شاہ، سر سجاد اور عاصم اقبال کی ممنون و مشکور ہوں۔ جنھوں نے ہر ہر قدم پر اپنے قیمتی مشوروں اور آراء سے نہ صرف مجھے نوازا بلکہ انتہائی باریک بینی سے میرے مقالے کا مطالعہ کیا اور لمحہ بالمحہ میری حوصلہ افزائی کی۔

آخر میں اپنے دوستوں اور ہر اس شخص کے لیے دعا گو ہوں جنھوں نے اس تحقیقی کام کو سہل بنانے میں میری معاونت کی ۔ خالق ومالک ان کے ہر کام میں آسانیاں پیدا فرمائے۔ان کی تمام مشکلوں کو آسان فرمائے۔اور انھیں اپنی ہر نعمت سے سر فراز فرمائے۔

صاعقہ گلناز

ایم فل علوم اسلامیہ

انتساب

اپنے والدین، شوہر اور اساتذہ کرام کے نام
جن کی محبتوں، شفقتوں، بلند عزائم اور دعاؤں نے
مجھے علم و عمل کی راہوں کی طرف راہنمائی فرمائی۔

مقدمہ:

موضوع کا تعارف:

اللہ تعالیٰ کی انسان پر بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت بچے ہیں جو کہ الٰہی کمالات وصفات کے ساتھ ساتھ پوشیدہ اور تخلیقی صلاحیتوں سے متصف ہوتے ہیں یہ کمالات اور صلاحیتیں بغیر تعلیم و تربیت کے نکھر نہیں سکتی لہذا بچوں کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے ایسی ضرورت جس کے بغیر کوئی شے اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ تعلیم و تربیت کا عمل بڑا ہی مہتم بالشان اور اخلاص، محبت اور صلاحیت ولیاقت کا متقاضی ہے۔ بنیادی طور پر بچوں کی تعلیم و تربیت میں مختلف عوامل ہر وقت اور ہر لحہ اثر انداز ہوتے ہیں دنیا میں آتے ہی بچے کا تعلق ان سماجی عوامل سے قائم ہو جاتا ہے سب سے پہلے والدین پھر خاندان، دوست واحباب، سکول کے اساتذہ و بچے، مسجد کے لوگ اور دور جدید کا میڈیا، یہ سب عوامل بچے کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں ۔ ان میں سب سے اہم اور نمایاں عوامل والدین، مسجد، مکتب اور میڈیا ہیں۔

کچھ عادات اسے اپنے والدین اور خاندان کی طرف سے وراثت میں ملتی ہیں پھر اپنی پیدائش کے ابتدائی لمحات سے ہی غیر شعوری طور پر اپنے والدین اور خاندان سے بہت سی چیزیں سیکھتا ہے۔ جوں جوں بچہ نشو ونما پاتا جاتا ہے اس کا تعلق دیگر سماجی عوامل سے بھی جڑتا جاتا ہے اس کا حلقہ احباب وسیع ہوتا جاتا ہے ہمسائیوں سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے۔ مسجد جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں سے مراسم کو بڑھاتا ہے۔ اگلے مرحلے میں بچہ سکول جاتا ہے جہاں ایک دوسرا ماحول اس پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی طرح عصرِ حاضر میں جدید ذرائع ابلاغ بھی تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ جس جس ماحول میں جاتا ہے اس پر اس ماحول کا رنگ چڑتا جاتا ہے یہ سب اس کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس کی پیدائش سے لیکر ہر لحہ اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر یہ سماجی عوامل مثبت اور صحیح خطوط پر بچوں کی تربیت کریں تو یہ ملک و قوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ لہذا ان عوامل میں سے والدین، مسجد، تعلیمی ادارے اور ذرائع ابلاغ کے کردار کے بارے میں تفصیلی مطالعہ محققہ کی دلچسپی اور خواہش ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت:

بچے کسی بھی قوم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں جو ملک و قوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پیدائش کے بعد ہی ان کی تربیت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ عادات تو وہ وراثت میں لیکر آتے ہیں اور کچھ والدین اور دیگر سماجی عوامل سے سیکھتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا تعلق سماجی عوامل سے جڑ جاتا ہے اور ساتھ ہی تعلیم و تربیت کا عمل شروع ہو

جاتا ہے۔ والدین اور ان کی شخصیت سب سے زیادہ بچے کی تربیت میں اثرانداز ہوتی ہے۔ والدین اپنی اولاد کے لیے بے حد شفقت و احساس کا جذبہ رکھتے ہیں یہی پدری و مادری فطری جذبات و احساسات انھیں اچھی تربیت اور کفالت پر ابھارتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ﴾ [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اب والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فرائض کو احسن طریقے سے پورا کریں اپنے بچوں کو خاندان کے ساتھ جوڑ کے رکھیں۔ بچوں کو نماز اور قرآن پاک پڑھنے کی عادت ڈالیں اس مقصد کے حصول کے لیے انھیں مسجد میں بھیجیں کیونکہ اہل ایمان کا مسجد کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے اس میں مومن کی روح کو آرام اور سکون ملتا ہے مسجد ہی بچوں میں مومن کی صفات پیدا کر سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَسَـٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا﴾ [3]

ترجمہ: اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے نام لیا جاتا ہے۔

بچہ جب عبادت کرے گا تو اس میں اللہ کی وحدانیت کا تصور پختہ ہو گا اپنی تخلیق کے مقصد کا ادراک کر سکے گا۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بہتر ماحول مہیا کریں۔ ان کے حلقہ احباب کے بارے میں جانیں۔ بچوں کو باقاعدگی سے مسجد میں بھجیں۔ دین کے فرائض کا اجمالی علم فرضِ عین ہے اس کی تحصیل ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔ دوسرے علوم کی تحصیل محدّثین کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے۔ ایسے علم کو اگر ایک آدمی بھی حاصل کرے اور باقی کسی وجہ سے نہ بھی کریں تو اس علاقے کے لوگ گنہگار نہیں ہوں گے۔ مگر سب حاصل کریں تو یہ سعادت ہے آج کے دور میں دنیاوی تعلیم اشد ضروری ہے اس لیے بچوں کو اچھے تعلیمی اداروں میں بھیجنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کے مقام اور تعلیم و تعلّم کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ۝١ خَلَقَ ٱلْإِنسَـٰنَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ۝٣ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ

[2] سورة التحريم:6

[3] سورة الحج:40

﴿ عَلَّمَ ٱلۡإِنسَٰنَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ﴾[4]

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے، وہ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

مسلمان معلم پر دوہری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک تو وہ جو محض معلم ہونے کے ناطے اور دوم وہ جو مسلمان معلم ہونے کی بنا پر ہیں۔ بنیادی طور پر ہر معلم معمارِ قوم ہوتا ہے۔ وہی ہر وقت نسلِ نو کی تربیت کرتا رہتا ہے اس لیے استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو اسلامی تعلیم سے بھی روشناس کرائے۔ اس کے ساتھ ساتھ معلم اور والدین کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ بچوں کو ذرائع ابلاغ کے مثبت استعمال سے باور کرائیں اور انھیں اس کے منفی اثرات سے آگاہی فراہم کریں۔

مذکورہ عوامل میں سے اگر کسی میں بھی تعلیم و تربیت کے دوران غفلت برتی گئی تو نتائج برعکس ہو سکتے ہیں ان عوامل میں سے بچے سب سے زیادہ والدین، مسجد، تعلیمی ادارے اور ذرائع ابلاغ سے سیکھتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کر دوران ان عوامل کی مسلسل کاوش کی وجہ سے ہی بچے کامیاب اور سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اگر ان چاروں میں کسی ایک کی طرف سے بھی کمی ہوئی تو بچے غلط سمت کی طرف نکل سکتے ہیں۔ لہذا بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان سماجی عوامل کے کردار اور اثرات کا جاننا ضروری ہے۔

بنیادی مسئلہ:

بچوں کی تربیت میں ہر لمحہ اثر انداز ہونے والے سماجی عوامل میں والدین، مسجد، سکول اور میڈیا اہم اور نمایاں ہیں۔ زیرِ نظر موضوع تحقیق میں اس بات کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ذکر کردہ سماجی عوامل بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیم و تربیت کی روشنی میں ان چار عوامل کے مثبت کردار کی بہتری کے لیے کیا کیا اقدامات ناگزیر ہیں؟

---

[4] سورة العلق: 1 -5

مقاصد تحقیق:

تحقیقی مقالے کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

1. بچوں کی تعلیم و تربیت میں اثر انداز ہونے والے مختلف سماجی عوامل کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا۔
2. بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے سماجی عوامل کے کردار و اثرات کا جائزہ لینا۔
3. سماجی عوامل کے کردار کی بہتری کے لیے تجاویز و سفارشات مرتب کرنا۔
4. سماجی عوامل کے کردار کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

سوالات تحقیق:

اس تحقیقی مقالے میں درج ذیل سوالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

1. بچوں کی تعلیم و تربیت میں اثر انداز ہونے والے سماجی عوامل کون کون سے ہیں؟
2. بچوں کی تعلیم و تربیت میں انتخاب کردہ سماجی عوامل کا کیا کردار ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
3. عصرِ حاضر میں ان سماجی عوامل کے کردار میں کن کن پہلوؤں سے بہتری کی ضرورت ہے؟

تحدید کار:

اس تحقیقی مقالے میں صرف ضلع سدھنوتی کے پرائمری سطح کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہونے والے سماجی عوامل کے کردار و اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

والدین

مسجد

تعلیمی ادارے

ذرائع ابلاغ

موضوع پر سابقہ تحقیق کا جائزہ:

مقالہ ہذا کے موضوع پر تحقیقی کام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. پاکستانی بچوں کے تعلیمی اور معاشرتی مسائل اور ان کا حل (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی و تنقیدی جائزہ) (پی-ایچ-ڈی) مقالہ نگار: عبدالواسع، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان (2015)

- عمومی طور پر بچوں کو لیا۔
- بچوں کے تعلیمی اور معاشرتی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔
- سماجی عوامل کا کردار بیان نہیں کیا۔

2. تعمیر اخلاق میں عصر حاضر کے تربیتی مراکز کا کردار، (تحقیقی جائزہ) (ایم فل) مقالہ نگار: رفعت النسا، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام-(2016)

- بچوں کی عمر کو متعین نہیں کیا گیا ہے
- عمومی طور پر تربیتی مراکز کو لیا گیا ہے۔

3. تربیت اولاد میں عصری مسائل اور ان کا حل (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں) (ایم فل) مقالہ نگار: مسرور امداد، شعبہ علوم اسلامیہ، جی-سی یونیورسٹی فیصل آباد (2014)

- تربیت اولاد کے حوالے سے جدید دور کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔
- سماجی عوامل پر بحث نہیں کی گئی۔

4. مسجد و مکتب: عصری تناظر میں، (ایم۔اے) مقالہ نگار: سفینہ صابر، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔(2012)

- عمومی بحث کی گئی ہے۔
- بچوں کی تربیت کے حوالے سے نہیں لکھا گیا۔

5. مسجد مرکز تعلیم و تربیت، (ایم۔اے) مقالہ نگار: نسرین علی محمد، پنجاب یونیورسٹی لاہور (1988)

- بچوں کو خاص نہیں کیا گیا ہے۔

- چند صفحات پر مشتمل ہے۔

6. بچوں کی نفسیاتی تربیت، اسلامی تعلیمات کے تناظر میں، ڈاکٹر کریم داد، ایکٹا اسلامیکا، جلد 2۔ شمارہ 3، دسمبر 2015

- نفسیاتی برائیوں مثلاً ظاہری شرم، ظاہری خوف، احساس کمتری، حسد اور غصے سے بچاؤ کے طریقے بتائے گئے ہیں۔
- عوامل کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے
- چند صفحات پر مشتمل ہے۔

درج بالا میّسر تحقیقی مواد میں انفرادی طور پر والدین، مسجد کے کردار پر کام ہوا ہے جس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ تاہم اس کام کی نوعیت انفرادی ہے کہیں پر بچوں کے مسائل کو لیا گیا ہے اور کہیں پر اداروں کا عمومی کردار بیان کیا گیا ہے دوسرا کوئی علاقہ مختص نہیں کیا گیا اور تمام کام مطلق طور پر تربیت کے حوالے سے ہے اس میں کسی خاص عمر کے بچوں کی ضروریات اور تعلیمی درجے کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ منتخب کردہ موضوع پر کام اس حوالے سے منفرد ہے کہ اس میں علاقہ بھی مختص کیا گیا ہے اور تعلیمی درجہ بھی، پرائمری سطح پر ضلع سدھنوتی کے بچوں کی ضروریات اور نفسیات کے مطابق سماجی عوامل کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔ میّسر تحقیقی مواد سے استفادہ کرتے ہوئے صرف پرائمری سطح کے بچوں کی کردار سازی میں سماجی عوامل کے کردار پر تحقیقی کام کی انتہائی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

اسلوب و طریقہ تحقیق:

موضوعِ تحقیق میں بیانیہ اور تجزیاتی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے جس کے لیے درج ذیل ذرائع تحقیق کا استعمال کیا گیا ہے۔

لائبریریاں

بنیادی مصادر

سوالنامہ

سروے

ضلع سدھنوتی کے پرائمری سطح کے بچوں سے سماجی عوامل کے کردار اور اثرات کے بارے میں close ended سوالنامے کے ذریعے آگاہی حاصل کی گئی ہے 20 پرائمری سکول سروے کے لیے مختص کیے گئے ہیں (10

پرائیویٹ سکول 10 گورنمنٹ کے)۔ 2700(Population) میں سے 200(Sample) بچوں کو لیا گیا۔ جن میں 100 گورنمنٹ سکول کے اور 100 پرائیویٹ سکول کے بچے ہیں۔ سوالنامے کے آلات تحقیق میں ہاں، ناں اور کبھی کبھی شامل ہیں۔

سوالنامے کی اعتباریت (Validity) ماہر اساتذہ کرام سے چیک کروائی گئی۔ Pilot testing کے لیے 17 بچوں کے درمیان سوالنامہ تقسیم کیا گیا جو آخری نمونہ (Sample) کا حصہ نہیں تھے۔ سوالنامے کی Reliability کو چیک کرنے کے لیے نعمان صدیق[5] کی مدد لی گئی جو کہ 0.79 آئی۔

نمونہ (Sample) کے لیے Randomly technique استعمال کی گئی ہے۔ سوالنامے کا مقصد پرائمری کلاس کے چہارم اور پنجم کلاس کے 200 بچوں کی آراء سے سماجی عوامل کے کردار اور اثرات کا تجزیہ کرنا ہے رپورٹ ٹیبل اور گراف کے ذریعے پیش کی گئی ہے جبکہ فیصد کے ذریعے حتمی نتائج کو سامنے لایا گیا ہے۔

[5] نعمان صدیق پی ایچ ڈی سکالر ہیں۔ آپ نے ایم فل کی ڈگری محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف سے ایجوکیشن میں لی اور اب اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اس کے علاوہ آزاد کشمیر کے شعبہ تعلیم میں ریاضی کے استاد ہیں۔

باب اول: سماجی عوامل: بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین کا کردار اور اثرات

فصل اول: سماجی عوامل: معانی و مفہوم اور اہمیت

فصل دوم: بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین کا کردار اور اثرات

فصل سوم: تعلیم و تربیت میں والدین کے کردار کا شماریاتی جائزہ

فصل چہارم: والدین کے کردار کو مثالی بنانے کے لیے ممکنہ لائحہ عمل

فصل اول:

سماجی عوامل: معانی و مفہوم اور اہمیت

انسان کے ارد گرد مختلف تبدیلیاں اور حالات و واقعات رونما ہوتے ہیں جن کا اثر اس کی شخصیت اور ذات پر بھی پڑتا ہے۔ وہ تبدیلیاں خود رونما نہیں ہوتی بلکہ ان کی کوئی وجہ ہوتی ہے اس کے پیچھے کچھ عوامل کارفرما ہوتے ہیں یہ عوامل و حالات انسان کی مذہبی، اخلاقی و معاشرتی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور ماحول و معاشرے کے بغیر اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیے انسان فطری طور پر اپنے ارد گرد کے ماحول اور افراد سے تعلق بناتا ہے نتیجتاً یہ ماحول اور معاشرہ اس پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ وہ جب دنیا میں آتا ہے تو شروع میں اس کا تعلق اس کے والدین سے، رشتہ داروں سے، آگے چل کر دوست واحباب سے پھر دوران تدریس مختلف لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ ان کے فراہم کردہ ماحول سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ دورِ جدید کا میڈیا اور سوشل میڈیا بھی نہایت اہم سماجی عنصر ہے جس کے اثرات ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ ذیل میں ان سماجی عوامل کا معانی و مفہوم، تعارف، اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی اہمیت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

معانی و مفہوم:

سماجی عوامل سے مراد وہ عوامل ہیں جو انسان کے ارد گرد ہوتے ہیں جن کی موجودگی انسان پر اپنا اثر مرتب کرتی ہے۔ سماجی لفظ سماج سے ہے اور عوامل عامل کی جمع ہے۔

فیروز اللغات میں سماج اور عوامل کے لغوی معنٰی اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

سماج: ''معاشرہ، سوسائٹی۔ انجمن، کمیٹی، محفل، گروہ، جتھا، ٹولی''[1]

عوامل: عامل کی جمع، عمل کرنے والے، اثرات[2]

---

[1] فیروز اللغات، فیروز الدین، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ط عبد السلام، 1995ء، ص808

[2] ایضاً، ص906

جبکہ انگریزی میں "social" کالفظ استعمال کیا جاتا ہے۔
قاموس اصطلاحات میں اس سے درجہ ذیل الفاظ مراد لیے گئے ہیں:
Social: عمرانی ، سماجی، معاشرتی۔[3]

The Heritage Illustrated Dictionary of the English language میں social لفظ کی وضاحت اس طرح سے ملتی ہے۔

Social:" living together in communities".[4]

جبکہ سماج کے مترادف لفظ معاشرہ بھی استعمال کیا جاتا ہے عربی میں اس کے لیے مجتمع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے۔

"(الْمُجْتَمع مَوضِع الِاجْتِمَاع وَالْجَمَاعَة من النَّاس)"[5]

ترجمہ: لوگوں کی جماعت اور جمع ہونے کی جگہ کو معاشرہ کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ سماج سے مراد لوگوں کا گروہ اور جماعت ہے جو باہم آپس میں مل جل کر رہتے ہیں اور یہ ملاقات ذاتی بقا کی وجہ سے ہوتی ہے اور گروہ میں دو سے زائد لوگ شامل ہوتے ہیں اور دیکھا جائے تو بچوں کا گروہ ان کے اپنے گھر سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ پیدائش کے بعد ان کا واسطہ گھر سے باہر لوگوں سے پڑ جائے اس لیے ان کے والدین اور خاندان کے افراد جو ان کے ساتھ رہتے ہیں وہ بھی اس گروہ میں شامل ہو کر ان کے سماج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جبکہ سماجی عوامل سے مراد وہ اثرات ہوں گے جو ان لوگوں پر، ان کی جماعت پر یا معاشرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اور بچوں کی تربیت میں سب سے زیادہ اور مؤثر کردار ان کے والدین کا ہوتا ہے اس کے بعد اس کا خاندان پھر دوست احباب، ماحول مساجد، تعلیمی ادارے اور میڈیا اس پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

[3] قاموس اصطلاحات، پروفیسر منہاج الدین، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، 1965ء، ص:722

[4] The Heritage Illustrated Dictionary of the English language,William Morris,American Heritage Publishing,Boston,P:1225

[5] المعجم الوسيط،إبراهيم مصطفىٰ،دار الدعوة،2004ء،136/1

سماجی عوامل کی اہمیت:

انسان کے ارد گرد کی دنیا کو سماج کہتے ہیں۔ سماج میں بہت سے عوامل ہیں جو ہر طبقے، معاشرے کے تمام افراد پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چاہے ان کا تعلق بچوں سے ہو، نوجوانوں سے ہو، بوڑھوں سے ہو یا زندگی کہ کسی بھی شعبے سے ہو۔ ان تمام افراد میں بلاشبہ بچے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، شعور نہیں رکھتے۔ وہ اپنے ارد گرد نگاہیں دڑاتے ہیں اور ہر رونما ہونے والی عادت و حرکت کو اپنا لیتے ہیں۔ شعور کی دنیا میں قدم رکھنے تک وہ نقل و پیروی ہی کرتے ہیں اس بات سے ناآشنا ہو کر کہ جو وہ اپنا رہے ہیں اس کا ان کی شخصیت پر مثبت اثر ہو گا یا منفی۔ قاسم یعقوب[6] اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "بچہ جب اپنے معروض میں آنکھ کھولتا ہے تو اس پر ہر اطراف سے سماجیات حملہ آور ہوتی ہے۔ انسان سماجی حیوان ہے وہ سماجی ماحول میں ہی رہ سکتا ہے۔ بچے پر سماجیات کا گہرا اثر ہوتا ہے، جو بچے کی شخصیت کی تعمیر کے لیے[7] Biogenesis کا کام کرتی ہے۔ جانوروں کی طرح انسان بھی عمومی طور پر پیروی کرنے والا (Follower) فطرت رکھنے والا جان دار ہے، مگر شعور کی قوت سے وہ اپنی تخلیقی قوت کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"[8]

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ سماجیات ہر ایک پر اثر انداز ہوتی ہے۔ عقل و شعور کی مدد سے انسان اس کی پیروی کم کرتا ہے اور اس کا مثبت اثر قبول کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے عقل شرط ہے۔ جبکہ بچے معصوم ہوتے ہیں اس لیے وہ اس سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا ان عوامل کے بارے میں جاننا ضروری ہے جن کا اثر بچوں پر ہوتا ہے ۔وہ عوامل والدین، خاندان دوست و احباب، تعلیمی ادارے، مسجد، ذرائع ابلاغ اور اس کے ارد گرد کا ماحول ہے جن کا واسطہ عمر کے ساتھ ساتھ ان پر پڑتا ہے ذیل میں بچوں کی تعلیم و تربیت ان عوامل کی اہمیت وافادیت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

---

[6] قاسم یعقوب 10 جون 1978 کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ اردو کے ادبی جریدے نقاط (نئے ادب کا ترجمان) کے مدیر ہیں۔ دو کتابوں کے مصنف، شاعر اور کالم نگار بھی ہیں-https://www.rekhta.org/authors/qasim-yaqub/profile? 28,6,2021

[7] نظریہ حیات مسلسل، اس نظریے کا نام ہے جس میں تمام زندہ چیزیں زندہ چیزوں سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔https://www.urduenglishdictionary.org/English-To-Urdu09nov2020

[8] بچوں کی سماجی تربیت کیسے، قاسم یعقوب، اکتوبر، http://daanish.pk/39292)20,10,2020

والدین:

والدین بچے کی تربیت کا اہم حصہ ہیں جن کے ساتھ بچے کا واسطہ سب سے پہلے پڑتا ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت رسمی اور غیر رسمی دونوں طریقوں سے ہوتی ہے غیر رسمی تعلیم و تربیت کا اہم حصہ اس کے اپنے والدین ہوتے ہیں بچہ ان سے ورثے میں بھی کچھ کچھ عادات اور خوبیاں حاصل کرتا ہے۔ والدین بھی بغیر کسی طمع کے اپنے بچے کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ اسے زندگی گزارنے کا گر سکھاتے ہیں۔ اس کے لیے اپنی خوشیاں بھی وقف کر دیتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں۔ بچوں کی محبت ان کے دل میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے ورنہ وہ بچوں پر محنت نہ کرتے اور نہ ہی ان کی دیکھ بھال کرتے ۔یعنی انسان کا وجود والدین کا مرہون منت ہے۔ اگر والدین بچوں کی پرورش اسلام کے مطابق کریں تو وہی بچے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں باعث مسرت ہوں گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ صالح اور پاکیزہ اولاد ہی طلب کرنی چاہیے جو والدین کے لیے راحت و سکون کا باعث بنے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِی مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾[9]

ترجمہ: اے میرے پروردگار مجھے اپنی جناب سے نیک اور پاکیزہ سیرت اولاد عطا فرما۔

آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہ السلام نے بھی نیک اولاد کی خواہش کی۔ اور نبی کی اولاد کی تربیت میں کمی ہو ہی نہیں سکتی پھر بھی حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں اولاد عطا کر اور ساتھ میں اسے پاکیزہ بھی بنا دے۔

جبکہ آج کے والدین جو ایک طرف بچوں کی خوشیوں کے لیے سب کرتے ہیں مگر دوسری طرف ان کی تربیت میں غفلت برت دیتے ہیں۔ آج بھی والدین کا مقام اعلیٰ ہے۔ خصوصاً ماں کا مقام کیونکہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے ۔اس لحاظ سے اس کی ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ بچہ زیادہ وقت ماں کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اس کا دوسروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ دیکھتا ہے اور اسی رویے کو اپنے لیے بھی منتخب کر لیتا ہے اسی لیے تو ماں کی گود کو پہلی درسگاہ کہا گیا ہے اس لیے ماں کا مقام اور مرتبے کا لحاظ رکھ کر بچے کی تربیت کرنی چاہیے۔ مرد کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ عورت کا ساتھ دے اس سے بات بات پر جھگڑا نہ کرے وہ اپنی بیوی کو عبادت کی طرف مائل کرے اور گھر کا ماحول اسلامی رکھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[9] سورة آل عمران:38

((كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[10]

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔

درج بالا قرآنی آیت سے ثابت ہوا کہ مرد کی ذمہ داری یہاں پر بھی زیادہ ہے وہی گھر کا سربراہ اور بیوی اور بچوں کا حاکم ہوتا ہے۔ اگر بیوی بچے برے کاموں کی طرف مائل ہو گئے تو اس کی باز پرس مرد سے ہو گی۔ مرد اور عورت دونوں ہی مل کر بچے کی تربیت کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ان پر لازم ہے کہ وہ گھر کا ماحول اسلامی رکھیں۔ انھیں عبادت کرتا دیکھ کر بچہ بھی دین کی طرف مائل ہو گا کیونکہ بچے اپنے والدین کا عکس ہوتے ہیں اس لیے دونوں محنت اور لگن سے تربیت کریں اس میں کوتاہی نہ برتیں۔ کیونکہ والدین سے بچہ جو اثر قبول کرتا ہے وہ بڑا ہی اہم اور دور س ہوتا ہے یہی کھاتا، پیتا، چلتا، پھرتا اور رہتا ہے۔ والدین سے جو اسے محبت، شفقت اور ہمدردی نصیب ہوتی ہے وہ اس کی شخصیت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ والدین کی خوبی اور خامی پر بچے کی نظر ہوتی ہے اور پھر خود کو وہ ان خوبیوں یا خامیوں سے متصف کر لیتا ہے۔ وہ والدین سے انداز گفتگو، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، اخلاقی، ثقافتی اقدار اور معاشرتی اقدار اور دینی امور سیکھتا ہے۔

والدین کو چاہیے کہ اگر وہ بچوں کی صحیح تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو ان کے لیے نمونہ بنالیں کہ بچے غلط راستے پر چل نہ سکیں۔ اگر ان کا رخ غلط سمت ہو بھی جائے تو فوراً ان کی اصلاح کر دیں۔ بچوں کہ بنانے اور بگاڑنے میں والدین کا ہی ہاتھ ہوتا ہے اگر والدین بچوں کو پورا وقت دیں تو بچے کبھی بھی نہ بگڑیں۔ یہ درست ہے کہ موجودہ دور کی ترجیحات یکسر بدل گئی ہیں اور تعلیم و تربیت بھی موجودہ دور کے مطابق ہو لیکن بچوں کی تربیت کا سلسلہ آج بھی وہی ہے جو دہائیوں پہلے تھا۔ ان کی کردار سازی کے لیے آج بھی والدین کا وقت درکار ہے اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ روز اول سے اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اپنے فرض سے کوتاہی نہ برتیں اور بچوں کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔

خاندان:

بچے کی غیر رسمی تعلیم و تربیت میں خاندان بھی والدین کے بعد یا والدین کے ساتھ بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاندان کو عربی میں اسرہ کہتے ہیں۔

[10] صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراهیم ، کتاب العتق،بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، وَقَوْلِهِ عَبْدِي، أَوْ أَمَتِي،ناشر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، 2004ء ،ح:2554

موسوعۃ الفقھیہ میں اسرہ کی تعریف یوں ہے۔

وَالأُسْرَةُ: عَشِيرَةُ الرَّجُل وَأَهْل بَيْتِهِ [11]

"آدمی کے خاندان اور اس کے گھر والوں کو اسرہ کہتے ہیں"

محمد بن عبدالرزاق اسرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

أَقاربُ الرَّجلِ مِن قِبَلِ أَبِيه [12]

"آدمی کے اس کے باپ کی طرف سے رشتہ داروں کو اسرہ کہتے ہیں"

درجہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا اسرۃ میں ماں کی طرف نہیں بلکہ باپ کی طرف سے رشتہ دار شامل ہیں۔ جو باپ کے رشتہ دار ہیں وہی بچے کا خاندان ہیں۔ جن میں دادا، دادی، چچا، چچی، پھوپھی، چچازاد، پھوپھی زاد وغیرہ آتے ہیں۔ والدین اور بہن بھائی بھی خاندان ہی کہلاتے ہیں۔ ان تمام رشتے داروں کے ساتھ بچے کا تعلق پیدائش کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ﴾ [13]

ترجمہ: والدین سے اچھا سلوک کرو نیز قریبی رشتہ داروں سے۔

قرآنی آیت میں والدین کے ساتھ اچھے سلوک کا کہا گیا ہے اور والدین کے بعد رشتہ داروں کا ذکر کر کے ان کی اہمیت کو بتادیا اور حکم دیا کہ ویسا ہی معاملہ ان کے ساتھ بھی روا رکھو۔ پھر حدیث میں واضح کہ دیا کہ رشتہ داروں سے تعلق کو جوڑ کر رکھنے کا کہا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) [14]

---

[11] الموسوعة الفقهية الكويتية ، مطابع دار الصفوة – مصر، 1427 ھ،223/4

[12] تاج العروس من جواهرالقاموس،زبیدی،محمد بن عبد الرزاق،دار الھدایہ ،1423ھ،51/10

[13] سورة النساء:36

[14] صحيح بخاری، كتاب الأدب ، بَابُ مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصِلَةِ الرَّحِمِ ،ح5986

ترجمہ: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں اور عمر میں درازی ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

درج بالا حدیث سے واضح ہوا کہ رشتے داروں سے تعلق کو قائم رکھنے سے انسان کا رزق وسیع اور عمر دراز ہوتی ہے۔ دیکھا جائے تو والدین کے بعد یہ لوگ ہیں جو بچے کی شخصیت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور کبھی والدین کی موجودگی میں یہ اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی بچے سے اور بچے کی ان لوگوں سے محبت فطری ہوتی ہے۔ بچے اپنے والدین اور رشتہ داروں کے مابین تعلق کا بغور جائزہ لیتے ہیں اور اگر وہ تعلق اچھا ہو تو بچے اس کو اپنی ذات کا حصہ بنا لیتے ہیں اور مستقبل میں ان کی ذات میں اس کا کردار نظر بھی آتا ہے۔ منفی تعلق کی صورت میں بچے کی ذات اس کو بھی قبول کر کے اپنی ذات و شخصیت کا حصہ بنا لیتی ہے۔ اس لیے یہ تعلق بھی ہمدردی، استحکام، صلہ رحمی اور اخوت و بھائی چارے کی اعلیٰ مثال ہونا چاہیے۔

والدین قرآنی آیت اور حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر بچوں کو اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک کا درس دیں۔ سب آپس میں پیار و محبت کا مظاہرہ کریں ایک دوسرے کی عزت کریں، ایک دوسرے کی بات کو سمجھیں، مشکل میں ایک دوسرے کی مدد کریں، خوشی غم میں شریک ہوں۔ جب خاندان کے لوگوں میں مذکورہ صفات ہوں گی تو لامحالہ اس خاندان کے بچے بھی انہی صفات سے متصف ہوں گے۔ کیونکہ بچہ جب سکول جاتا ہے تو اس پر اپنے خاندان کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک کلاس میں ایک استاد سے پڑھنے والے بچوں کی کارگردگی مختلف ہوتی ہے کیونکہ وہ سب مختلف خاندان سے آئے ہوتے ہیں ان کی بنیادی تعلیم و تربیت خاندان میں ہی ہوتی ہے۔ سکول اور دیگر غیر رسمی ادارے آگے بچے کی شخصیت کو بناتے ہیں۔ لہذا خاندان کے لوگوں کے لیے ضروری ہے بچے کی تربیت میں کوتاہی نہ برتیں اور آپس میں محبت و تعاون سے رہیں تاکہ ان کی نسل بھی ان خوبیوں کا پیکر ہو۔

ہمسائے:

بچے کی تعلیم و تربیت کا ایک غیر رسمی عامل اس کے ہمسائے ہیں۔ بچہ جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو خود کو آزاد محسوس کرتا ہے اس کا واسطہ اپنے ہمسائیوں سے پڑتا ہے وہ ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی بول چال،

عادات واطوار اور رہن سہن اس کے گھر سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ ان کی عادات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اس بات سے عاری ہو کر کہ وہ صحیح ہیں کہ نہیں ان کے بچوں کو دوست بناتا ہے۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوتا ہے اپنی کم سنی کے باوجود وہ ان کی خوشی اور غم میں شامل ہو کر پڑوسیوں کے حقوق جو اس کے ذمے تھے انھیں ادا کرتا ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ))[15]

ترجمہ: جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار اس طرح وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید اسے وراثت میں شریک نہ کر دیں۔

مذکورہ حدیث سے پڑوسیوں کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو بچے اگرچہ سمجھتے تو نہیں لیکن ان کے ساتھ تعلق استوار کر کے گویا وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اور سماج کا ایک عامل ہونے کی وجہ سے بچہ پڑوسیوں کے رنگ میں بھی کافی حد تک رنگ جاتا ہے۔ وہ عادات واطوار جو ان سے سیکھتا ہے یا ان کو جو کرتے دیکھتا ہے اس کا مظاہرہ گھر آکر بھی کرتا ہے۔ والدین پر لازم ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیں اور منفی عادات کا تدارک جلدی کریں تاکہ ان کا بچہ کم سنی میں ہی کسی منفی سرگرمی کا حصہ نہ بن جائے۔

دوست:

بچہ جیسے ہی گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتا ہے اس کا حلقہ احباب وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ مسجد میں بچوں سے، سکول میں بچوں سے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے بچوں سے مانوس ہوتا ہے اور ان بچوں کو اپنے دائرہ احباب میں شامل کر لیتا ہے۔ ان کے ساتھ کھیلتا کودتا ہے۔ اس سماجی میل جول سے اس میں پیار و محبت، اور بھائی چارے کی اقدار پرورش پاتی ہیں۔ چونکہ وہ سب مختلف گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے سب کی عادتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ میں سلیقہ کھوٹ کھوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ تو کچھ بات بات پر گالیوں کے انبار نکالتے ہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[15] صحیح بخاری، کتاب الأدب، بَابُ الْوَصَاةِ بِالْجَارِ، حدیث نمبر: 6015

((وَمَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ شَيْءٌ أَصَابَكَ مِنْ رِيحِهِ، وَمَثَلُ جَلِيسِ السُّوءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْكِيرِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْ سَوَادِهِ أَصَابَكَ مِنْ دُخَانِهِ))[16]

ترجمہ: اور صالح دوست کی مثال مشک والے کی طرح ہے، کہ اگر تمہیں اس سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو ضرور پہنچ کر رہے گی، اور برے دوست کی مثال اس دھونکنی (لوہے کی بٹھی) والے کی سی ہے، کہ وہ اگر اس کی سیاہی سے بچ بھی جائے تو اس کا دھواں تو لگ ہی کر رہے گا۔

مذکورہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ دوست اچھا ہو یا برا دونوں صورتوں میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور بچہ اپنی کم سنی اور ناقص عقل کی وجہ سے بنا سوچے سمجھے ان اثرات کو اپنا لیتا ہے اور غلط عادات واطوار اور الفاظ کو بھی اپنا لیتا ہے اور گھر میں آکر اس کا مظاہرہ بھی کرتا ہے۔ نئے بچوں سے ملکر وہ نئی نئی باتیں سیکھتا ہے اور کبھی غلط عادات بھی۔ یہاں پر والدین پر پھر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ دیکھیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بچے نے ایسا لفظ استعمال کیا۔ اس غلط عادت کی وجہ کیا ہے اور معلوم ہونے پر بچے کا حلقہ احباب کو سمجھائیں بصورت دیگر بدل دیں۔ بچوں کے گھروں کے رسم ورواج کو بھی دیکھیں اور پھر بچے کو ان کے ساتھ مراسم بڑھانے کی اجازت دیں۔ کیونکہ ہم عمر بچوں سے ان کا بچہ زیادہ سیکھتا ہے۔

تعلیمی ادارے:

بچے ہر دل عزیز ہوتے ہیں ان کی ہر ادا دل کو بھاجاتی ہے۔ اگر شروع سے ہی ان کی تعلیم کے ساتھ تربیت پر توجہ نہ دی جائے تو یہی بچے وبال جان بن جاتے ہیں۔ کیونکہ تعلیم ہی انسان کو اچھائی اور برائی سے متعارف کراتی ہے۔ انسان کو صحیح سمت مہیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[17]

ترجمہ: آپ ان سے پوچھئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

---

[16] سنن ابی داود، سلیمان بن اشعث، کتاب الأدب ، باب مَنْ يُؤْمَرُ أَنْ يُجَالَسَ، دارالفکر بیروت لبنان، 1414ھ ح: 4829، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[17] سورة الزمر: 9

اہل علم ہمیشہ سے ممتاز رہے ہیں۔اس لیے بچوں کو بھی اس دولت سے متعارف کرانا چاہیے۔دور حاضر میں بچوں کی تعلیم و تربیت میں سکول اہم کردار ادا کرتا ہے اسے رسمی تعلیم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔یہاں پر ایک خاص منصوبہ بندی اور خاص نصاب کے تحت بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔علم کا زیور جو سب سے قیمتی ہے بچوں کی صلاحیتوں کو مد نظر رکھ کر مختلف سر گرمیاں اور معلومات کا ذخیرہ کیا جاتا ہے اور اسے آہستہ آہستہ بچوں میں منتقل کیا جاتا ہے۔فقط تعلیم ہی نہیں بلکہ تربیت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے بچوں کی آزادی کے لیے مختلف سر گرمیاں ترتیب دی جاتی ہیں تدریس کو مؤثر بنانے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کیے جاتے ہیں اسے اپنی ثقافت سے روشناس کرایا جاتا ہے بچوں میں اخلاقی اقدار کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔نصابی اور غیر نصابی سر گرمیوں کے ذریعے بچے کو اپنی ثقافت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت میں تعلیمی ادارے ایک اہم ترین سماجی عامل ہیں۔ان کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے کیونکہ یہاں بچے کی دلچسپیوں اور رجحانات کو مد نظر رکھا جاتا ہے اپنی عمر کے بچوں سے وہ مل کر مختلف عادات واطوار سیکھتا ہے۔جو وہ سکول سے باہر سیکھتا ہے اس میں کوئی نظم و ترتیب نہیں ہوتی لیکن سکول میں سیکھی گئی چیزوں میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور اس کے کام میں ایک ترتیب آجاتی ہے۔وہ کھیل کھیل میں زندگی کا اصول سیکھتا ہے ہار کر واپس آگے بڑھتا ہے اور جیت میں سب کو شامل کرتا ہے الغرض سکول بچے کی رسمی تعلیم و تربیت کا اہم ادارہ ہے۔

مسجد:

مسجد بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہم ستون مانا جاتا ہے۔مسلمان گھرانے کا مسجد سے بڑا گہرا اور خاص تعلق ہوتا ہے۔اس لیے مسلمانوں کے بچوں کا شروع سے ہی مسجد سے ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔وہ نماز کی ادائیگی گھر میں دیکھتے ہیں اور ان میں بھی یہ تحریک پیدا ہوتی ہے۔پھر وہ قرآن کی تعلیم کے لیے مسجد میں جاتے ہیں جہاں انھیں نماز،قرآن کی تعلیم اور دینی مسائل کے بارے میں آگاہی فراہم کی جاتی ہے۔وہ دینی تعلیم کا مرکز مسجد کو ہی مانتے ہیں۔اور یہ بے جا بھی نہیں ہے مسجد ان کے ایمان کو تازہ کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ﴾[18]

ترجمہ:اللہ کی مساجد کو آباد کرنا تو وہی کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔

[18] سورة التوبہ:18

اس آیت میں مساجد کے آباد کرنے والے کو مومن کہا گیا ہے۔ مسجد کا آباد کرنے سے مراد مساجد میں آنا جانا، روشنی کا انتظام کرنا صفائی کرنا وغیرہ شامل ہے اور یہ کام بچے بخوشی کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں دن میں وہ کتنے ہی چکر مسجد کے لگاتے ہیں۔ مسجد بچوں کی تعلیم و تربیت میں غیر رسمی اور اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مسجد میں حاضری سے بچے سماج کے طور طریقوں سے واقف ہوتے ہیں۔ عیدین اور نماز جمعہ کے وقت دوسروں کو گلے ملتا دیکھ کر ملاقات کے آداب سے واقف ہوتے ہیں۔ محبت اور الفت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ بھائی چارے اور مساوات کا درس سیکھتے ہیں۔ مسجد بچوں کی غیر رسمی لیکن دینی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ موجودہ دور میں اس کا کردار محدود ہے لیکن اسلام کے اوائل میں اس کا کردار وسیع تھا لیکن اب بھی بچوں کی تعلیم و تربیت اور مذہبی تعلیم سے روشناس کرانے میں مسجد اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

ذرائع ابلاغ:

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ تعلیم و تربیت کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس سے تدریس کو مؤثر اور سہل بنایا گیا ہے یہ معلومات میں اضافے کا اہم ذریعہ ہے۔ ابلاغ کی مدد سے اپنی معلومات کو دوسروں تک آسانی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کے اثرات سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ دور حاضر میں ہی نہیں بلکہ ماضی میں بھی اپنی معلومات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے ابلاغ کا سہارا لیا گیا اتنا ہی نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہ السلام نے بھی اس کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ ﴾[19]

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے۔

مذکورہ قرآنی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کرام علیہ السلام بھی لوگوں کو ابلاغ کی مدد سے دعوت دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے خود انھیں حکم دیا کے ان کے پاس جو بھی ہے وہ دوسروں تک پہنچائیں۔ گویا معلومات کو دوسروں تک پہنچانا انبیاء کرام علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور آج ابلاغ کے ذرائع اس سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ بچے بھی لاشعوری طور پر اس کے اثرات کے قائل ہیں اور تمام باتیں اور معلومات جو والدین اور اساتذہ سے نہیں سیکھ پاتے وہ ابلاغ سے سیکھ لیتے ہیں۔ ابلاغ کی مدد سے وہ سماج سے بھی اور پوری دنیا سے بھی جڑے رہتے ہیں۔ گویا ذرائع ابلاغ نے انھیں سماج

[19] سورة المائدہ:67

کا حصہ بنادیا ہے۔ وہ اپنے پیاروں سے ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں۔ لیکن وہ اس کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ پروگرام کے دن اور وقت کو تو یاد رکھتے ہیں مگر استاد اور والدین کی کہی ہوئی بات کو بھول جاتے ہیں۔

اردو اخبار کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ :

"سماجی و نفسیاتی علوم کے ماہرین کا مشورہ یہ ہے کہ بچوں کو ایک دن میں 35 منٹ سے زیادہ ٹی وی کے سامنے نہ بیٹھنے دیا جائے۔"[20]

35 منٹ تو دور کی بات ہے اب بچے گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں اور انھیں والدین منع بھی نہیں کرتے بلکہ وہ خود انھیں اس سے متعارف کراتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کمپیوٹر، فون، نیٹ اور فیس بک تک پرائمری کے بچے استعمال کر رہے ہیں۔ ابلاغ کی اہمیت بجا سہی لیکن بچوں کا مکمل ان پر انحصار کرنے سے ان کی ذہنی صلاحیت متاثر ہو رہی ہے جسمانی طور پر بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ لیکن والدین اس بات سے نابلد ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین بچوں کے ساتھ رہیں اور بچوں کو ابلاغ کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات سے بھی آگاہی فراہم کریں۔

ماحول:

سماجی عامل کا ایک اہم عنصر ماحول ہے جس کا بچوں کی شخصیت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ بچہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اپنے ارد گرد دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ وہ جن لوگوں کے درمیان رہتا ہے ان سے کسی نا کسی طرح متاثر بھی ہوتا ہے۔ باپ کو نماز پڑھتا دیکھ کر اس کی نقل کرتا ہے۔ ٹوپی پہنے دیکھ کر اس کی فرمائش کرتا ہے۔ بچی ماں کے سر پر دوپٹہ اوڑھے یا برقعہ پہنے دیکھ کر خود بھی پہننا چاہتی ہے۔ بچہ ارد گرد کے لوگوں سے بولنے کے انداز، چلنے کا طریقہ، کھانے کے آداب، ملاقات کے آداب سیکھتا ہے اور پھر ان آداب کو اپناتا بھی ہے۔

اس حوالے سے افضل حسین لکھتے ہیں:

"بچوں کی تعلیم و تربیت پر ان کے ماحول کا بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ بچہ جس جغرافیائی ماحول میں رہتا ہے، جس مناظر سے دوچار ہوتا ہے، جس طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، جن بچوں کے ساتھ کھیلتا کودتا، اٹھتا، بیٹھتا ہے ان سب کا اثر مجموعی طور پر قبول کرتا ہے۔ پاس پڑوس کے لوگوں کے رہن سہن، عقائد و

---

[20] http://www.urdunews.com,22 dec2018,22 oct 2020

اعمال اور رسم و رواج سے متاثر ہوتا ہے ماحول اگر اچھا ہو تو مدرسے اور گھر دونوں کی کوششیں بار آور ثابت ہوتی ہیں ورنہ دونوں کو بڑی دشواریاں ہوتی ہیں"[21]

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ بچے کے ارد گرد کا اس کی ذات و شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اگر ماحول ساز گار اور بہتر ہو تو گھر اور سکول کی محنت بھی رنگ لاتی ہے بصورت دیگر بچے پر تعلیم و تربیت کا اثر نہیں ہوتا۔

والدین کے لیے لازم ہے کہ وہ گھر کا اور بچے کے ارد گرد کے ماحول کو بھی خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ گھر کا ماحول بچوں پر اپنا زیادہ اثر رکھتا ہے اس لیے زیادہ توجہ پہلے گھر کی ماحول پر دینی چاہیے۔ گھر میں گفتگو کے دوران تہذیب و شائستگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ نماز اور تلاوت قرآن پاک کی عادت مستحکم ہو تو بچے بھی اس عادت کو اپنائیں گے۔ گھر سے باہر جب بچہ نکلے تو والدین کو خبر ہو کہ کس سے مل رہا ہے کیسے بچوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اسی طرح سکول اور مسجد میں اس کا حلقہ احباب کیسا ہے۔ جب گھر میں اس نے کوئی نئی حرکت کی تو والدین وجہ معلوم کریں۔ والدین پر لازم ہے کہ وہ بچوں کی بہتری کے لیے اسے ساز گار ماحول مہیا کریں۔

درجہ بالا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ انسان کے ارد گرد بہت سے عوامل ہیں جن کا اثر اس کی ذات و شخصیت پر بھی پڑتا ہے وہ عوامل ان کے ارد گرد کا سماج ہے۔ چونکہ بچے معصوم ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی ان سماجی عوامل کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔۔ والدین کے ساتھ ان کا رشتہ پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے وہ لاشعوری طور پر ان کی عادات کو اپناتا ہے پھر عمر کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ ان کا سماجی حلقہ بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ خاندان، دوست و احباب، سکول کے اساتذہ، مسجد کے لوگ اور دور جدید کا میڈیا، یہ سب عوامل بچے کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور اس پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں اور ان کا فراہم کردہ ماحول بھی اس کی شخصیت کو تعمیر کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے چاہے وہ کردار مثبت ہو کہ منفی۔ لیکن ان سب میں والدین کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے وہی اپنے بچوں کو منفی اثرات سے بچا سکتے ہیں۔

بلاشبہ ان عوامل کی تعداد تو بہت زیادہ ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا اثر بھی ہے لیکن ان میں سب سے اہم والدین، تعلیمی ادارے، مسجد اور ذرائع ابلاغ ہیں جن کا اثر بچے کی ذات و شخصیت پر ہر لمحہ ہوتا رہتا ہے اور بچہ بھی ان عوامل سے زیادہ متاثر

---

[21] فن تعلیم و تربیت، افضل حسین، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، 1970، ص:55

ہوتا ہے۔ یوں تو تمام عوامل کی اہمیت بجا سہی مگر مقالے کی تحدید والدین، تعلیمی ادارے، مسجد اور ذرائع ابلاغ پر مشتمل ہے
جن کے کردار اور اثرات کو مقالے میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

فصل دوم: بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین کا کردار اور اثرات

بحث اول: بچوں کی جسمانی نشو و نما

بحث دوم: بچوں کی ذہنی نشو و نما

بحث سوم: بچوں کی دینی تعلیم و تربیت

بحث چہارم: بچوں کی معاشرتی تعلیم و تربیت

فصل دوم:

بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین کا کردار اور اثرات

بچے والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور بہترین انعام ہیں جن کے روشن مستقبل کے لیے وہ دن رات ایک کر دیتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت والدین بغیر کسی حرص ولالچ کے کرتے ہیں یہاں تک کے ان کی کامیابی میں وہ خود کو کامیاب دیکھتے ہیں ہر والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کے ان کی اولاد نیک ہو اور وہ اس کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہتے ہیں۔ جیسے نبیوں اور رسولوں نے دعا کی جدالانبیاء علیہ السلام کی دعا قرآن پاک میں موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴾[22]

ترجمہ: پروردگار! بخش دے مجھے لیاقت والی اولاد۔

لیاقت والی اولاد سے مراد یہاں اولاد صالح ہے۔ جبکہ محمد بن علی صابونی ؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أي ارزقني ولداً من الصالحين يؤنسني في غُربتي "[23]

ترجمہ: یعنی مجھے نیک اولاد عطا فرما جو میری اجنبیت میں مجھے انسیت دے سکے۔

پھر اسی آیت کی تفسیر محمد سید طنطاوی ؒ اس طرح کرتے ہیں:

أى: وأسألك يا ربي بجانب هذه الهداية إلى الخير والحق، أن تهب لي ولدا هو من عبادك الصالحين، الذين أستعين بهم على نشر دعوتك، وعلى إعلاء كلمتك.[24]

ترجمہ: یعنی اے مرے رب میں آپ سے سوال کرتاہوں بھلائی اور حق کی طرف، کہ مجھے عنایت کرے ایک بیٹا جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو، جس سے میں تیری دعوت کو پھیلانے اور تیرے کلمے کو بلند کرنے میں مدد حاصل کر سکوں۔

---

[22] سورة الصافات:100

[23] صفوة التفاسير ، الصابوني ،محمد علي ،دار للطباعة والنشر والتوزيع القاهرة، 36/3

[24] التفسير الوسيط للقرآن الكريم، طنطاوي ،محمد سيد،دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع،القاهرة،1997ء،12/ 99

درجہ بالا تفاسیر سے معلوم ہوا کہ نیک اور صالح اولاد کی دعا کرنی چاہیے اور یہ دعا انبیاء علیہ السّلام نے بھی کی ہے۔ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [25]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہماری ازواج اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو نیک وکاروں کا امام بنا۔

مولانا مودودیؒ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی ان کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق دے اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کر، کیونکہ ایک مومن کو بیوی بچوں کے حسن و جمال اور عیش و آرام سے نہیں بلکہ ان کی نیک خصالی سے ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔"[26]

جبکہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرۃ کا لفظ یا قرء بمعنی ٹھنڈک سے یا قرار بمعنی سکون سے ماخوذ ہے۔ عرب چونکہ خنکی اور ٹھنڈک کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور گرمی کا تصور بھی ان کے لیے اذیت ناک ہے اس لیے یہاں یہ دعا مانگی کہ ہمیں ایسی بیویاں اور بچے عطا فرما جن کے اخلاق واطوار اتنے پسندیدہ ہوں کہ انہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں نیز اولاد اگر صحت مند، ذہین وفطین، پاک سیرت اور نیک بخت ہو گی تو بھی والدین کی آنکھوں کو ایسا قرار نصیب ہو گا کہ وہ دوسروں کی طرف حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کریں گے"[27]

مذکورہ قرآنی آیت کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ نیک بیوی اور صالح اولاد اللہ تعالٰی کی بہت بڑی نعمت ہے انبیاء کرام علیہ السلام نے بھی اسکی خواہش کی ہے۔ کیونکہ نیک اور صالح اولاد والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے کوئی بھی انسان اس وقت تک آرام وسکون میں نہیں ہوتا جب تک اس کی اولاد سکون میں نہ ہو۔ایک باشعور اور مسلم انسان

---

[25] سورة الفرقان:74

[26] تفہیم القرآن، مودودی، سید ابوالاعلیٰ، ترجمان القرآن، لاہور، 1972ء، 3/ 470

[27] ضیاالقرآن، الازھری، محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن پبلیکیشنز لاہور، 1995ء، 378/3

یہ جانتا ہے کہ نیک اولاد ہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہے۔ اس لیے جب بھی اولاد کی دعا کریں تو نیک اور صالح اولاد کی ہی دعا کریں۔

جب اللہ تعالٰی اولاد عطا فرماتا ہے تو والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ جسمانی اور ذہنی نشو و نما کے ساتھ ساتھ دینی، عصری اور معاشرتی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کریں ۔بچوں کی تربیت کا عمل ارتقائی ہوتا ہے لیکن بچپن میں ان کا ذہن صاف اور خالی ہوتا ہے اور ہر چیز کا اثر جلدی قبول کر لیتے ہیں اس لیے شروع میں ان کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تربیت بچے کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔دین سے کوئی مسلمان بچہ بے نیاز نہیں رہ سکتا بلکہ دینی تربیت دیگر تربیت کے لیے راہنما کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کی دینی تربیت پر بھی خاص توجہ دیں کیونکہ دینی تربیت اسے تمام مخلوق سے منفرد و ممتاز رکھتی ہے۔دینی تربیت کے ساتھ معاشرتی تربیت بھی والدین کی ذمہ داری ہے معاشرے کے ساتھ ربط و تعلق قائم کرنا بچے کی فطرت میں ہوتا ہے والدین کو چاہیے کہ وہ جسمانی، ذہنی اور دینی تربیت کے ساتھ ساتھ معاشرتی تربیت میں بھی اپنا کردار ادا کریں۔اس فصل کو درج ذیل چار مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بحث اوّل: بچوں کی جسمانی نشو و نما

بحث دوم: بچوں کی ذہنی نشو و نما

بحث سوم: بچوں کی دینی تعلیم و تربیت

بحث چہارم: بچوں کی معاشرتی تعلیم و تربیت

بحث اول:

بچوں کی جسمانی نشو و نما

بچوں کی جسمانی نشو و نما کا خیال رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے۔اس لیے وہ اپنے بچوں کے لیے مناسب خوراک کا بندوبست کریں۔ اپنے ساتھ دستر خوان پہ بٹھائیں۔ان کی جسمانی نشو و نما کے لئے حلال غذا فراہم کریں ۔کیونکہ قرآن میں پیغمبروں کو بھی حلال غذا کھانے کا حکم دیا گیا ہے ۔

چنانچہ ارشاد فرمایا :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعۡمَلُواْ صَٰلِحًاۖ إِنِّي بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ﴾[28]

ترجمہ:اے پیغمبرو حلال چیزیں کھاؤاور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی درج بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"پاکیزہ چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا کھانا شریعت نے حلال قرار دیا ہو اور انھیں حلال ذرائع سے ہی حاصل کیا گیا ہو۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مرغی بذات خود حلال چیز ہے مگر جب یہ چوری کی ہو تو حرام ہو جائے گی۔اسی طرح سود یا دوسرے ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ حرام مال تصور ہوگا۔کسب حلال اور حرام سے اجتناب اس قدر اہم حکم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال سے پہلے ذکر فرمایا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کی کمائی حرام کی ہو تو اس کے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔یعنی اگر کسی نے کسب حلال میں حرام کی آمیزش کی ہو تو اسے میں خوب جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے اعمال میں اللہ کی رضامندی اور خلوص کا حصہ کتنا تھا "[29]

یہ تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ حلال غذا کا اپنا مثبت اثر ہے اس لیے کہا کہ حلال چیزیں کھاؤ۔ اور نہ صرف چیزیں بلکہ ذرائع بھی حلال ہوں کسی بھی طرح کی حرام کی آمیزش نہ ہو ۔کیونکہ حرام کھانے والوں کی نہ تو دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اعمال ، گویا اعمال صالح کا تعلق حلال روزی سے ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو مناسب اور متوازن غذا مہیا کریں تاکہ وہ قوی و توانا ہوں کیونکہ طاقتور بچے ہر چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ان میں آگے بڑھنے کی

---

[28] سورة المومنون :51

[29] تیسیر القرآن، کیلانی ،عبدالرحمٰن، مکتبہ السّلام لاہور، ط1432، 205/3

جستجو ہوتی ہے کٹھن کاموں سے نہیں گھبراتے اس طرح سے وہ بڑے ہو کر بھی ہر کام میں پیش پیش ہوتے ہیں اور یہی اللہ کو مطلوب ہے ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ))[30]

ترجمہ: طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

بچوں کے توانا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ والدین بچوں کی صحت وصفائی کا خاص خیال رکھیں۔ وہی بچے قوی ہوتے ہیں جو صفائی پسند ہوتے ہیں۔ صاف بچے تندرست بھی رہتے ہیں اور بیماریوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ صفائی ستھرائی پر سب سے زیادہ تاکید ہمارے دین نے کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ﴾[31]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تطہیر کی حقیقت سے مراد ہے کہ انسان اپنے آپ کو گندگی اور غلاظتوں سے پاک رکھے اپنا ظاہر اور باطن کو پاک و صاف رکھے۔ اللہ تعالیٰ صاف لوگوں کو محبوب رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی تطہیر کی اعلیٰ مثال ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو اس کی عادت ڈالیں انھیں غسل کرائیں اور ان کے کپڑے پاک وصاف رکھیں۔ ناخن بڑھنے پر ان کے ناخن تراشیں روز صبح اٹھتے ہی ان کو کلی کرنے کا اور دانت صاف کرنے کا کہیں اور انھیں مسواک کی تاکید کریں ۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ))[32]

ترجمہ: مسواک مُنہ کی پاکیزگی، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔

---

[30] سنن ابن ماجہ ،محمد بن یزید، کتاب الزھد ،بَابُ : التَّوَكُّلِ وَالْيَقِينِ السنن،دارالفکر بیروت لبنان،1414ھ ،ح4168، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے

[31] سورۃ البقرہ :222

[32] سنن النسائی ،احمد بن شعیب، کتاب الطھارۃ ،بَابُ : التَّرْغِيبِ فِي السِّوَاكِ ، مکتب المطبوعات الإسلامیة حلب،1986ء ،ح 5، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث سے واضح ہوا ہے کہ مسواک وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھی اور آپ ﷺ کو بھی پسند تھا۔اس لیے یہ عادت بچوں کو بھی ڈالنی چاہیے۔ صبح شام مسواک یا برش کرنے سے بچے دانتوں کے درد اور بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔دانت کا درد کوئی معمولی بیماری نہیں ہے۔ایک دانت میں درد ہو تو پورا مُنہ اور جسم تکلیف میں رہتا ہے اس لیے بچوں کو اس درد سے بچانے کے لیے مسواک کی شروع سے عادت ڈالنی چاہیے۔علاوہ ازیں بچوں کے لیے مناسب کھیل کود کا بھی اہتمام کریں کیونکہ بچے کھیل کھیل میں بہت سیکھتے ہیں۔ کھیل کود سے بچے چاق وچوبند ہوتے ہیں۔اور ان کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اس لیے بچوں کو کھیل کود کی زیادہ عادت ڈالنی چاہیے۔ کھیل میں بچے زیادہ سیکھتے ہیں ایسا کھیل کھیلیں جس سے ان کے عضلات کی نشوونما جلدی ہو اور وہ قوی بھی ہوں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روایت نقل کرتے ہیں ۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلِّمُوا أَبْنَاءَكُمُ السِّبَاحَةَ وَالرَّمْيَ،))[33]

ترجمہ: اپنے بچوں کو تیراکی اور نشانہ بازی سکھائیں۔

اس حدیث مبارکہ میں بچوں کے لیے مناسب کھیل تجویز کیا گیا ہے ۔یہ وہ کھیل ہیں جن سے بچوں کے اعصاب قوی ومضبوط ہوتے ہیں آپ ﷺ نے ان کھیلوں کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ ان سے بچے میں خود اعتمادی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے لاشعوری طور پر وہ ان کھیلوں سے اور بھی بہت سی چیزیں سیکھتا ہے مثلاً نشانہ بازی، خطرات سے بچاؤ اور دشمن پر قابو پانا وغیرہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

((بَيْنَا الْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِرَابِهِمْ، دَخَلَ عُمَرُ فَأَهْوَى إِلَى الْحَصَى فَحَصَبَهُمْ بِهَا، فَقَالَ: دَعْهُمْ يَا عُمَرُ))[34]

ترجمہ: حبشہ کے کچھ لوگ آپ ﷺ کے سامنے حراب چھوٹے نیزے کا کھیل دکھلا رہے تھے اس وقت حضرت عمر آ گئے اور کنکریاں اٹھا کر انہیں ماری۔آپ ﷺ نے فرمایا عمر انہیں چھوڑ دو۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے کھیل سے منع نہیں کیا۔والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ خود کھیلیں۔اگر خود نہ کھیل سکیں تو حتی الامکان سعی کریں کہ بچوں کے کھیل کے وقت وہ خود وہاں

---

[33] شعب الایمان،البیہقی،احمد بن الحسین، باب،حقوق اولاد والاھلین ،مکتبہ الرشد النشوالتوازیع،1423ھ،ح8297، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[34] صحیح بخاری، کتاب الجھاد والسیر ،بَابُ اللَّهْوِ بِالْحِرَابِ وَنَحْوِهَا، ح:2901

موجود ہوں تاکہ کھیلتے وقت وہ بچوں کے الفاظ کے چناؤ اور ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کا مشاہدہ کر سکیں اور جہاں راہنمائی کی ضرورت ہو وہاں ان کی راہنمائی کر سکیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَتَوَارَيْتُ خَلْفَ بَابٍ قَالَ فَجَاءَ فَحَطَأَنِي حَطْأَةً وَقَالَ اذْهَبْ وَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ))[35]

ترجمہ: میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں ﷺ تشریف لائے، میں ایک دروازہ کے پیچھے چھپ گیا، آپ ﷺ نے ہاتھ سے مجھے تھپکا اور پیار سے فرمایا جا معاویہ کو بلا لاؤ۔

آپ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کھیلتے ہوا دیکھا آپ ﷺ نے انھیں منع نہیں کیا بلکہ پیار سے تھپکایا۔ آپ ﷺ نے بہت سے مقامات پر بچوں کو کھیلتا ہوا دیکھا اور انھیں منع نہیں کیا۔ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ہم آپ ﷺ کے ساتھ دعوت پر جا رہے تھے میں نے دیکھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہے تھے۔ آپ ﷺ سب سے آگے نکل گئے۔ اور دونوں مبارک ہاتھ پھیلا لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اور آپ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہنسانے لگے پھر انھیں پکڑ لیا اور بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

((حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا))[36]

ترجمہ: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کو ہنسانا انھیں بوسہ دینا پیار کرنا اور ان کے ساتھ کھیلنا یہ سب وہ امر ہیں جو آپ ﷺ سے بھی سرزد ہوئے ہیں یعنی یہ عوامل آپ ﷺ کے پسندیدہ تھے کہیں پر آپ ﷺ سے سرزد ہوئے کہیں پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی۔

---

[35] صحيح مسلم ،مسلم بن حجاج ،كتاب البر و الآداب، باب من لعنه النبیﷺ ، دار إحياء التراث العربي بيروت،1375ھ ،ح 6504

[36] سنن ابن ماجه ،المقدمة ،بَابُ : فَضْلِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ ابْنَيْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ،ح144 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

بحث دوم:

بچوں کی ذہنی نشوونما

بچے جو چیز دیکھتے ہیں اسے اپنے ذہن میں راسخ کر لیتے ہیں۔ وہ ارد گرد نظر دوڑاتے ہیں جو چیز ان کی آنکھوں کو بھا جائے وہ خود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر کار ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ وہ اپنے تجربات میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کچھ بچے ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ ایک ہی بار کوئی کام ہوتے دیکھتے ہیں پھر وہ اسے خود کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس انھیں ایسی راہنمائی کی ضرورت ہے جو انھیں صحیح سمت لے جائے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول ﷺ کا گزر ایک لڑکے کے پاس سے ہوا جو بکری کی کھال اتار رہا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَنَحَّ حَتَّى أُرِيَكَ"، فَأَدْخَلَ ﷺ يَدَهُ بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ فَدَحَسَ بِهَا، حَتَّى تَوَارَتْ إِلَى الْإِبِطِ وَقَالَ يَا غُلَامُهَكَذَا فَاسْلُخْ))[37]

ترجمہ: الگ ہو جاؤ میں تمہیں بتاتا ہوں''، پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ گوشت اور کھال کے درمیان داخل فرمایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہاتھ بغل تک پہنچ کر چھپ گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے اس طرح سے کھال اتارو۔

آپ ﷺ نے عملی تجربہ کر کے دکھایا۔ بچوں کے اس طرح کے عملی تجربات سے ان کا ذہن کشادہ ہوتا ہے۔ اور جب وہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر لیتا ہے تو اسے بھولتا نہیں اور جب وہ خود کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو یہ چیز اس کی عقل میں بیداری پیدا کرتی ہے۔

والدین جب بچوں سے بات کریں تو ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کریں ان کی نفسیات اور عمر کو مد نظر رکھیں ایسے لفظ استعمال کریں جس سے وہ آشنا ہوں۔ کیونکہ اگر بچوں کی ذہنی سطح سے اوپر کی بات کی جائے تو عین ممکن ہے بچوں میں بدلحاظی، مخالفت اور کند ذہنی جیسی چیزیں جنم لے لیں اور بچوں سے دل لگی بھی کرنی چاہیے تاکہ انھیں آپ کی محبت کا احساس ہو اور ان کا دل خوش ہو۔

اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

---

[37] سنن ابن ماجہ ،كتاب الذبائح ،بَابُ : السَّلْخِ، ح: 3179، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

((إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ))[38]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ہم بچوں سے بھی دل لگی کرتے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے اے ابو عمیر تیری نغیر[39] کو کیا ہوا۔

علامہ بدرالدین عینیؒ اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَهُوَ جمع نغرة طير كالعصفور محمر المنقار وبتصغيره جَاءَ الحَدِيث وَمعنى: مَا فعل النغير؟ أَي: مَا شَأْنه وحاله".[40]

ترجمہ: نغیر نغرہ کی جمع ہے یہ چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے اور مَافَعَلَ النُّغَیْرُ کا معنیٰ ہے یعنی اس کی کیا شان ہے، کیا حال ہے، کیسا ہے۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ بچوں سے ہنسی مذاق کرنی چاہیے۔ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو ان کی عمر کے مطابق قصے کہانیاں سنائیں ارد گرد رونما ہونے والے واقعات پر تبصرہ کریں۔ پھر ان میں سے ہی ان سے سوال کریں تاکہ وہ سوچیں اور ان کی ذہنی نشو ونما ہو کیونکہ سوال وجواب سے ان کا حافظہ حرکت میں آئے گا اور دوسرے بچوں کے ساتھ ان کا مقابلہ بھی کرائیں اس طرح وہ سوچیں گے اور ان کی چھپی ہوئی صلاحیتیں اجاگر ہوں گی۔ فکری مقابلہ بازی بذریعہ سوال جواب کے حوالے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ کھجور کے درخت کا گابھا لایا گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَعْنِي النَّخْلَةَ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثُمَّ الْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا عَاشِرُ عَشَرَةٍ أَنَا أَحْدَثُهُمْ، فَسَكَتُّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ النَّخْلَةُ))[41]

---

[38] سنن ابی داود ،باب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَكَنَّى وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ،ح4969، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[39] یہ چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے/عمدة القاری، عینی ،بدرالدین ،دار الکتب العلمیہ بیروت، ح-6129 ج22،ص169

[40] عمدة القاری، عینی ،بدرالدین ،دار الکتب العلمیہ بیروت، ح-6129 ،169/22

41 صحیح بخاری ،کتاب الأطعمة، بَابُ أَكْلِ الجُمَّارِ :ح :5444

ترجمہ: بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کی برکت مسلمان کی برکت کی طرح ہوتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کا اشارہ کھجور کے درخت کی طرف ہے۔ میں نے سوچا کہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا ہوتا ہے، یارسول اللہ! لیکن پھر جو میں نے مڑ کر دیکھا تو مجلس میں میرے علاوہ نو آدمی اور تھے اور میں ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس لیے میں خاموش رہا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ درخت کھجور کا ہے۔

درج بالا حدیث مبارکہ سے ایک پہلو ادب کا نمایاں ہو رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خاموش ہونے کی وجہ ان کی کم عمری تھی انھوں نے ادب کو ملحوظ رکھا اس لیے جواب آنے کے باوجود بھی خاموش رہے۔ بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما کے لیے ضروری ہے کہ والدین مناسب اور حلال غذا، صفائی ستھرائی، اور مناسب کھیل کود کا خاص اہتمام کریں۔ اگر اپنے بچوں کو کامیاب بچوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنا ہے تو یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اپنے بچوں پر کتنی توجہ دیتے ہیں بچوں کی کامیابی والدین پر ہے۔

بحث سوم:

بچوں کی دینی تعلیم وتربیت:

والدین جو کہ بچوں کی جسمانی اور ذہنی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بچوں کی دینی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ان کی اچھی اور دینی تربیت کر کے انھیں سعادت منداور بااخلاق بناتے ہیں یا پھر تربیت سے غفلت برتتے ہوئے ان کی کج روی کا باعث بنتے ہیں۔ بچے معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اب یہ ان کے والدین پر منحصر ہے کہ وہ انھیں کس سمت لے کر جارہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))[42]

ترجمہ: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

قرآنی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اگر اس کے والدین اسے کسی دوسرے دین کی طرف مائل نہ کریں تو وہ مسلمان ہی ہوگا کیونکہ قبول اسلام کی صلاحیت اس میں ہوتی ہے پس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے وہ ماں باپ کی ہی پیروی کرتا ہے پھر جب اچھے اور برے کی تمیز کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہوتی ہے اور اسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اسلام کی تبلیغ کرنے پر اس کی طرف مائل بھی ہو جاتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱللَّهُ أَخۡرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ شَيۡـٔٗا وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡأَبۡصَٰرَ وَٱلۡأَفۡـِٔدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ﴾[43]

ترجمہ: اور اللہ نے تمھیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے جب نکالا تو تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[42] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلاَمُ-ح 1359
[43] سورۃ النحل:78

"پیدائش کے وقت انسان کا بچہ جس قدر بے خبر اور کمزور ہوتا ہے اتنا اور کسی جاندار کا بچہ بے خبر اور کمزور نہیں ہوتا۔ دوسرے سب جانداروں کے بچے پیدا ہوتے ہی راہ دیکھنے اور چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن انسان کا بچہ چلنا تو درکنار بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور دل سب جانداروں کو عطا کیے ہیں۔ لیکن انسان کو اللہ نے جو کان، آنکھیں اور دل دیئے ہیں وہ اتنی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعہ انسان باقی تمام جانداروں اور دوسری مخلوق کو اپنا تابع بنا رہا ہے اور ان پر حکمرانی کر رہا ہے"۔[44]

ماں جب بچے کو جہنم دیتی ہے تو وہ آنکھیں کان ناک دل اور دماغ رکھنے کے باوجود سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے کسی کو پہچانتا تک نہیں جب کہ حیوانوں کے بچے جن سے انسان ممتاز اور بالا اپنی عقل کی وجہ سے ہے وہ چل بھی سکتا ہے پھر یہ قدرت رب العزت ہے کہ آہستہ آہستہ وہ ان حواس کو جو پیدائشی بچے میں ودیعت ہوتی ہیں استعمال میں لاتا ہے اور ان جانداروں پر حکمرآنی کرنے لگ جاتا ہے۔

شروع سے ہی دینی امور کی طرف بچے کو مائل کرنا والدین کی ذمہ داری ہے عمر کے ساتھ ساتھ ان دینی امور کو بچوں میں پیوست بھی کریں انھیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں بتائیں شروع سے ہی بچے کے ذہن میں یہ چیز بٹھا دیں کے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کا ہر کام آسان کر دیتا ہے وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہوتا ہے اگر اسے کسی مشکل کا سامنا کرنا بھی پڑھے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی پر پختہ ایمان سے وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے اور عملی زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل ایمان سے ہی ممکن ہے۔ یہ ذمہ داری والدین کی ہی ہے اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ بچوں میں آپ ﷺ کی محبت کو بھی پیوست کریں کیونکہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں جو آپ ﷺ سے محبت نہیں کرتا اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد کے دل میں اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی محبت کو اجاگر کریں

جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))[45]

---

[44] تیسیر القرآن، جلد 2، ص 538

[45] صحیح بخاری، کتاب الإیمان، بَابُ حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الإِيمَانِ ،ح 15

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہوگا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔

والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو آپ ﷺ کی عزت و تکریم کرنا سکھائیں۔ آپ ﷺ کی محبت و شفقت کے قصے انھیں سنائیں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی محبت کو ان کے دل میں راسخ کریں کیونکہ بحیثیت مسلمان ان سب کے بارے میں جاننا اور ان سب سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے ان کے بارے میں جاننے سے اسلامی شعور پیدا ہوتا ہے ایک آئیڈیل کی تصویر انسان کے ذہن میں بن جاتی ہے اور اس سے اچھی بات کیا ہو گی کہ بچوں کے لیے شروع سے ہی آپ ﷺ کی زندگی مشعل راہ ہو۔ والدین پہ لازم ہے کے دینی تربیت میں بچوں کو وضو کا طریقہ بتائیں کوشش کریں کہ جب والدین وضو کریں تو بچے ساتھ ہوں اس طرح ان کے دل میں بھی رغبت پیدا ہو گی انھیں اپنے ساتھ وضو کرائیں تاکہ وہ وضو کے صحیح طریقے کو جان سکیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کی عملی مشق کر کے دیکھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ والد محترم نے مجھ سے پانی مانگا میں دیا:

((فَبَدَأَ"فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا فِي وَضُوئِهِ، ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرَى كَذَلِكَ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَسْحَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرَى كَذَلِكَ، ثُمَّ قَامَ قَائِمًا، فَقَالَ: نَاوِلْنِي، فَنَاوَلْتُهُ الْإِنَاءَ الَّذِي فِيهِ فَضْلُ وَضُوئِهِ، فَشَرِبَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ قَائِمًا". فَعَجِبْتُ، فَلَمَّا رَآنِي، قَالَ: لَا تَعْجَبْ، فَإِنِّي رَأَيْتُ أَبَاكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ مِثْلَ مَا رَأَيْتَنِي صَنَعْتُ، يَقُولُ: لِوُضُوئِهِ هَذَا وَشُرْبِ فَضْلِ وَضُوئِهِ قَائِمًا))[46]

ترجمہ: آپ نے وضو کرنا شروع کیا، تو اپنی ہتھیلیوں کو اس سے پہلے کہ انہیں اپنے وضو کے پانی میں داخل کریں تین بار دھویا، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک جھاڑی، پھر اپنا چہرہ دھویا، پھر دایاں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ بھی اسی طرح دھویا، پھر اپنے سر کا ایک بار مسح کیا، پھر دونوں ٹخنوں تک اپنا دایاں پیر تین بار دھویا، پھر اسی طرح بایاں پیر دھویا، پھر آپ اٹھ کر کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے: مجھے دو، چنانچہ میں نے وہ برتن بڑھا دیا جس میں ان کے وضو کا بچا ہوا پانی تھا، تو آپ نے وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا، تو مجھے تعجب ہوا، جب آپ نے میری

---

[46] سنن النسائی، کتاب،صفة الوضوء ،بَابُ :صِفَةِ الْوُضُوءِ ،ح95، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

طرف دیکھا تو بولے: تعجب نہ کرو، میں نے تمہارے نانا نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا، وہ اپنے اس وضو کے اور اس سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کے متعلق کہہ رہے تھے۔

اس حدیث مبارکہ میں واضح اور صاف الفاظ میں وضو کا طریقہ بتایا گیا ہے والدین بچوں کو وضو کی بار بار مشق کرائیں تاکہ کسی غلطی کا امکان نہ ہو۔ اسی طرح والدین کے لیے ضروری ہے کہ خود بھی نماز پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی نماز کی ترغیب دلائیں کیونکہ قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہی ہوگا۔ بچوں کو شروع سے ہی عادت ڈالیں گے تو وہ بڑے ہو کر بھی اس پر قائم رہیں گے۔ یہ والدین کی ہی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا عادی بنائیں۔

حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ آنحضور ﷺ فرمایا:

((مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا))[47]

ترجمہ: بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب دس سال کو پہنچ جائیں تو اس کے چھوڑنے پر انہیں مارو۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے اور قرآن کریم میں بھی سات سو مقامات پر نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ بچہ گھر میں زیادہ ماں کے پاس رہتا ہے اس لیے زیادہ ذمہ داری ماں کی ہی ہے کے وہ بچے کو نماز پڑھتے وقت اپنے ساتھ رکھے اور اسے ساتھ ساتھ نماز کا طریقہ اور اہمیت سے آگاہی بھی فراہم کرے۔ تاہم والد کو اس حکم سے خارج نہیں کیا جا سکتا کے وہ بچے کی پابندی نماز میں مدد نہ کرے۔ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو مختلف اوقات کی مسنون دعائیں بھی سکھائیں جو کہ آپ ﷺ کے قول اور فعل سے ثابت ہیں اور جن پر آپ ﷺ نے زور بھی دیا ہے مثلاً کھانا کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، سونے اور جاگنے کی دعا، بیت الخلا میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا وغیرہ۔

کھانا کھانے کی دعا:

والدین بچوں کو باور کرائیں کہ کھانے کے کیا کیا فائدے ہیں انھیں بتائیں کہ کھانا کھانے سے پہلے وہ اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لیں۔ آج کل بچے باہر کا کھانا یا بازار کی چیزیں کھا لیتے ہیں اور گھر کا کھانا کم ہی کھاتے ہیں۔ یہ والدین پر منحصر ہے کے وہ بچوں کو باہر کے کھانے کا عادی بنا رہے ہیں یا گھر کے کھانے کا۔ والدین بچوں کو دستر خوان پر ساتھ لیکر بیٹھیں اور با آواز بلند کھانا کھانے سے پہلے خود بھی دعا پڑھیں اور بچوں کو بھی یاد کرائیں۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[47] سنن ابی داود ،کتاب الصلاۃ ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ ،ح 494 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى فِي أَوَّلِهِ، فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ))[48]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی کھائے تو اللہ کا نام لے، اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے تو اسے یوں کہنا چاہیئے اس کی ابتداء و انتہاء دونوں اللہ کے نام سے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب کھانا کھا لیتے تو یہ کہتے:

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ)).[49]

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

جب بچہ اللہ کا نام لے کر کھانے کا آغاز کرے گا تو وہ کھانا اسے جلد ہضم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کرنے سے وہ کھانے میں پائے جانے والے جراثیم سے بھی محفوظ ہو گا۔

جاگنے اور سونے کی دعا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سونے کے وقت رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے:

((اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيَا وَأَمُوتُ، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ، قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ))[50]

ترجمہ: اے اللہ میں تیرے ہی نام پر جیتا اور مرتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

بیت الخلا میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اپ ﷺ جب پاخانہ کے لیے جاتے تو اپ ﷺ یہ پڑھتے:

((أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))[51]

ترجمہ: میں جن مردوں اور ناپاک جن عورتوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب پاخانہ سے نکلتے تو فرماتے:

---

[48] سنن ابی داود ،كتاب الأطعمة ،باب التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ ، ح 3767 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[49] ایضاً ،باب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا طَعِمَ ،ح3850، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[50] ایضاً ،أبواب النوم،باب مَا يُقَالُ عِنْدَ النَّوْمِ ،؟ح5049، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[51] ایضاً ،كتاب الطهارة ،باب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ ،ح4، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

((الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي)).[52]

ترجمہ: یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ سے تکلیف دور کی، اور مجھے عافیت بخشی۔

والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دعاؤں کو بچوں کے سامنے پڑھیں اور انھیں یاد بھی کرائیں بچوں کی دینی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسنون دعاؤں سے واقف ہوں۔

[52] سنن ابن ماجہ ،كتاب الطهارة وسننها ،بَابُ : مَا يَقُولُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلاَءِ ،؟ح301 شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

بحث چہارم:

بچوں کی معاشرتی تعلیم وتربیت

بچوں کی دینی تربیت کے ساتھ ساتھ معاشرتی تعلیم وتربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے انھیں معاشرے کا حصہ بنانا والدین کا اولین فریضہ ہے۔ بچوں کے سامنے والدین خاندان کے ساتھ ربط و تعلق کو فروغ دیں۔ خاندان میں کوئی دعوت ہو یا شادی وغیرہ تو اس طرح کے اجتماعی پروگراموں میں انھیں ساتھ لے جائیں۔ کیونکہ بچے اس طرح کے پروگراموں میں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں اور خود کو اس کا رکن محسوس کرتے ہیں آپ ﷺ نے بچوں کو اس طرح کے پروگرام میں دیکھ کے منع نہیں کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ مُقْبِلِينَ، قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: "مِنْ عُرُسٍ"، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُمْثِلاً، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ"، قَالَهَا ثَلاَثَ مِرَارٍ))[53]

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو میرے گمان کے مطابق کسی شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اللہ گواہ ہے تم لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو، تین بار آپ نے ایسا ہی فرمایا۔

حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے بچوں کو دیکھا لیکن منع نہیں کیا۔ اس لیے اگر والدین بچوں کو ایسی مجلسوں میں ساتھ رکھیں گے تو ان میں خود اعتمادی پیدا ہو گی اخوت کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ اگر وہ کوئی خلاف مجلس کام کریں گے تو والدین ان کی اصلاح کریں گے۔ وہ بڑوں کو بات کرتا دیکھیں گے تو بات کرنے کا سلیقہ آئے گا اور وہ گفتگو کے آداب سے واقف ہوں گے۔ اگر بچے کوئی اچھا کام کریں تو ان کی تعریف کریں اس طرح بچے اس کام سے اکتاتے نہیں بلکہ بار بار کرنا چاہتے ہیں ان میں آگے بڑھنے کی جستجو پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی تعریف کرنے سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

امام غزالیؒ بچوں کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[53] صحیح بخاری ،کتاب المناقب، بَابُ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلأَنْصَارِ، ح 3785

"جب بچہ اچھا کام کرے اور خوش اخلاق بنے تو اس کی تعریف کریں اور اس کو ایسی چیز دیں جس سے اس کا دل خوش ہو جائے اور اگر ماں بچے کو برا کام کرتے دیکھ لے تو تنہائی میں سمجھائے اور بتائے کہ یہ کام برا ہے اچھے اور نیک بچے ایسا کام نہیں کرتے "[54]

ہر انسان بچوں سے یہ امید رکھتا ہے کہ وہ بڑوں کی ہمیشہ عزت کریں تو بڑوں کو اور خاص کر والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو عزت دیں اگر بچے کوئی غلطی کر لیں تو انھیں مارنے کے بجائے پیار سے سمجھائیں تاکہ وہ مزید آگے بڑھ سکیں اس حوالے سے بہت سی احادیث ہمارے سامنے آتی ہیں۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا))[55]

ترجمہ: یعنی جو بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

رحم صفت الٰہی بھی ہے والدین کو چاہیے کہ بچے اگر کوئی غلطی کر بھی لیں تو مارنے کے بجائے نرمی سے کام لیں اور پیار سے بچوں کو سمجھائیں بچے پیار کی زبان جلدی سمجھتے ہیں اگر کوئی رشتہ دار بچہ یا محلے میں کوئی بچہ بیمار ہے تو والدین اس کی عیادت یا بیمار پرسی کے لیے جائیں اور ساتھ میں اپنے بچے کو بھی لے جائیں اس سے ایک تو بچے میں دوسروں کی عیادت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ دوسرا اس بیمار بچے سے اس کے تعلقات مضبوط ہوں گے اور تیسرا وہ بچہ خود کو اہم سمجھنا شروع کر دے گا خوش بھی ہوگا اور صحت یابی کی طرف جلدی آئے گا آپ ﷺ بچوں کی عیادت کے لیے خود تشریف لے جاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ: أَسْلِمْ، فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ، وَهُوَ عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ))[56]

---

[54] کیمیائے سعادت، غزالی، محمد بن محمد، مترجم: محمد سعید احمد نقشبندی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1999ء، ص532

[55] سنن، الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ح 1921،/ شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[56] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلاَمُ، ح1356

ترجمہ: ایک یہودی لڑکا عبدالقدوس نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، پس وہ بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ پاس ہی تھا۔ اس نے کہا ابوالقاسم ﷺ جو کچھ کہتے ہیں مان لے۔ چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا جب نبی کریم ﷺ باہر نکلے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا جس نے اس بچے کو آگ سے بچا لیا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ بچوں کی عیادت کے لیے جاتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے تاکہ وہ زندگی کی طرف جلدی لوٹ آئیں والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچائیں سب بچوں سے ایک جیسا پیار کریں اور انھیں بھی دوسرے بچوں سے پیار کرنا سکھائیں تاکہ بغض کینہ اور حسد جیسی بیماریوں سے بچے دور رہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، أَوْ قَالَ: الْعُشْبَ)).[57]

ترجمہ: تم لوگ حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھالیتا ہے، جیسے آگ ایندھن کو کھالیتی ہے یا کہا گھاس کو۔

ظاہری طور پر حسد ایک معمولی برائی نظر آتی ہے لیکن حدیث مبارکہ میں حسد کی تشبیہ آگ سے کی گئی ہے جیسے آگ ایندھن یا گھاس کو کھا کہ راکھ بنالیتی ہے اس طرح حسد کی بیماری میں مبتلا شخص کی نیکیاں بھی راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہیں اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ بچوں کو اس خطرناک بیماری سے دور رکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ والدین کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچے کو معاشرے کا رکن بنانا چاہتے ہیں تو تکبر جیسی مہلک بیماری سے بھی اپنے بچوں کو دور رکھیں انھیں سمجھائیں کہ اس بیماری میں مبتلا شخص کا داخلا جنت میں ناممکن ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ)).[58]

---

[57] سنن ابی داود ،کتاب الأدب ،باب فِي الْحَسَدِ ،ح4903، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[58] سنن ابن ماجہ ،کتاب الزهد،بَابُ : الْبَرَاءَةِ مِنَ الْكِبْرِ وَالتَّوَاضُعِ ،ح4173، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ترجمہ: وہ شخص جنت میں نہیں داخل ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی تکبر ہو گا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا۔

بچے کو معاشرے کا سود مند فرد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے تمام تر برائیوں سے دور رکھا جائے۔ بچے کو اخوت و بھائی چارگی کا درس دیں۔ دوسروں کے غم میں شریک کریں تاکہ بچے میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ بچے کو بتائیں کہ جب کوئی مشکل میں ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیے حتی المکان اس کی مشکل کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور بچے سے عملی طور پر یہ کروائیں تاکہ وہ اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کیونکہ یہ وہ جذبہ ہے جس کی تاکید قرآن میں کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ ﴾ [59]

ترجمہ: مومن تو سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو یہ باور کرائیں کہ وہ دوسرے بچوں کے ساتھ مثبت رویہ روا رکھیں۔ یہ بات ذہن نشین کرائیں کہ وہی صرف ان کے بھائی نہیں جن سے ان کا خون کا رشتہ ہے بلکہ ایک رشتہ ایمان اور انسانیت کا بھی ہے اور دوسروں کی تکلیف کو ایسے ہی محسوس کریں جیسے اپنے بھائی کی پریشانی اور دکھ کو محسوس کر کے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کی پریشانی کو بھی دور کرنا ہے جب ایسے جذبات شروع سے ہی بچوں میں پروان چڑھیں گے اور ان کی تربیت اس انداز میں ہو گی کہ وہ کسی کو حقیر نہیں جانیں گے سب کے دکھ درد میں شریک ہوں گے تو یہی بچے مستقبل کا معمار بن کر ملک و قوم کو فائدہ پہنچائیں گے۔ والدین کی توجہ بچوں کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیں اور اپنے بچوں کو معاشرے کا سود مند فرد بنائیں۔

مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بچوں کی جسمانی تربیت کے لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو مناسب اور متوازن غذا کھلائیں نیز ایسی غذا کہ جس میں کسی بھی طرح سے حرام کی آمیزش نہ ہو۔ والدین بچوں کی صفائی اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھیں کیونکہ طہارت رب کریم اور رسول ﷺ کو پسند ہے اور اس سے بچوں کی صحت بھی اچھی ہوتی ہے۔ والدین اپنے بچوں کو شروع سے مسواک کی عادت ڈالیں تاکہ ان کے دانت مضبوط ہوں۔ ان کے اعصاب کی مضبوطی کے لیے خود ان کے ساتھ کھیلیں اور انھیں بھی کھیلنے سے منع نہ کریں۔ اگر وہ اپنے بچوں کی ذہنی تربیت چاہتے ہیں تو ان کی

---

[59] سورة الحجرات:10

ذہنی سطح کو مد نظر رکھ کر ان سے مختلف نوعیت کے عملی تجربات کروائیں اس سے ان کا ذہن بیدار ہوگا۔اس کے علاوہ بچوں کو واقعات سنا کر ان سے مختلف سوالات و جوابات کے ذریعے انھیں سوچنے پر ابھاریں تا کہ ذہن کشادہ ہو۔ان تمام طریقوں سے والدین اپنے بچوں کو جسمانی اور ذہنی طور پر مضبوط بنا سکتے ہیں۔

والدین اگر چاہتے ہیں ان کے بچے اسلام سے واقف ہوں دینی تعلیمات میں پختہ ہوں تو انھیں چاہیے کہ وہ اسلامی اور دینی تعلیم سے اپنے بچوں کو آراستہ کریں ان کی تربیت میں غفلت نہ برتیں۔اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات پر عمل کرنا بھی سکھایئں۔ قرآنی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ وضو کا طریقہ بتائیں نماز پڑھنا سکھائیں اور نہ پڑھنے کی صورت میں مناسب سزا دیں۔ بچوں کو مسنون دعائیں سکھائیں وہ دعائیں جن کی تلقین آپ ﷺ نے روز مرہ کے کاموں میں کی ہے۔ بچوں کی معاشرتی تعلیم کے حوالے سے جو نتائج سامنے آئے کہ والدین ہی اپنے بچوں کو معاشرے سے جوڑ کہ رکھ سکتے ہیں مثلاً وہ اپنے بچوں کو اپنے ساتھ شادی بیاہ میں لے جائیں۔ محفلوں کے آداب سکھائیں مسلمان بھائی کی مدد کرنا سکھائیں انھیں تکبر حسد اور جھوٹ جیسی بیماریوں سے دور رکھیں مساوات اور اخوت کے جذبے سے اپنے بچوں کو سرشار کریں تا کہ بچے معاشرے کے لیے فائدہ مند افراد بن سکیں۔

فصلِ سوم:

تعلیم و تربیت میں والدین کے کردار کا شماریاتی جائزہ

اولاد کی تربیت ہر دور میں اہمیت کی حامل رہی ہے اچھی تربیت سے ہی اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے علاوہ ازیں دکھ، درد اور غم کے علاوہ اولاد والدین کو اور کچھ نہیں دیتی۔ آج کے دور میں جب ہر انسان آرام پرست اور آزاد خیال ہوتا جا رہا ہے ایسے میں والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کی اولاد ان کے لیے سہارا بنے اور شرمندگی اور غم و اندوہ کا باعث نہ بنے۔ اس فصل میں آزاد کشمیر کے ضلع سدھنوتی[60] کے پرائمری کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں والدین کے کردار کو سوالنامے اور تجزیاتی رپورٹ کے ذریعے سامنے لایا گیا ہے اور حتمی نتائج کو فیصد اور چارٹ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے ذیل میں سوالنامہ اور اس کی تجزیاتی روپورٹ پیش کی گئی ہے۔

[60] سدھنوتی کشمیر کی مغربی سرحد پر ضلع راولپنڈی سے متصل دریائے جہلم کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ دریائے پونچھ تک کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ آزاد کشمیر کے عین وسط میں ہے اس کے شمال میں پونچھ، باغ اور مظفر آباد کے اضلاع جبکہ جنوب میں کوٹلی میرپور اور بھمبر کے اضلاع ہیں اس طرح یہ آزاد کشمیر کا وسطی ضلع ہے سدھنوتی آزاد کشمیر کے دس اضلاع میں سے ایک ہے یہ اسلام آباد، پاکستان کی دارالحکومت سے 90 کلو میٹر دور واقع ہے۔ اس کا رقبہ باقی اضلاع سے کم ہے جو کہ 575 کلو میٹر ہے 2017 کی مردم شماری کی مطابق اس کی آبادی 297584 ہے۔ یہ 4 تحصیلوں پر مشتمل ہے پلندری، منگ، تراڑ کھل اور بلوچ۔
https://ur.wikipedia.org/wiki.10,11,2020

سوال نمبر 1: کیا آپ کے والدین تعلیم یافتہ ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	117	49	68	58.5%
نہیں	83	40	43	41.5%
کبھی کبھی	0	0	0	0
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.1

مذکورہ سوال کے جواب میں 58.5% بچوں نے بتایا کے ان کے والدین تعلیم یافتہ ہیں پاکستان کا شرح خواندگی 62% ہے جبکہ 41.5% بچوں کے والدین تعلیم سے محروم ہیں۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.1 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
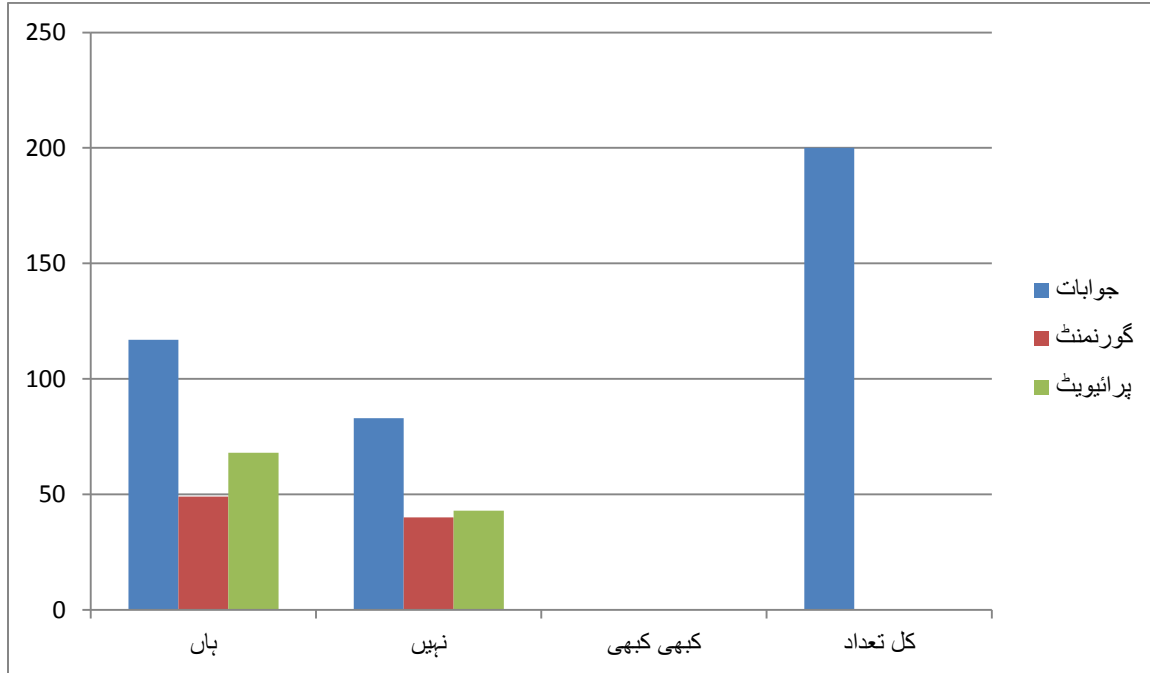
چارٹ نمبر 1.1

سوال نمبر 2: کیا آپ کے والدین آپ کو قصے، کہانیاں سناتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	83	37	46	41.5%
نہیں	83	43	40	41.5%
کبھی کبھی	34	20	14	17%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.2

مذکورہ سوال کے جواب میں 41.5% بچوں نے ہاں اور 41.5% نے نہیں جبکہ 17% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.2 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
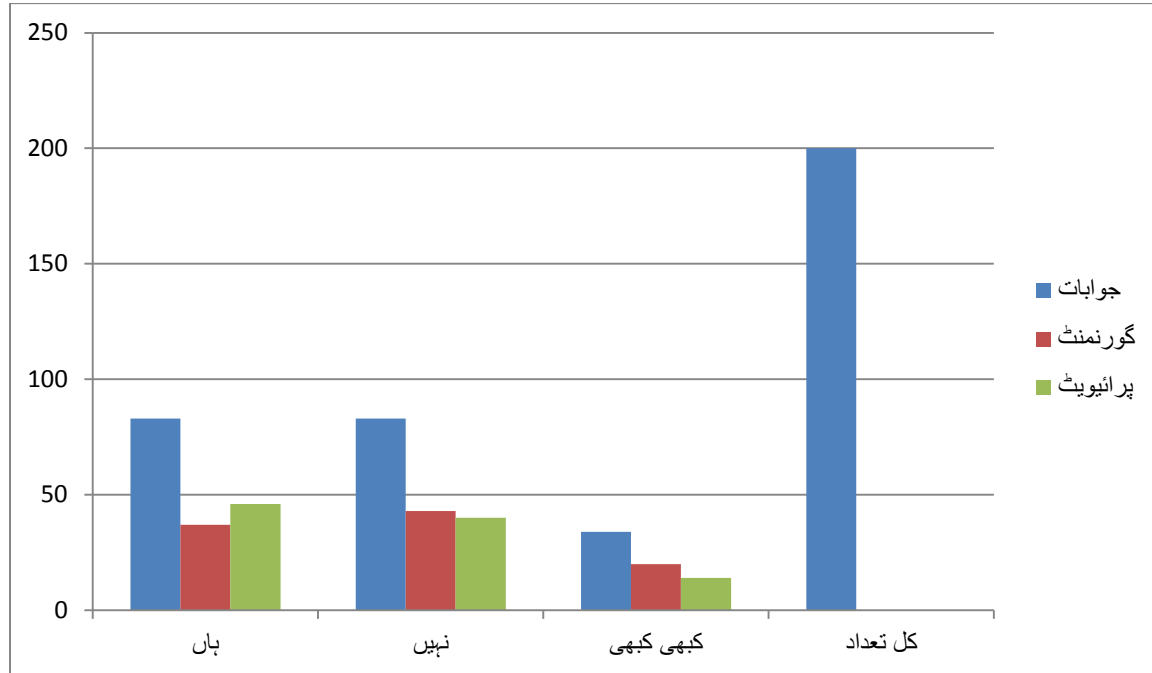
چارٹ نمبر 1.2

سوال نمبر 3: کیا جھوٹ بولنے پر آپ کے والدین آپ کو سزا دیتے ہیں؟

فیصد	پرائیویٹ	گورنمنٹ	جوابات	انتخابات
30%	26	34	60	ہاں
45%	50	40	90	نہیں
25%	24	26	50	کبھی کبھی
100			200	کل تعداد

ٹیبل نمبر 1.3

مذکورہ سوال کے جواب میں 30% بچوں نے ہاں اور 45% نے نہیں جبکہ 25% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.3 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
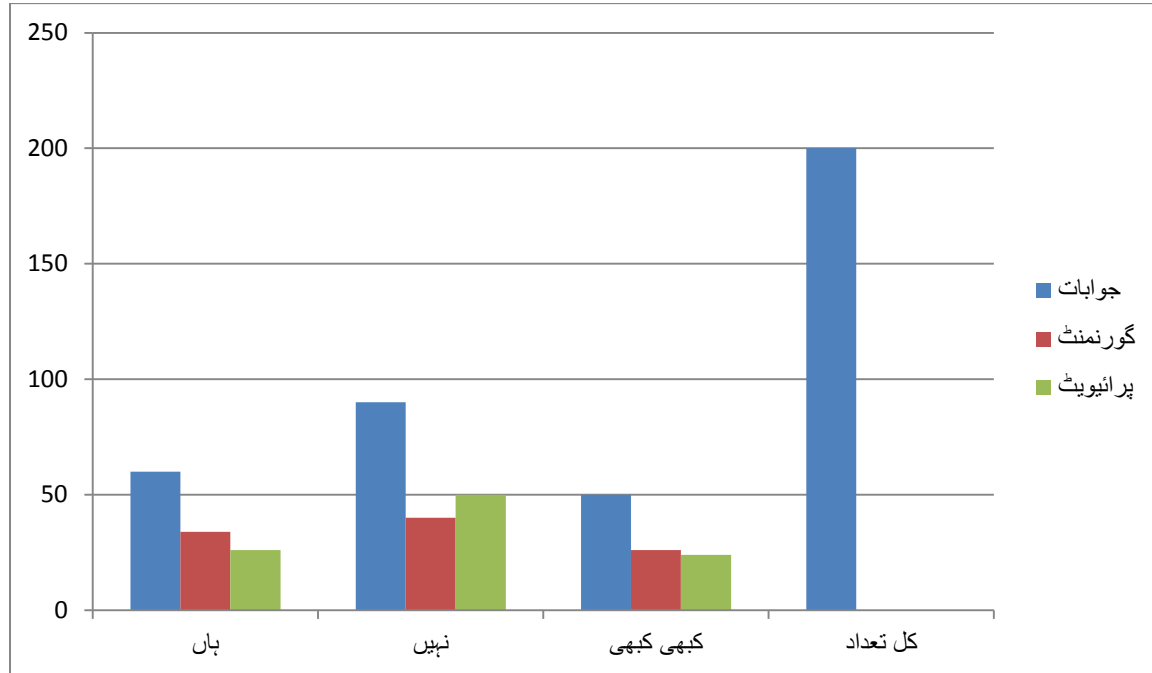
چارٹ نمبر 1.3

سوال نمبر 4: کیا آپ کے والدین نماز نہ پڑھنے پر آپ کو سزا دیتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	65	30	35	32.5%
نہیں	112	55	57	56%
کبھی کبھی	23	15	08	11.5%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.4

مذکورہ سوال کے جواب میں 32.5% بچوں نے ہاں اور 56% نے نہیں جبکہ 11.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.4 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
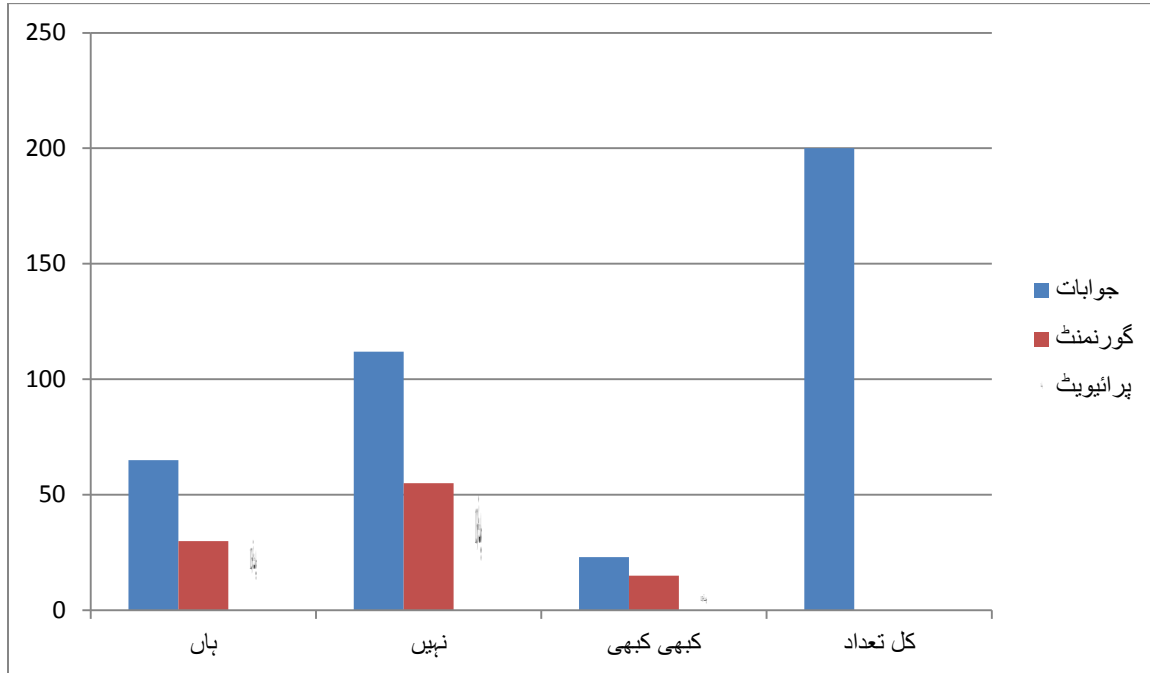
چارٹ نمبر 1.4

سوال نمبر 5: کیا آپ کے والدین آپ سب بہن بھائیوں سے ایک جیسا سلوک کرتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	169	87	82	84.5%
نہیں	17	07	10	8.5%
کبھی کبھی	14	06	08	07%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.5

مذکورہ سوال کے جواب میں 84.5% بچوں نے ہاں اور 8.5% نے نہیں جبکہ 7% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.5 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
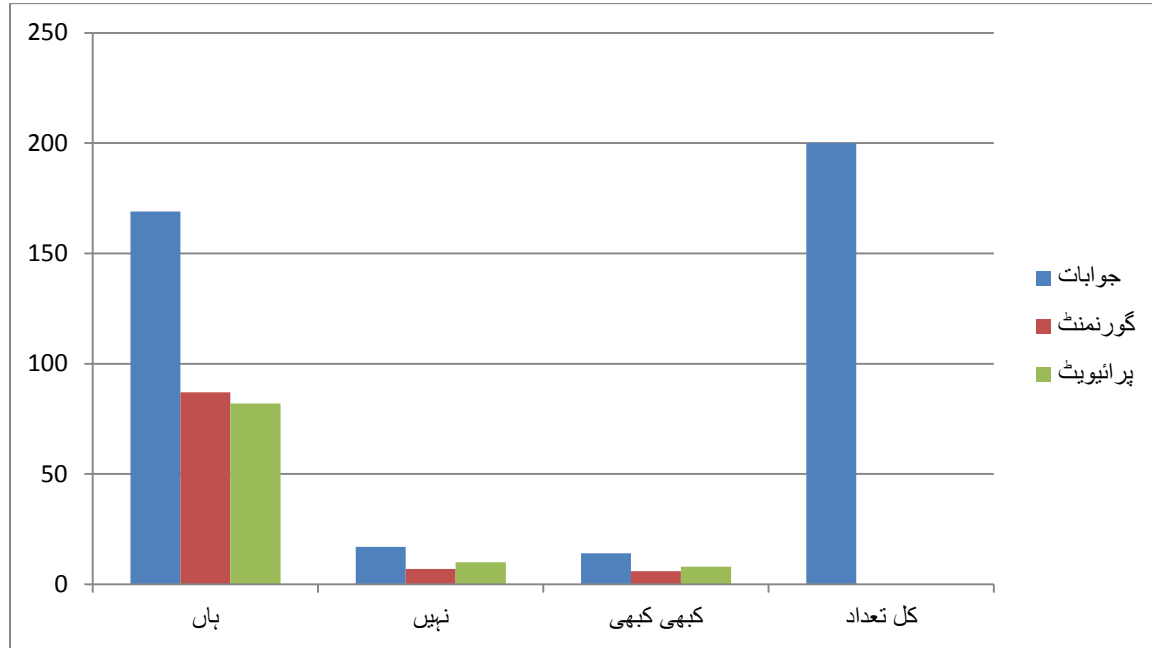
چارٹ نمبر 1.5

سوال نمبر 6: کیا آپ کے والدین آپس میں لڑتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	102	55	47	51%
نہیں	70	30	40	35%
کبھی کبھی	28	15	13	14%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.6

مذکورہ سوال کے جواب میں 51% بچوں نے ہاں اور 35% نے نہیں جبکہ 14% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.6 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
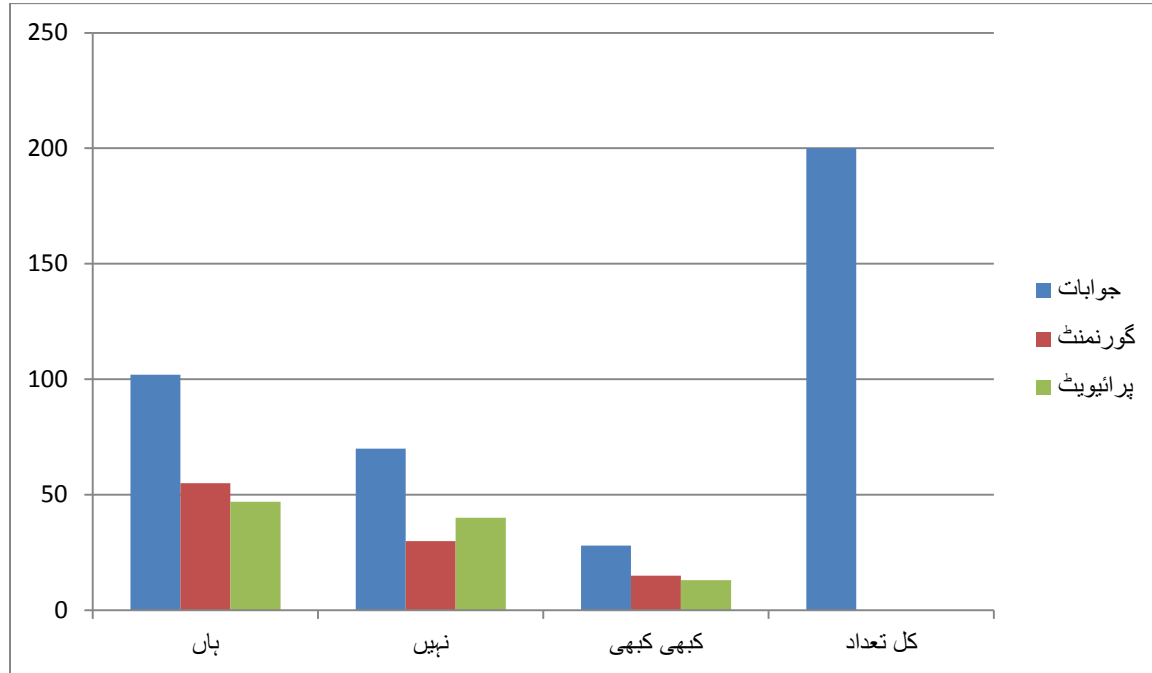
چارٹ نمبر 1.6

سوال نمبر 7: کیا آپ کے گھر میں آپ کے رشتہ دار آتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	140	70	70	70%
نہیں	0	0	0	0
کبھی کبھی	60	30	30	30%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.7

مذکورہ سوال کے جواب میں 70% بچوں نے ہاں جبکہ 30% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.7 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
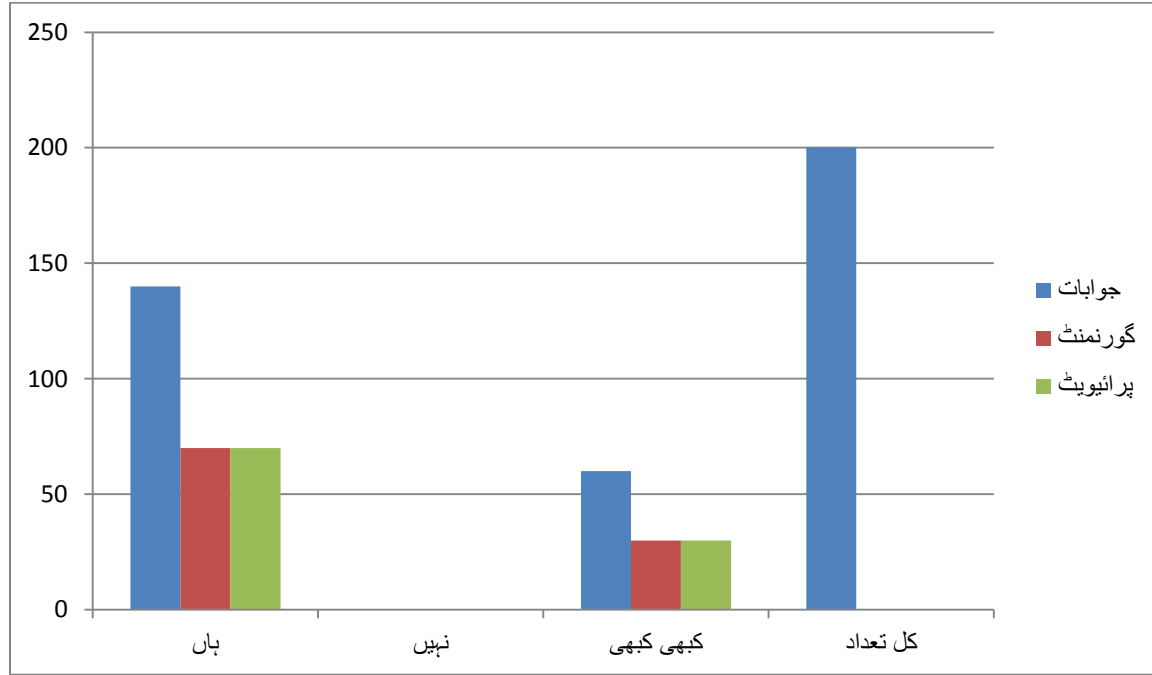
چارٹ نمبر 1.7

سوال نمبر 8: کیا آپ اور آپ کے والدین کا رشتے داروں کے گھر میں آنا جانا ہے؟

فیصد	پرائیویٹ	گورنمنٹ	جوابات	انتخابات
67.5%	70	65	135	ہاں
0	0	0	0	نہیں
32.5%	30	35	65	کبھی کبھی
100				کل تعداد

ٹیبل نمبر 1.8

مذکورہ سوال کے جواب میں 67.5% بچوں نے ہاں جبکہ 32.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 1.8 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
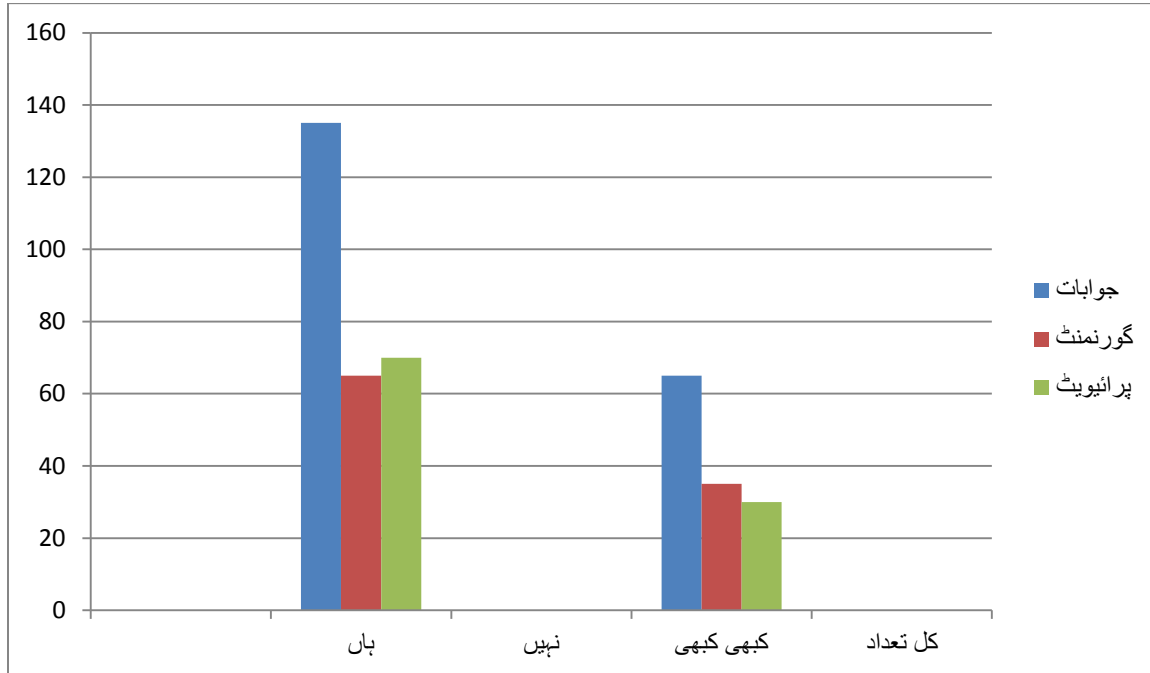
چارٹ نمبر 1.8

سوال نمبر 9: کیا آپ کے والدین آپ کو شادی یا کسی دعوت پر ساتھ لے جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	135	70	65	67.5%
نہیں	04	01	03	2.5%
کبھی کبھی	61	29	32	30%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 1.9

مذکورہ سوال کے جواب میں 67.5% بچوں نے ہاں اور 2.5% نے نہیں جبکہ 30% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
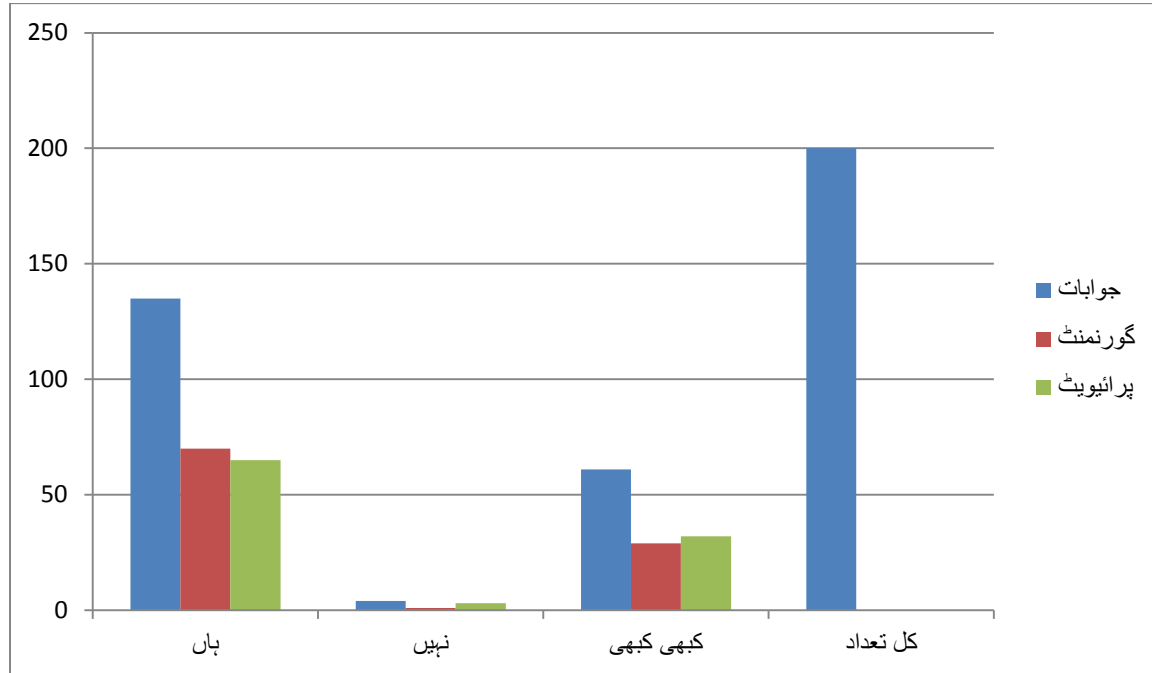
چارٹ نمبر 1.9

مذکورہ بالا سوالات کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ 58% بچوں کے والدین تعلیم یافتہ ہیں جبکہ شرح خواندگی 62% ہے۔ لیکن تربیت کے معاملے میں وہ کوتاہی برت رہے ہیں۔ بحیثیت مسلمان بچوں کو نماز کا عادی بنانا اور جھوٹ بولنے پر سزا دینا والدین کی ذمہ داری ہے 31% والدین سزا دیتے ہیں معلوم ہوا کہ والدین اس زمرے میں اپنا کردار بہت کم ادا کر رہے ہیں۔ 51% بچوں کے مطابق ان کے والدین کا ایک دوسرے سے جھگڑا کافی زیادہ ہوتا ہے اب جہاں گھر میں بچے کو سکون نہیں ملے گا اس گھر کے بچے ذہنی مریض، سہمے سہمے اور ڈرے رہیں گئے۔ لیکن نتائج سے اس بات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ والدین معاشرتی کردار بھرپور طریقے سے ادا کر رہے ہیں 67% والدین اپنی بچوں کو شادی بیاہ کے موقع پر ساتھ رکھتے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گاؤں کے لوگ آپس میں جڑے رہتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔اسی لیے ان کے بچے بھی معاشرے سے جڑے رہتے ہیں۔

فصل چہارم:

والدین کے کردار کو مثالی بنانے کے لیے ممکنہ لائحہ عمل

والدین اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے خواہاں ہوتے ہیں۔ انھیں ہر آسائش دینا چاہتے ہیں ہر تکلیف سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ زمانے کی گرم لو سے بھی اپنے بچوں کو بچاتے ہیں یہاں تک کہ اپنی خوشیاں بھی ان پر قربان کر دیتے ہیں۔ خود کھانے کو نہ بھی ہو مگر بچوں کو کھانا مہیا کرتے ہیں چاہے مانگ کے ہی کیوں نہ لائیں۔ اس کے باوجود بچے بگڑ جاتے ہیں بڑے ہو کر انھی والدین کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں بھول جاتے ہیں کہ ان کے والدین نے ان کے لیے کیا کیا تھا۔ خود جب کمانے لگ جاتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں، اس کی آخر کیا وجہ ہوتی ہے کہ اپنے ہی محسن اور پرورش کرنے والے کو بھول جاتے ہیں۔

محمد بن جمیل[61] اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اے تربیت کے خواہاں سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کر۔ کیونکہ جس کام کو تُو کرے گا تیری اولاد اسے اچھا خیال کر کے اس پر عمل کرے گی اور جس کام کو تُو ترک کر دے گا تیرے بچے بھی اس کے قریب نہیں جائیں گے اور یقیناً والدین کا بہترین کردار ہی سب سے اچھی اولاد کی تربیت کر سکتا ہے''[62]

---

[61] آپ 1925ء کو پیدا ہوئے آپ مسلم عالم دین اور مصنف تھے شیخ محمد بن جمیل زینو سعودی عرب کے جلیل القدر عالم اور معروف مصنف تھے۔ ان کی تحریر کا اصل موضوع 'اصلاح عقائد' تھا اور اس سلسلہ میں متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکل کر عوام و خواص میں سند قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ شیخ صاحب موصوف تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ میدان تدریس کے بھی شہسوار تھے۔ آپ شام کے شہر حلب میں 29 سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بعد ازاں شیخ ابن بازؒ کے کہنے پر اردن میں دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ کے 'دار الحدیث الخیریہ' میں بطور مدرس مقرر ہوئے تھے آپ نے 2010ء میں وفات پائی https://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-bin-jameel-zino/true۔22.8.2021

[62] اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت والدین اور اساتذہ کی ذمہ داریاں، محمد بن جمیل زینو، مترجم (ابو القاسم حافظ محمود تبسم)، حدیبیہ پبلی کیشنز، 2004ء، ص 43

مذکورہ عبارت ثابت کرتی ہے کہ اگر والدین اپنی اصلاح کرلیں خود برے کاموں سے دور رہیں اپنے کردار کو اعلیٰ اور معیاری بنائیں تو ان کے بچے بھی ان کی طرح اعلیٰ کردار اور اخلاق کے حامل ہوں گے اور برائی کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔ بچوں کو بنانے اور بگاڑنے میں سب سے زیادہ کردار ان کے اپنے ہی والدین کا ہوتا ہے۔

طلحہ نظامی اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> ''اصلاح معاشرے کی عملی محنت میں سب سے پہلی سیڑھی یہ ہے کہ انسان اپنے گھر کی اصلاح کرنا شروع کر دے سب سے پہلے خود کو اسلام کے سانچے میں ڈالے اور بیوی کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے اور احکام اسلام پر عمل کرنے کی تلقین کرے اور اس کے بعد اپنے بچوں کی تربیت شروع سے ہی اسلامی نہج پر کرے کیونکہ یہی تو معاشرے کے افراد ہیں معاشرے کے افراد جب صحیح ہو جائیں گے تو معاشرہ خود بخود صحیح ہو جائے گا''[63]

ایک مرد ہی بچے کی اچھی تربیت کا ضامن ہے وہ چاہے تو اپنی اصلاح کے ساتھ بیوی کی اصلاح بھی کر سکتا ہے خود کو اور اسے زیور اسلامی تعلیم سے روشناس کر سکتا ہے۔ پھر دونوں مل کر بچوں کی تربیت کریں گے اور معاشرہ ان بچوں سے ہی بنے گا اور ان کی اچھی تربیت سے معاشرہ بھی اچھا بن جائے گا۔ کیے گئے سروے سے والدین کی تربیت میں کچھ کمی پائی گئی ہے اگر والدین اپنے بچوں کی تربیت اچھے انداز میں کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اپنی ذات میں کچھ خوبیاں شامل کرنا ہوں گی اپنی بچوں کی مثالی تربیت کے لیے ان خوبیوں کو اپنی ذات کا حصہ بنانا ہوگا۔ مندرجہ ذیل فصل میں ان خوبیوں کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے جن پر عمل کرکے والدین اپنے کردار کو مثالی بنا سکتے ہیں اور بچوں کی اچھی تربیت کر سکتے ہیں۔

تعلیم یافتہ ہونا:

اصلاح و تربیت کا کام علم سے ملحق ہے تعلیم یافتہ انسان کی بات خوبصورت پائیدار اور جامع ہوتی ہے جو سننے والے کے دل کو جلا بخشتی ہے۔ اس لیے اصلاح تربیت کے اہم فریضے کو سرانجام دینے کے لیے مربی کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ چونکہ بچوں کی شروع سے ہی اصلاح و تربیت کی جاتی ہے اس لیے مربی یعنی والدین کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ والدین کو اوامر ونواہی اور دین اسلام کے احکام کا علم ہونا چاہیے تاکہ ہر قدم پر وہ اپنے بچے کی راہنمائی کر سکیں اسے اچھے برے میں تمیز کرا سکیں۔ یہ سب علم کی دولت سے سرفراز ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔

آپ ﷺ نے حصول علم پر زور دیتے ہوے فرمایا:

---

[63] اولاد کی تربیت کیسے کریں، نظامی، مفتی محمد طلحہ، مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی، 2010ء، ص 3

((طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَىْ كُلِّ مُسْلِمٍ))[64]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

مسلمان معاشرے کا ہر انسان کسی نہ کسی کی تربیت کا ضامن ہوتا ہے اس لیے علم کے حصول کو تمام مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں آپ جب چاہیں علم حاصل کر سکتے ہیں۔ انسان کو ہمیشہ ہی علم کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے پھر یہاں پر بات والدین کے حوالے سے ہو رہی ہے جو اپنے بچے کو ہر طرح کی آسائش دینے کے خواں ہوتے ہیں وہ اگر پڑھے لکھے ہیں تو اپنے بچے کی تربیت میں کوتاہی نہیں کریں گے اور والدین میں سے بچہ زیادہ وقت ماں کے ساتھ گزارتا ہے اس لیے اس کی ماں کا تعلیم یافتہ ہونا اشد ضروری ہے اس لیے اختیار زوجہ میں یہ بات مد نظر رکھی جائے کہ آج کی دلہن مستقبل میں ماں ہو گی اور ایک ماں نہ صرف اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہے بلکہ کہیں خاندانوں کی تربیت کی ضامن ہوتی ہے اس لیے اختیار زوجہ کے وقت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے اور اگر دونوں ہی تعلیم یافتہ ہوں گے تو بہت سے خاندان علم اور اچھی تربیت سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

سوالنامے کے دوران معلوم ہوا جن بچوں کے والدین تعلیم یافتہ ہیں علم حاصل کرنے کے بعد معاشرے میں کسی نا کسی حوالے سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں ان کے بچے اپنی مثال آپ ہیں۔ کلاس میں اول دوم آنے والے ہیں اور جن کے والدین ان پڑھ ہیں معاشرے میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے ان کے بچے مشکل سے پاس ہو رہے ہیں اور کچھ تو فیل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ گھر میں ان پر کوئی توجہ دینے والا نہیں ہے اس لیے اگر والدین اپنے بچوں کو کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو خود اپنے آپ پر توجہ دیں اور علم کے زیور سے خود کو آراستہ کریں۔

والدین کا بلند کردار ہونا:

بچوں کی اچھی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ ان کے والدین بلند کردار ہوں پیار و محبت کے پیکر ہوں۔ بات بات پر غصہ کرنے والے نہ ہوں اگر ان کے بچوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو والدین بچوں کو پیار سے سمجھائیں اور اچھے انداز میں تنبیہ کریں۔ کیونکہ پیار و محبت سے کہی گئی بات کا اثر جلدی اور دیرپا ہوتا ہے میاں بیوی کے آپس کے تعلقات کا بھی بچوں پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے اپنے بچوں کے لیے آپس کے تعلقات کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ اگر والدین آپس میں لڑ جھگڑ

---

[64] سنن ابن ماجہ ،المقد مة ،بَابُ : فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ -ح 224، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رہے ہیں توان کے بچے آپس میں بھی جھگڑیں گے اور دوسروں سے بھی۔والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے سامنے جھوٹ نہ بولیں نہ کوئی ان سے ایسا وعدہ کریں جس کو وفانہ کر سکیں کیونکہ یہ سب عادات ان کے بچوں میں بھی منتقل ہوں گی اور وہ اپنی تباہی کے ساتھ ان کی تباہی کے ضامن بھی ہوں گے۔والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں سے خوش اسلوبی سے بات کر کے انھیں سمجھائیں انسان کی فطرت میں محبت وانس موجود ہے اس کا استعمال کریں اپنے اخلاق اور کردار کو بلند رکھیں اور مثالی بنائیں اس حوالے سے سید محمد میاں لکھتے ہیں:

"فطرتاًانسان وحشت پسند نہیں اس کی فطرت میں انس ہے فطرت انسانی کا قیمتی جوہر محبت ہے اسی لیے وہ معاشرہ اور سماج بناتا ہے جس کی بنیاد انس اور محبت پر ہے ۔ہمدردی، رواداری، باہمی تعاون، آپس کا اعتماد اور بھروسہ، رحم، شفقت، مروت، مساوات، اخوت انسانی سماج کے چہرہ کے آنکھ، ناک اور خدوخال ہیں۔اسلام سب کو سامنے رکھ کر اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔"[65]

یہ سب خوبیاں اگر والدین میں موجود ہوں گی تو بچے بھی ان خوبیوں کو اپنی ذات میں شامل کریں گے۔اس کے علاوہ والدین ہمیشہ سچ بولیں، نماز کی پابندی کریں، سلام میں پہل کریں اور بچوں کو بھی ایسے آداب سکھائیں۔ کیونکہ جن بچوں کے والدین ان سے بات بات پر غصہ کرتے ہیں یا آپس میں لڑتے ہیں وہ بچے ڈرے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں اور ان میں اعتماد کی کمی بھی پائی جاتی ہے۔اس لیے ضرورت ہے کہ اگر والدین اپنے بچوں کو حوصلہ مند دیکھنا چاہتے ہیں تو ان سے پیار سے پیش آئیں آپس کے تعلقات کو بھی بہتر رکھیں اور اپنے بچوں کو خوشگوار ماحول دیں۔

مساویانہ سلوک کا حامل ہونا:

والدین کے لیے ضروری ہے کے اگر ان کے ایک سے زیادہ بچے ہیں تو وہ تمام کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھیں سب سے ایک جیسا پیار اور برتاؤ کریں۔یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ بعض خوبیوں کی وجہ سے بعض بچوں سے پیار زیادہ کیا جاتا ہے۔اگر فطری طور پر ایسا ہو بھی تو اس میں کوئی پکڑ نہیں لیکن ظاہری طور پر سب سے ایک جیسی محبت کی جائے۔

اولاد کے درمیان انصاف پر آپ ﷺ نے بھی زور دیتے ہوئے فرمایا:

((اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ))[66]

---

[65] سیاسی اور اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات وارشادات، سید محمد میاں، مکتبی قاسمیہ لاہور، 1983ء، ص11

[66] سنن ابی داود ،کتاب الإجارة ،باب فِي الرَّجُلِ يُفَضِّلُ بَعْضَ وَلَدِهِ فِي النُّحْلِ ح3544، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ترجمہ: اپنی اولاد کے درمیان انصاف کیا کرو۔

انصاف کو آپ ﷺ نے اس قدر لازمی قرار دیا کہ یہاں تک فرمادیا اگر تم اپنے بچوں کو کوئی تحفہ دینا چاہو تو اس میں بھی عدل کو ملحوظ رکھو ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ حدیث رسول ﷺ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے باپ نے اپنے ایک بیٹے کو تحفے میں غلام دیا اور آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کو گواہ رکھنے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

((أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هَذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ))[67]

ترجمہ: کیا تم نے اپنے تمام لڑکوں کو ہی غلام تحفے میں دیا ہے جیسا اس کو دیا ہے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر اسے واپس لے لو۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بچوں کو تحفہ دینا ہے تو ایک کو نہیں بلکہ سب کو دیں نہیں تو انجانے میں ہی والدین اپنے بچوں میں فرق کر رہے ہیں اور بچوں سے تفریق انھیں احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس سے ان میں چڑ چڑا پن آجاتا ہے۔ وہ اپنی بات پھر اپنے والدین سے شیئر نہیں کرتے اور کتنی ہی مشکل میں ہوں اپنے والدین کو نہیں بتاتے۔ کئے گئے سوالنامے سے پتہ چلا کہ جن بچوں سے امتیازانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ بچے ڈرپوک، بزدل، کلاس میں پیچھے رہنے والے اور کم گو ہیں اگر والدین ان سے مثبت رویے سے پیش آئیں تو وہ بچے دیگر بچوں کی طرح اپنی کارکردگی دیکھائیں گے۔

احترام انسانیت کا شعور ہونا:

والدین اپنے بچوں کی تربیت میں احتیاط سے کام لیں ان کے سامنے کوئی ایسا کام یا حرکت نہ کریں جو ان کے ذہن پر نقش ہو جائے اور وہی حرکت وہ اپنے عمل سے ظاہر کریں۔ ذات پات کا رواج بڑی تیزی سے سرایت کرتا جا رہا ہے اور افسوس کہ یہ چیز وراثت میں دی جاتی ہے اور نسل در نسل یہ منتقل ہو رہی ہے اور پرانے لوگوں کی طرح اپنے آباء کا ورثہ سمجھ کر اسے نہ صرف سنبھالتے ہیں بلکہ باوقت ضرورت استعمال بھی کرتے ہیں۔ اور آزاد کشمیر میں تو ذات پات پر لوگ قتل کے درپے ہو جاتے ہیں حالانکہ ہمارے اسلام نے بڑے خوبصورت انداز میں انسان کی عزت و توقیر کا بتایا۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿ وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ ﴾[68]

---

[67] سنن الترمذي ،كتاب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب مَا جَاءَ فِي النُّحْلِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ ح1367، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[68] سورة الاسرا:70

ترجمہ: اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو۔

اس آیت مبارکہ میں تمام اولاد آدم کی بات کی گئی ہے کسی خاص ذات کے لوگوں کی نہیں نہ ہی کسی ذات کو برتر کہا گیا ہے بلکہ مجموعی طور پر انسانوں کو معزز کہا گیا ہے۔ انسان افضل مخلوق ہے۔ واضح نص کے باوجود یہ ذات پات کا نظام انسان نے تخلیق کیا اور نہ صرف تخلیق کیا بلکہ بڑی سختی سے اس پر کاربند بھی ہے۔ یہاں تک کہ اس ذات پات کی وجہ سے انسانوں کا خون بہانے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کر رہا ہے جبکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آپ ﷺ کی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ))[69]

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے واضح ہوا کہ مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی وقت آنے پر اس کی مدد کرنا چھوڑتا ہے۔ مگر اب ذات پات کی وجہ سے اور امیری اور غریبی کو دیکھ کر لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں۔ کسی کی مدد کرنے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ اس میں ہمارا کیا فائدہ ہوگا بہت کم لوگ ہیں جو خلوص نیت سے کسی کی مدد کرتے ہیں۔ دراصل ہم نے اسلام کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ والدین باوقت ضرورت لوگوں کی مدد کرتے وقت بچوں کو ساتھ رکھیں مثلاً کسی کا سودا لانے کے لیے کسی پیاسے کی پیاس بجاتے وقت اور یہ ایسے بہت سے کام خود بھی کریں اور بچوں سے بھی کروائیں۔ اور کسی نے اگر آپ کے ساتھ یا آپ کی بچوں کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اسے معاف کر دیں اور بچوں کو بھی در گزر کرنے کا کہیں۔ والدین کو چاہیے کہ ذات پات کے نظام کی سرے سے بچوں کے سامنے نفی کریں انھیں بتایئں کہ سب انسان برابر ہیں اور عزت کے قابل ہیں۔ اگر بچوں کو وراثت میں اور گھر کے ماحول سے ایسی تربیت ملے گی تو وہ بچے مستقبل کے معمار ہوں گے اور دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے۔

رشتوں کو پرونے کا ہنر ہونا :

رشتوں کو نبھانے والے کبھی تنہا نہیں رہتے مشکل کی گھڑی میں جہاں اپنے رشتہ دار کام آتے ہیں وہاں دوسرے نہیں آتے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہ السّلام کو ان کے رشتہ داروں نے بہت ستایا یہاں تک کے جان سے مارنے کی کوشش بھی کی لیکن یہ انبیاء علیہ السّلام کا ظرف ہے کہ انھوں نے ہمیشہ رشتہ داری کا لحاظ رکھا۔ قصہ حضرت

[69] سنن الترمذي ،كتاب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ -ح1426، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

یوسف علیہ السّلام ہمارے سامنے ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے آپ کو جان سے مارنے کی کوشش کی اپنوں سے جدا کر دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السّلام کی اعلیٰ ظرفی دیکھیں کہ وہی بھائی جب بے یار و مددگار ہو کر آپ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو نہ صرف آپ انھیں نوازتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں: قرآن میں ہے:

﴿قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ﴾ [70]

ترجمہ: آج کے دن تم پر کچھ ملامت نہیں ہے۔

آپ علیہ السّلام چاہتے تو اپنے بھائیوں کو معاف کرنے کے بجائے سزا دے سکتے تھے لیکن آپ علیہ السّلام عام انسان نہیں تھے آپ علیہ السّلام کی اعلیٰ ظرفی تھی کے آپ علیہ السّلام نے اپنے قاتلوں کو بھی معاف کر دیا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ سزا بھی کافی ہے کہ اتنی زیادتیاں کرنے والے کو معاف کر دیا جائے اور آپ کی سنت کو خاتم النبیین ﷺ نے بھی زندہ کیا۔ جب آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا سب پر حاوی ہیں ادھر مکہ والے سوچ رہے ہیں نہ جانے آج ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے تاریخی خطبہ ادا ہوا۔

شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> "جس مجمع میں خطبہ دی گیا اس میں قریش کے بڑے بڑے سرکش موجود تھے وہ بھی تھے جنھوں نے اسلام کو مٹانے کا بیڑا اٹھایا تھا وہ بھی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔۔۔۔ وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کی قتل کے درپے تھے آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا" کہو اب تم جانتے ہو کہ میں تمارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں" فورا بول اٹھے "آپ ﷺ جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں" آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ جاؤ آج تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو" [71]

نبی کریم ﷺ چاہتے تو انھیں سزا دے سکتے تھے مکہ بدر کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں۔ آپ ﷺ سب کے لیے مثال ہیں آپ ﷺ نے انھیں معاف کر کے تاریخ میں ایک بار پھر اعلیٰ مثال قائم کی۔ مربی بھی لوگوں کے لیے اور زیر تربیت یافتہ کے لیے مثال ہوتا ہے اگر بات بات پر وہ غصہ کرے، سرزنش کرے، معاف کرنے کے بجائے بدلہ لے تو اس کی تربیت کا اثر بہت کم ہو گا۔ آپ ﷺ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں مربی نے بھی اپنوں کو جوڑ

---

[70] سورۃ یوسف: 92

[71] سیرت النبی، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2012، ص 348

کر رکھنا ہے ہر رشتے کو نبھانا ہے اس لیے اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت اس انداز میں کریں کہ وہ کل کسی اور کے ساتھ برا نہ کریں۔ والدین بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں سے تعلق کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اپنے والدین کی عزت کریں۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے پیار کریں۔ اپنے عمل سے ثابت کرنے کے بعد یہ اقدار اپنے بچوں میں منتقل کریں کیونکہ آج آپ کے بچے آپ سے سیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنوں سے تعلق کو ختم کیے ہوئے ہیں تو آپ کے بچے انجانے میں آپ سے اور اپنوں سے دور ہو رہے ہیں۔ اس لیے مربی کو چاہیے کہ وہ اپنوں سے تعلق کو فروغ دے مشکل میں ان کے ساتھ کھڑا ہو ضرورت پڑنے پر سب سے پہلے آپ ان کے پاس پہنچے اور وقت پڑنے پر بچوں کو بھی ساتھ رکھیں تاکہ انھیں بھی اپنوں کا احساس ہو یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے سے قریب کر رہے ہیں یا دور۔

رجائیت پسندی:

انسان کی زندگی اگر رجا سے پُر ہو تو اسے کوئی تکلیف تکلیف نہیں لگتی۔ اسے امید ہوتی ہے کہ یہ وقت گزر جائے گا اور ایک صبح اس کے لیے خوشیوں کی نوید لے کر آئے گی حالات پلٹا کھائیں گے اور وہ اس کی امیدوں کا سورج پھر سے ابھرے گا۔ اپنے ذہن میں وہ اگر ان لوگوں کو رکھے جنہوں نے مشکل وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اور وقت کی رفتار کے ساتھ اسے بھی بہا دیا تو انسان کبھی ناامید نہ ہو مثلاً آپ ﷺ کی زندگی ہمارے سامنے ہے آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی یاس اور قنوطیت کو جگہ نہیں دی ہمیشہ پر امید رہے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بھی امید و رجا کی تلقین کی۔ ایک بار کلید برادر کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے کعبے کا دروازہ کھولنے کو کہا اس نے انکار کر دیا خراب حالات کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عثمان لَعَلَّكَ سَتَرَى هَذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِي أَضَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ))[72]

ترجمہ: ایک دن آنے والا ہے جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا اس کے حوالے کر دوں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر بھی امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ فتح مکہ کے دن اسی سے کنجی لی۔ اور یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ ہر مصیبت کے وقت ایسے ہی خود بھی پر امید رہتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رکھتے۔ اصلاح و تربیت میں رجا کا عمل دخل بہت گہرا ہوتا ہے اگر رجا کے دامن کو چھوڑ دیا جائے تو مربی کی محنت اور لگن میں بھی کمی ہو جائے گی اور مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ یہاں پر بات والدین کی ہو رہی ہے اگر والدین نامساعد حالات میں امید کا دامن چھوڑ دیں گے تو ان کے بچے بھی نامساعد حالات کے آگے ایسے ہی ہار جائیں گے اور دوبارہ سے اٹھ نہیں سکیں گے مثلاً

[72] زاد المعاد في هدي خير العباد، ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر، مكتبة المنار الإسلامية، الكويت،1994ء،360/3

اگر ایک بار فیل ہو گے تو دوبارہ علمی میدان میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ مربی کے لیے یہ لازم ہے کہ امید کو خود سے الگ نہ کرے کامیاب لوگوں کی مثالوں کو بیان کرے۔ ناساز گار حالات میں نہ اپنے حوصلے کو پست کرے اور نہ بچوں کے ہونے دے۔ ناکامی کی صورت میں اپنے اندر یاان میں کامیابی کی ایسی تحریک پیدا کرے کہ وہی بچے پھر اپنی منزل کی طرف بڑھ سکیں۔

مربّی پر لازم ہے کہ وہ بچوں کو کبھی مایوس نہ ہونے دے پھر والدین تو چاہتے ہیں کہ ان کے بچے دنیا کی ساری کامیابیاں سمیٹ لیں اور کبھی ناکامی کا سامنانہ کریں۔ والدین کو یہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان کے رویے اور اقدامات کا بچوں پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی زندگی سے ناکامی کا احساس اور لفظ نکال دیں۔

عوامی ربط و تعلق:

انسان معاشرے سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اس کی شروع سے یہ خواہش رہی ہے کہ لوگوں سے میل جول کو بڑھائے اور اپنی خوشیوں اور غم میں کسی کو شریک کرے۔ اور بات اگر مربی کی ہو جو کہ زیر تربیت یافتہ لوگوں کے لیے مثال ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ عوامی میل جول کو بڑھائے زیر تربیت یافتہ کو بھی اس کی تلقین کرے۔ جیسا کہ والدین اپنے بچوں کو لے کر شادی پر جائیں عید اور نماز جمعہ میں انھیں ساتھ لے جائیں انہیں محفل کے آداب سیکھائیں۔ آپ ﷺ کی حیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ نے عوام سے میل جول کو خاص اہمیت دی۔ مقام نبوت پر فائز ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے لوگوں کے مسائل کو حل کیا۔ آپ ﷺ ضرورت کے وقت لوگوں کے کام بھی کرتے ان کی مدد بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے۔ لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتے انھیں بہترین مشورے سے نوازتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ بہت قیمتی زمین ہے اس کا کیا کروں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا))[73]

ترجمہ: اگر تم چاہو تو اصل زمین کو روک کر وقف کر دو اور اس سے آنے والی آمدن کو صدقہ کر دو۔

---

[73] سنن النسائی، کتاب الاحباس، بَابُ : الإِحْبَاسِ كَيْفَ يُكْتَبُ الْحُبْسُ وَذِكْرِ الِاخْتِلاَفِ عَلَى ابْنِ عَوْنٍ فِي خَبَرِ ابْنِ عُمَرَ فِيهِ ح3630، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ طلب کرنے پر مشورہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے علاوہ عوام سے بھی اس قدر محبت کی کہ ہر ایک آپ ﷺ کو قریب تصور کرتا ۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ ﷺ ان سے بالا تر ہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ وَخَنْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُهُ يَنْقُلُ مِنْ تُرَابِ الْخَنْدَقِ))[74]

ترجمہ: غزوہ احزاب کے موقع پر رسول ﷺ کو میں نے دیکھا کہ خندق کے اندر سے آپ ﷺ مٹی اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے ایک حکم پر صحابہ اپنی جانیں دینے کو تیار تھے لیکن آپ ﷺ نے پھر بھی اپنے حصے کا کام کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ ایک مثال تھے ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ مربی بھی دوسروں کے لیے نمونہ ہوتا ہے اسے بھی چاہیے کہ وہ عوام سے اور زیر تربیت یافتہ لوگوں سے میل جول کو بڑھائے ان کی خوشی اور غم میں شریک ہو۔ کوئی بیمار ہو تو اسکی عیادت کرے۔ ان پڑھ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔ پھر دیکھئے یہ کردار تربیت اور اصلاح میں کیسا رول ادا کرتا ہے۔ والدین کو دیکھ کر بچے سیکھتے ہیں۔ اگر والدین بچوں کے سامنے ایسی خوبیوں کو اپنی ذات کا حصہ بنائیں گے تو ان کے بچوں کو یہ خوبیاں وراثت میں ملیں گی اور ان کی ذات کا یہ قابل تحسین حصہ ہوں گی۔ اس کے لیے والدین کو خود بھی اور بچوں کو ساتھ لے کر بھی عوامی ربط کو بڑھانا ہو گا اور ایسی عادات اپنے بچوں میں بھی راسخ کرنی ہوں گی۔

عملی نمونہ:

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی تمام لوگوں کے لیے نمونہ ہے آپ ﷺ جو کہتے وہ کرتے آپ ﷺ کے قول و فعل میں کبھی کوئی تضاد نہیں پایا گیا۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے لیے ایک بہترین نمونہ تھے آپ ﷺ کی یہ کوشش بھی رہی کہ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی دوسروں کے لیے نمونہ بنیں۔

اکابر کا سلوک واحسان میں اس بات کی وضاحت یوں ہے۔

[74] صحیح بخاری ،کتاب المغازي ،بَابُ غَزْوَةُ الْخَنْدَقِ وَهْيَ الأَحْزَابُ،ح4106

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ یہ تھا کہ جاہلیت کی رسوم یک لخت چھوڑ کر ایسے مطیع ہوئے کہ اطاعت میں بدن و جان راضی تھے اور بال برابر بھی فرق نہیں کرتے تھے.....جب آپ ﷺ نے اصحاب کو سچی ارادت میں مضبوط دیکھا تو اپنے قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ان کے قلوب میں ڈالا اور مالا مال کر دیا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہکے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے پھر انہیں حضرات کی روشنیاں تابعینؒ کے قلوب پر منعکس ہوئی اسی طرح آئندہ سلسہ چلتا رہا"[75]

اصلاح و تربیت کے سلسلے میں انسان جہاں دوسروں کے لیے نمونہ ہوتا ہے وہاں اس کی یہ بھی کوشش اور فکر ہوتی ہے کہ اس کے زیر تربیت افراد دوسروں کے لیے بہترین نمونہ ہوں۔ جیسے آپ ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کے اصحاب و تابعین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ۔ بات والدین کی ہو رہی ہے اگر والدین چاہتے ہیں ان کے بچے آگے لوگوں کے لیے نمونہ ہوں تو خود انھیں اپنے بچوں کے لیے نمونہ بننا ہو گا۔ چونکہ بچے شروع سے ہی اپنے ذہن میں ایک نمونہ رکھتے ہیں اور ہر لمحہ ان کے جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں عموما ان کا نمونہ ان کا استاد یا والدین میں سے کوئی ہوتا ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ جس بات کا بچوں کو حکم دیں خود پہلے اس پر عمل کریں جیسے نماز، سچ بولنا، بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے پیار وغیرہ۔ آپ ﷺ کی زندگی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِشَرَابٍ، وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَشْيَاخٌ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ، فَقَالَ الْغُلَامُ لَا وَاللَّهِ لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ))[76]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے لیے کچھ پینے کو لایا گیا۔ آپ ﷺ کی دائیں طرف ایک بچہ تھا اور بزرگ لوگ بائیں طرف تھے۔ آپ ﷺ نے بچے سے فرمایا کہ کیا تمہاری طرف سے اس کی اجازت ہے کہ میں انہیں یہ دے دوں؟ تو اس بچے نے کہا کہ نہیں قسم اللہ کی میں آپ سے ملنے والے اپنے حصہ کا ہرگز ایثار نہیں کر سکتا۔ پھر آپ ﷺ نے مشروب ان کی طرف بڑھا دیا۔

---

[75] اکابر کا سلوک و احسان، مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، مکتبہ شیخ بہادر آباد کراچی، 1396ھ، ص:43

[76] صحیح بخاری، کتاب الھبة ، بَابُ الْهِبَةِ الْمَقْبُوضَةِ وَغَيْرِ الْمَقْبُوضَةِ، وَالْمَقْسُومَةِ وَغَيْرِ الْمَقْسُومَةِ:، ح2605

آپ ﷺ چاہتے تو اپنی مرضی سے شیوخ کو دے سکتے تھے اور بچے سے اجازت لینا بھی ان کے لیے ضروری نہیں تھا اور دائیں جانب سے شروع کرنا کوئی فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ لیکن آپ ﷺ چونکہ ایک نمونہ ہیں اس لیے آپ ﷺ نے شیوخ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اگر بچوں سے واسطہ پڑے تو انھیں نظرانداز نہ کریں اور ان کا حق بغیر اجازت ان سے نہ لیں۔ جبکہ بچے کو یہ تعلیم دی کہ بعض اوقات استحقاق کے باوجود بڑوں کی تعظیم کے لیے اپنی جگہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہوتی اور اگر بڑوں کے ساتھ کہیں معاملہ پیش آئے تو انھیں اپنے اوپر ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں ہوتی۔ کیے گئے سروے سے یہ نتائج سامنے آئے ہیں کہ جن بچوں کے والدین نماز نہیں پڑھتے وہ بچے بھی بے نمازی ہیں۔ لہذا والدین پر فرض ہے کے وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کے لیے پہلے خود ان کے سامنے عملی مثال پیش کریں۔

مزاج و نفسیات کا خیال:

مزاج و نفسیات کے مطالعہ کو تربیت کے سلسلے میں بہت اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے اس کی مدد سے کسی کی پسند اور ناپسند کا جانا جاتا ہے۔ ہر ایک کی پسند مزاج اور نفسیات دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ تربیت کی صورت میں والدین کو اپنے بچوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کو مد نظر رکھنا ہو گا۔ ایک بچہ اگر بات بات پر روٹھ جاتا ہے تو والدین اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ جب وہی بچہ اچھے موڈ میں ہو اسے پیار سے سمجھائیں۔ اس طرح کسی بچے کو جلدی بات سمجھ آتی ہے اور کسی کو بار بار کہنے کے بعد۔ اس لیے تمام بچوں کو ایک بار کہنا ہی کافی نہیں ہو گا۔ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے سامنے ہے آپ ﷺ گفت و شنید میں، نصیحت میں، برتاؤ میں لوگوں کے مراتب اور ان کی منازل کا خیال رکھتے۔ ہر شخص کے مزاج کو مد نظر رکھ کر اس سے بات کرتے۔

مثلاً ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نصیحت کیجیئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ))[77]

ترجمہ: غصہ نہ ہوا کر پس اس نے بار بار سوال دہرایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کر۔

اس حدیث مبارکہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ متعلقہ شخص غصہ زیادہ کرتا تھا اس لیے اس کی طبیعت کو مد نظر رکھ کر آپ ﷺ نے اسے نصیحت کی۔ والدین کے بچے تو ان کے سامنے ہوتے ہیں وہ ان کی نفسیات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اگر بچوں کی نفسیات کے مطابق ان سے برتاؤ کیا جائے تو بچے کبھی بھی نہ بگڑیں۔ مثلاً خریداری کی صورت میں بھی

---

[77] صحیح بخاری ،کتاب الأدب ، بَابُ :الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ :ح6116

والدین بچوں کی نفسیات کے مطابق خریداری کریں جیسے کالا رنگ پسند ہے اسے اس رنگ کے کپڑے دیں اور باقی رنگوں کی افادیت سے بھی اسے آگاہ کریں۔ اگر بچہ غصے والا ہے تو گا ہے بگا ہے اسے غصے کے نقصان کے بارے میں بتائیں اس طرح بچہ خود اسے برا سمجھے گا اور ممکن ہے خود ہی چھوڑ دے۔ یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اپنے بچے کی تربیت میں کون سا اسلوب اپناتے ہیں۔

مذکورہ با لا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ والدین کا کردار اسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے جب وہ ان تمام خوبیوں کو اپنی ذات کے ساتھ متصف کر لیں۔ جو ایک کامیاب انسان کی ذات کا حصہ ہوتی ہیں جیسا کہ زیور تعلیم سے آراستہ ہونا۔ یہ وہ ہنر ہے جس کا بہتر استعمال والدین کو کامیاب اور قابل فخر بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ والدین کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں کو اپنے ساتھ جوڑ کہ رکھیں تاکہ ان کے بچے بڑے ہو کر ان کی اس عادت کو اپنا یئں۔ ساتھ ہی والدین اپنی زندگی سے ناامیدی کو نکال دیں اور حالات سے مقابلہ کریں۔ اپنے سب بچوں سے مساوی سلوک روا رکھیں تاکہ ان کے بچے احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں۔ شادی بیاہ کی صورت میں بچوں کو اپنے ساتھ رکھیں تاکہ وہ محفل کے آداب سے واقف ہو سکیں۔ جو وہ کہیں اس پر خود بھی عمل کریں اس طرح ان کی بات پُر اثر ہو گی۔ جب بھی وہ بچوں سے کوئی بات یا نصیحت کریں تو ان کی نفسیات کو مد نظر رکھ کر کریں تاکہ ان کے الفاظ پتھر کا کام نہ کریں بلکہ ان الفاظ کو بچے ہر لمحہ اپنے ذہن میں رکھیں اور ان سے راہنمائی اور روشنی کا کام لیں۔ یاد رکھیں وہی والدین کامیاب اور بہترین کردار کے حامل ہوتے ہیں جن کے بچے اپنے والدین کو دیکھ کر آگے بڑھتے ہیں اس لیے اپنے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے والدین کو جملہ تمام خوبیاں اپنی ذات میں شامل کرنا ہوں گی۔

باب دوم: بچوں کی تعمیر شخصیت میں تعلیمی اداروں کا کردار اور اثرات

فصل اول: بچوں کی تربیت میں اساتذہ کی شخصیت کا کردار اور اسکے اثرات

فصل دوم: تعمیر شخصیت میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا کردار اور اثرات۔

فصل سوم: تعمیر شخصیت میں تعلیمی اداروں کے کردار کا شماریاتی جائزہ

فصل چہارم: تعلیمی اداروں کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری لائحہ عمل

فصلِ اوّل:

بچوں کی تربیت میں اساتذہ کی شخصیت کا کردار اور اسکے اثرات

بچوں کی تربیت کا مرحلہ ان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بچہ جس ماحول میں آنکھ کھولتا ہے اس ماحول اور اس میں رہنے والے لوگوں کا اس پر بہت اثر ہوتا ہے۔ پیدائش کے فوراً بعد اس کا واسطہ اس کے والدین سے پڑتا ہے وہ والدین کی نقل و حرکات کا بغور مشاہدہ کرتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ وہ نقل و حرکات اس کی عادت بن جاتی ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ انجان آدمی اس سے مل کر اس کی عادات کی وجہ سے اسے پہچان لیتا ہے کہ یہ فلاں سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر وہی بچہ جب سکول جاتا ہے وہ استاد اور کلاس کے بچوں کو دیکھتا ہے تو آہستہ آہستہ ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ یہاں پر اس کی تربیت کا یک نیا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے وہ استاد کی ایک ایک عادت کو دیکھتا ہے اور خود بھی ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے اس بات سے قطع تعلق ہو کر کہ اس عادت سے اسے فائدہ ہو گا کہ نقصان۔ وہ استاد کی ہر بات کو حتمی تصور کرتا ہے اس لیے جب بچوں کی کوئی غلطی نکالی جاتی ہے تو وہ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے استاد نے اسے اس طرح پڑھایا ہے اور یہی اس نے پڑھنا ہے یا اس طرح سکھایا ہے اور یہی اس نے کرنا ہے۔اس کے نزدیک اس کا استاد کبھی کوئی غلطی نہیں کر سکتا در حقیقت استاد کا درجہ بہت اعلیٰ ہے یہ پیغمبری پیشہ ہے آپ ﷺ کی بعثت بھی اس عظیم مقصد کے انجام دہی کے لیے ہوئی آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں ایک فرض کتاب وحکمت کی تعلیم دینا تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ﴾[78]

ترجمہ: البتہ بیشک احسان فرمایا اللہ نے مومنو پر جو بھیجا ان میں رسول ان سے ہی۔ تلاوت کرے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرے ان کو اور سکھائے ان کو کتاب وحکمت۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دینا کرنے کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر معمولی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے احسان نہ کہتے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت کس قدر اعلیٰ وارفع کام ہے آپ ﷺ کی آمد کا مقصد بھی یہی تھا۔

---

[78] سورة آل عمران:164

آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))[79]

ترجمہ: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔

آپ ﷺ کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا آپ ﷺ نے اس کی تکمیل میں دن رات محنت کی۔ یہاں تک کے دور دور سے لوگ آپ ﷺ کی بارگاہ میں علم سیکھنے کی غرض سے آتے اور آپ ﷺ نے اعلیٰ درجے کے مربی اور معلم پیدا کیے۔ الغرض اُستاد ایک چراغ ہے جو اندھیرے میں روشنی کے وجود کا باعث بنتا ہے۔ اُستاد اپنے روّیے سے بچوں میں اپنائیت، محبت، عقیدت، عزتِ نفس اور دوستی، کا پیغام پہنچاتا ہے۔ اُستاد ایک ایسا راہنما ہے جو بچوں کو ان کی معصوم باتوں اور سوالوں سے نکال کر اعلیٰ مقصد کی طرف گامزن کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ رشتے مضبوط کرنا سیکھاتا ہے۔

ہر قوم وملت میں استاد کو اس کے پیشے کی عظمت کی وجہ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے استاد نسل نو کی تعلیم و تربیت کا معمار ہے وہ نہ صرف نسل نو کو علوم وفنون سے متعارف کراتا ہے بلکہ اپنے کردار سے ان کی تربیت بھی کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے اپنے استاد کی تربیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ جیسے ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے ویسے اپنی ذات میں ساری دنیا کو ایک درسگاہ بنانے کی وجہ سے استاد کو روحانی باپ کا درجہ دیا گیا ہے۔ باپ اپنے بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا سیکھاتا ہے اور استاد بچے کو زندگی میں آگے بڑھ کر ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی کاوش اور لگن کی وجہ سے استاد کو انبیاء علیہ السّلام کا وارث کہا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ))[80]

ترجمہ: اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کرام علیہ السّلام کے وارث ہیں۔

---

[79] سنن ابن ماجہ، کتاب مقدمہ، بَابُ : فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، ح224، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[80] سنن ابی داود، کتاب العلم، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، ح3641، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں علماء کرام کو انبیاء کرام علیہ السّلام وارث قرار دیا گیا ہے۔انبیاء کرام علیہ السّلام کا فریضہ جو تھا وہ علماء کرام کے سپرد ہے اب چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے اس لیے اللہ کے پیغام کو انبیاء کرام علیہ السّلام نے آگے پہنچا دیا ہے۔اور اب علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اس پیغام کو آگے لوگوں تک پہنچائیں ۔استاد ہی حقیقت میں عالم ہوتا ہے کیونکہ استاد پڑھا لکھا ہوتا ہے اور اس فرائض کو بخوبی سرانجام دیتا ہے۔علم کی منتقلی کے ساتھ ساتھ تربیت کا کام بھی استاد کرتا ہے۔لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ استاد اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ ہو کیونکہ باکردار و بااخلاق شخصیت ہی بچوں کو باعمل بنا سکتی ہے۔ایک مخلص اور بامروت استاد کی بیش بہا خوبیاں قرآن و حدیث میں درج ہیں۔استاد ان خوبیوں کو اپنی ذات میں شامل کر کے بچوں کی شخصیت کی آبیاری میں اپنا حصہ ادا کر سکتا ہے اس فصل میں استاد کی ان خوبیوں کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا جو بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اخلاص کا پیکر:

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشے سے مخلص ہو طلبہ کی بہتری اور تربیت کا جذبہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔اس کا مقصد بچوں کی اصلاح ہو اس کے لیے وہ پوری نیک نیتی و تندہی سے سرگرم رہے۔والدین کے بعد استاد ہی ہے جو بغیر کسی حرص و لالچ کے بچوں کی تربیت کرتا ہے اس لیے وہ خلوص اور ایمانداری سے اپنے علم کو بچوں میں منتقل کرے تمام بچوں کو ایک جیسا سمجھے اور اپنی نیت کو ان کے لیے صاف رکھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى))[81]

ترجمہ: کہ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

مذکورہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ تعلیم و تربیت کے عمل میں نیت کو صاف و شفاف رکھے دوران تدریس کنجوسی کا مظاہرہ نہ کرے۔بلکہ علم کی منتقلی کے دوران اپنے آپ کو سمندر کی طرح رکھے جس کا پانی سب کے لیے یکساں ہے۔اگر بچے کوئی برا کام کریں تو ان کی اس انداز سے سرزنش کرے کہ وہ آئندہ اس برائی سے گریز کریں یا کوئی واقعہ سنا دے جس سے بچے برائی سے نفرت کرنے لگیں۔معلم اگر بچوں کے برے کاموں کی وجہ سے ان پر تنقید کرے تو وہ وہ تنقید اصلاح کے لیے ہو۔

[81] صحیح بخاری،کتاب الایمان، بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الأَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى ،ح54

مضمون پر عبور:

ایک کامیاب مدرس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے مضمون پر مکمل عبور رکھتا ہو۔ کلاس میں جانے سے پہلے اپنے سبق کو دیکھ لے اس سے مدرس مطمئن، بااعتماد اور پر سکون ہو گا اور سبق کی روانی بھی متاثر نہیں ہو گی۔ دوران تدریس اگر بچے اس سے کوئی سوال کریں گے تو وہ انھیں صحیح جواب دے سکے گا اور مطمئن کر سکے گا۔ اس سے بچے باہمت ہوں گے وہ مزید سوال کریں گے بعض اوقات تدریس میں غلطی یا ابہام کی وجہ سے مفہوم بدل جاتا ہے اور یہ بچوں کے معصوم ذہنوں پر اپنا اثر ثبت کر دیتا ہے۔ اس لیے معلم اس بات کا خیال رکھے کہ اس نے بچوں کے ذہنوں میں آنے والے شکوک و شبہات کو دور کرنا ہے۔ اور ان کے تمام سوالوں کا جواب دے کر انھیں مطمئن اور پر سکون کرنا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب استاد کو اپنے مضمون پر مکمل گرفت ہو گی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ﴾[82]

ترجمہ: اور نہ پیچھے پڑو جس کا تمھیں علم نہیں۔

آیت مبارک میں بھی اس بات کی تاکید کی ہے کہ جو انسان کے علم میں نہ ہو وہ اس کے پیچھے نہ پڑے۔ اس لیے لازم ہے کہ استاد کو اپنے مضمون پر گرفت ہو۔ جو پڑھائے پہلے اس پر مکمل عبور حاصل کر لے اور پورے خلوص و محبت کے ساتھ پڑھائے تاکہ وہ بجا طور پر تربیتی عمل میں موثر ثابت ہو سکے۔

نظم وضبط کا پابند:

نظم و ضبط کا اصول ایک ایسی لگام ہے جو انسان کو اپنی من مانی کرنے سے روکتی ہے ایسا اصول ہے کہ جو اپنی زندگی میں اسے شامل کرتا ہے وہ ناکام نہیں ہوتا۔ کائنات پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح منظم طریقے سے کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ سورج اور چاند اپنے اپنے وقت پہ طلوع اور غروب ہوتے ہیں ایک دوسرے کے مدار میں نہیں آتے۔ نہ رات دن سے پہلے آتی ہے اور نہ دن رات سے پہلے آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا ٱلشَّمْسُ يَنۢبَغِى لَهَآ أَن تُدْرِكَ ٱلْقَمَرَ وَلَا ٱلَّيْلُ سَابِقُ ٱلنَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِى فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴾[83]

---

[82] سورة الاسرا:36

[83] سورة يسين:40

ترجمہ: نہ تو سورج کے لیے ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے۔ سب اپنے اپنے مدار پر تیزی سے تیر رہے ہیں۔

مذکورہ قرآنی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کا نظام بھی منظم طریقے سے چل رہا ہے۔ معلم چونکہ مستقبل کا معمار اور نسل نو کی تربیت کا ضامن ہوتا ہے۔ لہذا نظم وضبط اور وقت کا پابند ہو وقت پر کلاس میں آئے اور وقت پورا ہونے پر اس کو چھوڑے۔ وقت وہ قیمتی دھاگہ ہے جس میں ایک لمحے کی غفلت انسان کو بہت سی مشکلات سے دوچار کر سکتی ۔تاریخ گواہ ہے کہ وہی قومیں اور لوگ کامیاب ہوئے جنھوں نے وقت کی قدر کی اور اس کا استعمال صحیح کیا۔ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کے مقررہ و مخصوص اوقات وقت کی پابندی کی بہترین مثالیں ہیں اس کے علاوہ معلم پر لازم ہے جو اصول وضوابط ادارے کے ہیں ان کی پابندی بھی کرے مثلاً اسمبلی میں آنا، صفائی چیک کرنا وغیرہ۔

باعمل:

معلم بچوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے وہ جس بات کا بچوں کو حکم دیتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس پر وہ خود بھی عمل کرے اگر اس کے قول و فعل میں تضاد ہو گا تو اس کی تربیت بے اثر ہو گی بچوں پر اس کی بات کا اثر اس وقت ہی ہو گا جب وہ خود باعمل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ وَأَنتُمۡ تَتۡلُونَ ٱلۡكِتَٰبَۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ﴾[84]

ترجمہ: کیا حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو خود اپنے کو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ثمَّ ذكر قصَّة رُؤَسَاء الْيَهُود فَقَالَ أَتَأْمُرُونَ النَّاس سفلَة النَّاس بِالْبرِّ بِالتَّوْحِيدِ وَاتِّبَاع مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ تتركون أَنفسكُم فَلَا تتبعونه وَأَنْتُمْ تتلون تقرءون الْكتاب عَلَيْهِم أَفَلاَ تَعْقِلُونَ فَلَيْسَ لكم ذهن الإنسانية"[85]

ترجمہ: پھر انہوں نے یہود کے رئیسوں کا قصہ ذکر کیا اور کہا تم عام لوگوں کو توحید، اتباع محمدی اور نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو چھوڑ دیتے ہو اور تم اس کی اتباع نہیں کرتے۔ حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب۔ تمھارے پاس انسان کا ذہن نہیں ہے۔

---

[84] سورة البقره:44

[85] تنوير المقباس من تفسير ابن عباس،عبد الله بن عباس ،جمعه: مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادى ،دار الكتب العلمية لبنان،1992ء،8/1

آیت کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور خود کو نظر انداز کرنا یہودیوں کی عادت تھی جیسے یہودیوں کی روساء باقی لوگوں کے لیے نمونہ تھے۔اسی طرح استاد بچوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے وہ اس کی ہر عادت کو اپنا کر اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ معلم اگر باعمل ہو گا تو اس کا اثر بچوں میں نظر آئے گا مثلاً اگر سچ بولنے کا کہتا ہے تو خود اپنے عمل سے ثابت کرے نماز کا حکم دیتا ہے تو خود نمازی ہو معلم اعظم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے صحابہ کرام کو نماز کا حکم دیا تو خود ان کے سامنے نماز ادا کی۔

آپ ﷺ فرمایا:

((وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي))[86]

ترجمہ: اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو انسان خود کرے اس کا حکم ہی دوسروں کو بھی دے آپ ﷺ نے نہ صرف اللہ کا پیغام احسن طریقے سے پہنچایا بلکہ اس پر عمل کر کے ایک لا جواب مثال قائم کی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اس لیے محفوظ ہے کہ آپ ﷺ باعمل انسان تھے آپ ﷺ نے جس بات کا حکم دیا پہلے خود اسے اپنی ذات کا حصہ بنایا۔اگر معلم دیرپا اثرات کا متمنی ہے تو باعمل ہونا ہو گا تاکہ اس کے بچے بھی اس کی باتوں سے مستفید ہو سکیں۔

مشفقانہ رویہ :

معلم کے لیے لازم ہے کہ وہ بچوں سے پیار و محبت سے پیش آئے بچے معصوم ہوتے ہیں ابھی گھر کے ماحول سے نکلے ہوتے ہیں۔اگر معلم پیار و محبت کا رویہ روا رکھے گا تو بچے اس ماحول سے جلد مانوس ہو جائیں گے اور جلد استاد کی بات پر عمل کریں گے۔وہی بچے جلدی سیکھتے ہیں جنھیں پیار سے پڑھایا جاتا ہے۔پیار سے کہی گئی بات کا اثر غصے میں کہی گئی بات کی نسبت کہیں گنا زیادہ اور جلدی ہوتا ہے آپ ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ کے مشفقانہ رویے نے کایا پلٹ کر رکھ دی اور غیر مسلم بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کو سراہے بنا رہ نہ سکے۔

قرآن میں ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ﴾[87]

---

[86] صحیح بخاری ،کتاب الأدب، بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ، ح 6008

[87] سورة آل عمران **:159**

ترجمہ: تو اللہ کی رحمت ہی کا سبب ہے کہ تم نرم دل ہوئے ان کے لیے، اور اگر ہوتے تم طبیعت کے تند اور دل کے سخت، ضرور وہ سب ادھر ادھر ہو جاتے۔ علاالدینؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ومعنى فبما رحمة من الله هو توفيق الله عز وجل نبيه محمدا صلّى الله عليه وسلّم للرفق والتلطف بهم وإن الله تعالى ألقى في قلب نبيه صلّى الله عليه وسلّم داعية الرحمة واللطف حتى فعل ذلك معهم وَلَوْ كُنْتَ فَظًّايعني جافيا غَلِيظَ الْقَلْبِ يعني قاسي القلب سيئ الخلق قليل الاحتمال لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ أي لنفروا عنك وتفرقوا"[88]

ترجمہ: اور اللہ کی رحمت سے مراد نبی پاک ﷺ کو نرمی اور شفقت کی توفیق دینا، اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دل میں رحمت اور نرمی کا داعیہ القا کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا۔ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ احتمال تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے دور ہو جاتے اور بکھر جاتے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ جب کسی سے بات کرو تو نرمی سے اپنی بات سمجھاؤ ورنہ تماری سختی کی وجہ سے لوگ تم سے متنفر ہو جائیں گے۔ استاد نے بھی بچوں کو اکٹھا کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ نرمی کا رویہّ رکھے تاکہ بچے اس سے متنفر نہ ہوں۔ بحیثیت معلم آپ ﷺ کے رویے کو حضرت معاویہ بن حاکم سلمی رضی اللہ عنہ نے بڑے حسین انداز میں بیان کیا:

((فَبِأَبِي هو وأُمِّي، ما رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ ولَا بَعْدَهُ أحْسَنَ تَعْلِيمًا منه، فَوَاللَّهِ، ما كَهَرَنِي ولَا ضَرَبَنِي ولَا شَتَمَنِي))[89]

ترجمہ: میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں میں نے آپ ﷺ جیسا بہترین تعلیم دینے والا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں اللہ کی قسم نہ آپ ﷺ نے جھڑکا، نہ مارا، نہ ہی گالی دی۔

آپ ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے طلبہ کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک روا رکھا۔ یہ پیار و محبت کا ہی اثر تھا کہ انتہائی کم عرصے میں آپ ﷺ نے احکام الہیٰ کا پرچار کیا اور دشمنوں کو بھی زیر کر دیا۔ آج کے استاد کو بھی چاہیے کے پیار و محبت سے پیش آئے تاکہ یہ سنت بچوں میں ابدی عادت بن جائے۔

---

[88] لباب التأويل في معاني التنزيل(تفسير الخازن)، علاء الدين علي بن محمد ، ، دار الكتب العلمية‌بيروت،الطبعة: الأولى - 1415 ھ،311/1

[89] صحيح مسلم،كتاب المساجد وامواضع الصلوٰة،بَابُ تَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ، وَنَسْخِ مَا كَانَ مِنْ إِبَاحَتِهِ،ح :537

ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنا:

معلم گفتگو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ جو بات وہ کر رہا ہے وہ بچوں کو سمجھ آئے۔ کیونکہ بچے اپنے استاد کی بات کو ہی حتمی تصور کرتے ہیں اور ابھی ابھی سیکھنے کا آغاز کرتے ہیں۔ لہذا معلم اپنے سبق کو اتنا آسان کر کے پیش کرے کہ بچے میں شوق، لگن اور دلچسپی کا اضافہ ہو۔ان سے ایسی بات نہ کی جائے جو ان کے ذہنی سطح سے آگے کی ہو اس سے انھیں بات سمجھ بھی نہیں آئے گی اور ان کی دلچسپی میں بھی کمی واقع ہو گی نتیجتاً وہ بیزار ہو جایئں گے۔ آپ ﷺ گفتگو کے دوران آسان سے آسان الفاظ کا استعمال کرتے تاکہ ہر شخص علم وحکمت کے موتی کو سمیٹ سکے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً))[90]

ترجمہ: کہ جب تم قوم سے ایسی باتیں بیان کروگے جہاں ان کی عقول نہ پہنچ سکیں تو کچھ کے لیے یہ فتنہ کا باعث بن جائے گی۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ بات نہ کی جائے جو عقل تک نہ پہنچ سکے اس طرح وہ گمراہ ہو جائیں گے اس لئے ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق بات کرنی چاہئے۔ حدیث مبارکہ میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کے سامنے والے کے ذہن کو مدنظر رکھ کر ان سے بات کرنی چاہیے اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ گمراہ و سرکش ہو جایئں گے۔ استاد نے بچوں کے معصوم ذہنوں کو دیکھنا ہے اگر بچوں سے سیاست کی بات شروع کر دیں تو وہ کبھی دلچسپی نہیں لیں گے۔ انھیں ان کا سبق بھی آسان الفاظ میں اور کہانی کی صورت میں پڑھانا ہے تاکہ وہ متنفر نہ ہوں اور سبق بھی ذہن نشین ہو جائے۔

نصیحت کرنا:

ایک حقیقت پسند معلم کے لیے ضروری ہے کہ قدم قدم پر بچوں کی راہنمائی کرے۔ انھیں گاہے بگاہے اپنے پند و نصائح سے نوازتا رہے۔ دوران تدریس وہ کوئی سبق آموز واقعہ اور ناصحہ الفاظ کا استعمال کرتا رہے۔ ایسی نصیحت کرے جس پر وہ عمل کر سکیں اور بچے اسے اپنی ذات کا حصہ بنا سکیں۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرتا ہے اے محمد ﷺ مجھے کوئی نصیحت کیجیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَغْضَبْ"فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ))[91]

---

[90] صحیح مسلم، مقد مہ، باب ، النھی عن الحدیث بکل ما سمع، ح12

[91] صحیح بخاری ،کتاب الأدب ، بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ :ح6116

ترجمہ: غصہ نہ ہوا کر پس اس نے بار بار سوال کیا فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کر۔

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ انسان کی شخصیت کو مد نظر رکھ کر نصیحت فرماتے کیونکہ جس انسان کو آپ ﷺ نے غصہ کرنے سے منع کیا وہ غصہ زیادہ کرتا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کی نفسیات کے مد نظر رکھا پھر اسے نصیحت کی۔ معلم بھی بچوں کی نفسیات اور طبیعت کو مد نظر رکھ کر نصیحت کرے اور واقعات حال واحوال کے مطابق بیان کرے۔ اس سے ایک تو بچوں کا تجسّس بڑھے گا اور وہ اپنے درس میں دلچسپی ظاہر کریں گے دوسرا اس واقعہ کے مثبت نتائج سے واقفیت کے بعد بچے اسے اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور منفی نتائج کی صورت میں اس سے اعراض کریں گے۔

تحمل اور بردباری:

استاد کو چاہیے کہ اگر بچے کلاس میں کوئی شرارت کرتے ہیں تو ان پر غصہ کرنے کے بجائے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے۔ پیار و محبت سے بچوں کو سمجھائے بعض اوقات معلم ضرورت سے زیادہ امید بچوں سے وابستہ کرلیتا ہے اور پوری نہ ہونے کی صورت میں نفرت اور غصے کا اظہار کرتا ہے۔ معلم کو سمجھنا چاہیے کہ سب بچے ذہانت کے مالک نہیں ہوتے ہر بچہ اپنے رجحان کے مطابق سیکھتا ہے سر جیمس[92] اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"Some students prefer "just the facts" while others want to hear a narrative, and then there are others with completely different learning styles and communication needs. Effective teachers carefully consider their audience when delivering a message. They observe reactions and decide how best to get their point across to different individuals"[93].

(کچھ طلبا محض حقائق کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ دوسرے ایک داستان سننے کے خواہاں ہوتے ہیں، اور پھر کچھ ایسے ہوتے ہیں جن میں سیکھنے کے مختلف اسلوب اور مواصلات کی ضروریات ہوتی ہیں۔ مؤثر اساتذہ پیغام پہنچاتے وقت اپنے سامعین پر

---

[92] JAMES H strong 1822ء میں نیویارک میں پیدا ہوا اور 1894 میں فوت ہوا، اسنے 19 کتابیں اور 90 سے زائد آرٹیکل لکھے ہیں۔ جیمس نے الباما یونیورسٹی سے Educational administration and planning میں PHD کی۔
https://wmpeople.wm.edu/site/page/jhstro/home-17 dec 2020

[93] Qualities of effective Teacher,James H.Stronge, Alexandria, Virginia USA,2004.P/9

دھیان سے غور کرتے ہیں۔ وہ ردعمل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ کس حد تک مختلف لوگوں سے بہتر انداز میں اپنی بات حاصل کریں)

اور بچوں کی غلطیاں ان کے لیے وہ تجربات ہوتے ہیں جن سے وہ بہت کچھ سیکھتے ہیں اس لیے وہ طلبہ کے سوالوں پر غصہ کرنے کے بجائے اطمینان سے جواب دیں۔ بچوں سے سخت کلامی کرنے سے گریز کرے نہ صرف بچوں سے بلکہ دیگر معلمین اور باقی جملہ ارکان کے ساتھ بھی اپنا رویہ اچھا رکھیں۔ ان کے تلخ کلمات یا جملوں اور پابندیوں پر رونے دھونے کے بجائے صبر کا اظہار کریں۔ اس سے یہ ہوگا کہ سب اس سے متاثر ہوں گے اور بچوں کا بھی محبوب نظر بن جائے گا۔

دل شکنی سے گریز:

معلم کے لیے لازم ہے کہ وہ ناپسندیدہ اور دل شکنی والے الفاظ سے گریز کرے۔ اگر بچے کوئی اچھا کام کریں تو ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرے اور بچوں کے لیے اچھی زبان اور بہترین الفاظ استعمال کرے۔

جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾[94]

ترجمہ: اور یہ کہ لوگوں سے اچھی بات کہو۔

آیت سے ظاہر ہوا کہ دل شکنی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس لیے واضح کہہ دیا کہ اچھے الفاظ میں دوسروں سے بات کرو تاکہ تماری بات پر اثر ہو۔ استاد بھی اس بات کو مد نظر رکھے کہ بچوں کی بھی عزت نفس ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی دل آزاری سے گریز کرے ۔ سوال و جواب کے دوران درست جواب ملنے کی صورت میں باقی بچوں سے تالیاں بجوائے تاکہ اس داد رسی کو دیکھ کر ہر کوئی درست جواب دینے کی کوشش کرے۔ اگر کسی بچے کا جواب صحیح نہیں بھی ہے تب بھی اس کی سرزنش نہ کرے اس طرح سے وہ بچہ پھر کلاس میں جوان دینے سے گریز کرے گا اور ایذا کی صورت میں اس کے حوصلے پست ہو جایئں گے۔ استاد نے بچوں کو بااعتماد اور حوصلہ مند بنانا ہے اس لیے وہ ان کی دل شکنی سے گریز کرے۔ اس بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ،))[95]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔

---

[94] سورة البقره:83

[95] صحیح بخاری ،کتاب الإیمان، بَابُ :الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ح 10

حدیث ثابت کرتی ہے کہ بحیثیت مسلم معلم کے بچوں کو نہ ہی زدو کوب کیا جائے اور نہ ہی لعن طعن۔ کیونکہ معلم اگر بچوں کی ایذار سانی سے گریز کرے گا تو بچے اس کے کردار کو اپنا کر کسی کی اذیت کا باعث نہیں بنیں گے۔اس لیے بری عادت سے بچوں کو اگر بچانا ہے تو پہلے اسے اپنی ذات سے الگ کرنا ہوگا اور یہ ایک معلم باآسانی کر سکتا ہے کیونکہ وہ بچوں کی اچھی تربیت کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔

درجہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ استاد بچوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے وہ نہ صرف بچوں کو علم سے سرفراز فرماتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی کرتا ہے اس کی اپنی شخصیت کا اثر بھی بچوں پر ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں ان خوبیوں کو شامل کرے جن کو اپنا کر بچے کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔مثلاً استاد کو چاہیے کہ وہ پر خلوص اور مخلص ہو کر اپنے علم کو بچوں میں منتقل کرے۔ صاف و شفاف نیت سے ان کی تربیت کرے تاکہ اس خوبی کو بچے بھی اپنائیں۔ استاد کے لیے لازمی ہے کہ وہ منظم طریقے سے ہر کام کرے وقت کی پابندی کرے کیونکہ وہی لوگ کامیاب ہیں جھنوں نے وقت کی قدر کی بچوں کو کامیاب بنانے کے لیے انھیں بھی وقت کی اہمیت سے آگاہ کرے ۔اور جس بات کا انھیں حکم دے پہلے اسے اپنی ذات میں شامل کرے تاکہ اس کی بات پر اثر ہو۔پیار و محبت سے ان کی تربیت کرے تاکہ اس کی اس خوبی کو بچے اپنی ذات میں ہمیشہ کے لیے شامل کر لیں اور دشمنوں کو بھی زیر کر لیں۔استاد کو چاہیے کہ بچوں کی تربیت کے مراحل میں بار بار نصیحت کرے تاکہ غلطی کا امکان کم ہو اور ان کی دل شکنی سے گریز کرے کیونکہ یہی بچے مستقبل کے معمار ہیں۔ آج کر استاد بچوں کی دل شکنی کرے گا تو کل یہی بچے بہت سے لوگوں کی دل آزاری کا باعث بنیں گے۔

فصلِ دوم:

تعمیر شخصیت میں نصابی و غیر نصابی سر گرمیوں کا کردار اور اثرات

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ انسانی بقا اور معاشرتی فلاح کے لیے ایک باصلاحیت اور ذمہ دار فرد کا ہونا ضروری ہے۔ وقت پیدائش سے ہی انسان کو ذمہ دار فرد بننے کے لیے اعلیٰ درجے کی نشوونما کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ پیدائش کے وقت وہ ایک خام مال کی طرح ہوتا ہے سمجھ بوجھ سے عاری ہوتا ہے۔ اس وقت انسان کی ایسی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے نکھار سکے۔ اور ایسی سر گرمیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اسے پختہ اور باصلاحیت بنا سکیں۔ اس کی جسمانی اور ذہنی نشوونما اسے قوی اور طاقت ور بناتی ہے۔ کم عمری میں بچوں پر باتوں کا اثر کم اور انسان کے عوامل وافعال کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ بچے کھیل میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان کی نشوونما بھی کھیل کھیل میں کی جائے۔ کیونکہ کھیل انسان کو مضبوط اور آنے والے وقت کے لیے تیار کرتے ہیں ماضی میں بھی ان کے آثار ملتے ہیں۔

رسول پاک ﷺ نے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

((عَلِّمُوا أَبْنَاءَكُمُ السِّبَاحَةَ وَالرَّمْيَ)) [96]

ترجمہ: اپنے بچوں کو تیر اندازی، تیراکی سکھاؤ۔

آپ ﷺ نے بچوں کے لیے ان کھیلوں کا انتخاب کیا کیونکہ ان سے بچوں کے اعصاب قوی ہوتے ہیں۔ جسم طاقتور ہوتا ہے۔ خود اعتمادی بڑھتی ہے۔ والدین اپنے بچوں کی نشوونما کے لیے ایسے اقدام لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی ادارے بھی بچوں کی تربیت اور نشوونما میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انھیں چاہیے کہ دور حاضر کے رجحانات کو مد نظر رکھ کر ایسا نصاب ترتیب دیں جو بچوں کی ذہنی، عقلی معاشرتی اور اخلاقی نشوونما میں معاون ثابت ہو۔ ایسی سر گرمیوں کو نصاب میں شامل کریں جو ان کی جسمانی نشوونما میں مددگار ہوں اور یہ نصاب اور سر گرمیاں انھیں مستقبل کے لیے تیار کر سکیں۔ ذیل میں نصابی اور غیر نصابی سر گرمیوں کا معنیٰ و مفہوم، امثال اور بچوں کی شخصیت پر ان کے کردار اور اثرات کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

---

96 شعب الایمان، باب،، باب، حقوق اولاد والاھلین ، ح8297، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

نصابی سر گرمیاں: معنیٰ و مفہوم:

نصابی لفظ نصاب سے ہے اور The Heritage Illustrated Dictionary of the English languageمیں نصاب کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"All the courses of study offerd by an educational institution".[97]

"تعلیم کا تمام نصاب جو کسی تعلیمی ادارے کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے"

Oxford Advanced Learner's Dictionary کے مطابق نصاب سے مراد:

"The subjects included in a course of study or taught at a particular school, colleges, etc"[98]

"وہ مضامین جو کسی کورس میں شامل تھے یا کسی خاص سکول، کالج وغیرہ میں پڑھائے جاتے ہیں"

اور اسی لغت میں سر گرمی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"Activity: Energetic action or movement"[99]

"توانائی کا عمل یا حرکت"

جبکہ قاموس اصطلاحات میں سر گرمی کا لغوی معنیٰ اس انداز میں کیا گیا ہے

"سر گرمی، عاملیت، مصروفیت، حرکت، فعلیت"[100]

درجہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ نصاب وہ ہو گا جو با قاعدہ کسی ادارے میں پڑھایا جاتا ہے اور اس میں تمام مضامین شامل ہوں گے۔ جبکہ سر گرمی سے مراد وہ عامل جو انسان کو مصروف رکھے۔اسے حرکت میں رکھے۔اس نصابی سر گرمیوں سے مراد وہ افعال و عوامل ہوں گئے جو طلباء کو سر گرم رکھیں گے مثلاً نصاب کلاس، کلاس ٹیسٹ، امتحانات، سوال و جواب وغیرہ۔

غیر نصابی سر گرمیاں: معنیٰ و مفہوم:

UKمیں پیش کیے گئے ایک مقالے میں 'extracurricular activities' کی تعریف اس طرح کی گئ ہے۔ .

---

[97] The Heritage Illustrated Dictionary of the English language,p324

[98] Oxford Advanced Learner's Dictionary,P287

[99] Ibid;p13

[100] قاموس اصطلاحات، ص10

"The term ‘extracurricular activities’ refers to activity that take place outside of the regular school curriculum."[101]

"غیر نصابی سر گرمیوں سے مراد وہ ہیں جو باقاعدہ سکول نصاب سے باہر ہوتی ہیں"

Elbert k[102] نیویارک سے اپنی کتاب "extra curricular activities in secondary school" کو ہم نصابی سر گرمیاں قرار دیتے ہوئے تعریف میں لکھتے ہیں:

"In addition to the name "extra-curricular activities," many other names have been used, such as: "extra-curriculum"co-curricular,"extra-class, "collateral student activities," and so on. "Extra-curricular activities" is most often used"[103]

(غیر نصابی سر گرمیوں کے نام کی جگہ اور بھی بہت سے نام استعمال کیے گئے ہیں، جیسے اضافی نصاب، شریک نصاب، اضافی کلاس، اجتماعی طلباء کی سر گرمیاں وغیرہ، غیر نصابی سر گرمیاں عموما استعمال ہوتا ہے۔)

درجہ بالا تعریفات سے ثابت ہوا کہ غیر نصابی سر گرمی کو ہم نصابی، اجتماعی، اضافی، طبقاتی اور طلباء کی سر گرمیاں بھی کہا جاتا ہے۔ جن سے مراد وہ تمام سر گرمیاں جو نصاب سے باہر ہوتی ہیں۔ لیکن ان سے نصاب کو تقویت ملتی ہے۔ جیسے اسمبلی، کرکٹ، فٹبال، سیر و تفریح، تقاریری مقابلے، مباحثے، دوڑ کے مقابلے، کلرڈے وغیرہ۔

نصابی اور غیر نصابی سر گرمیوں میں فرق:

بمبئی میں ایم، فل کے مقالے میں نصابی اور غیر نصابی سر گرمیوں کے فرق کو یوں بیان کیا گیا۔

- "Curricular Education is formal and co-curricular activities is in formal.

---

[101]Extra curricular activities and students performance in secondary school government and private schools,Singh Annu 1 & Mishra Sunita2, International Journal of Sociology and Anthropology Research Published By European Centre For Research Training And Development UK, Vol.1, No.1, , March 2015,

[102]البرٹ 1878ء میں پیدا ہوا اور 1962ء میں فوت ہوا۔ غیر نصابی سر گرمیوں کا بانی تھا۔ اسے Chief Scout. کے خطاب سے نوازا گیا۔(https://peoplepill.com/people/elbert-k-fretwell 13،11،2020،)

[103] Extra curricular activities in secondary school, Elbert K Fretwell,Houghton Mifflin company New York,p30

- Curricular Education involves classroom teaching, instructional education,examination, evaluation and

Co Curricular Activities encompasis singing, dancing, gardening, community work, games etc

- Curricular Education comprises reading books, going through newspapers and journals. Co Curricular Activities known for telling stories, singing, etc..
- In Curricular Education, students spend their time in laboratory, workshop or doing important assignments for class work.In Co CurricularActivities,students perform work such as cleaning road, school and college gardening, painting, creative art and so on."[104]

"نصاب تعلیم رسمی جبکہ ہم نصابی سر گرمیاں غیر رسمی ہوتی ہیں۔

نصاب تعلیم میں کمرہ جماعت کی تعلیم،تدریسی تعلیم،امتحان ،جائزہ جبکہ ہم نصابی میں گانے رقص، باغبانی، معاشرتی کام اور کھیل شامل ہیں۔

نصاب تعلیم کتابیں،اخبارات اور جرائد پڑھنے پر زور دیتا ہے جبکہ ہم نصابی کہانیاں سنانے اور گانوں کے نام سے پہچانی جاتی ہے

نصاب تعلیم میں طلباء اپنا وقت لیبارٹری،ورکشاپ یا کمرہ جماعت کے لیے اہم اسائنمنٹ میں صرف کرتے ہیں جبکہ ہم نصابی میں طلبہ سڑک کی صفائی،اسکول اور کالج کی باغبانی، مصوری، تخلیق فن پر کام کرتے ہیں"

اسی مقالے میں لکھا گیا ہے کہ:

"It is recognized that an activity may be curricular in one school and extra-curricular in another, and the reverse. There are many examples, such as de-bating, dramatics, school publications".[105]

[104] Impact of co-curricular activitieson the non academic development of junior college students, Bharati Rajendra Dhameher(Mphil), D. Y. Patil University, Navi Mumbai. 2014,p55

[105] Ibid,

"یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک سر گرمی ایک سکول میں نصابی اور دوسرے میں غیر نصابی ہو سکتی ہے۔ یا اس کے بر عکس۔ جیسے مباحثہ، ڈرامائی، اسکول اشاعت"

مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ بہت سی سر گرمیاں رسمی بھی ہوتی ہیں اور غیر رسمی بھی اور جو سر گرمی بھی کسی سکول میں رسمی اور باقاعدہ ہوتی ہے وہ اس ادارے کے نصابی سر گرمی ہو گی علاوہ ازیں اسے غیر نصابی شمار کیا جائے گا۔

ہم نصابی سر گرمیوں کی تاریخ:

ہم نصابی سر گرمیوں کی تاریخ پرانی ہے

خوشنما بنت وزیر اپنی کتاب عکس تعلیم میں لکھتی ہیں:

"ہم نصابی سر گرمیوں کی تحریک کے بانی ڈاکٹر البرٹ ہیں۔ 1919ء میں کولمبیا[106] میں پہلا ہم نصابی کورس ہوا۔ اور 1936ء میں پہلی کتاب شائع کی گئی۔ اور پھر یہ سر گرمیاں نصاب کا ایک لازمی حصہ قرار دی گئی۔"[107]

یہی مصنفہ پاکستان میں ان سر گرمیوں کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"پاکستان میں اور 1980ء کی تعلیمی پالیسی میں غیر نصابی سر گرمیوں کو نصاب کا حصہ سمجھ کر انہیں ہم نصابی یا معاون نصابی سر گرمیوں کا نام دیا گیا"[108]

مصنفہ کے نزدیک سر گرمیوں کا آغاز کولمبیا میں 1919 میں اور پاکستان میں 1980ء میں ہوا ہے لیکن اس سے یہ نہیں مان سکتے کہ ان کا عمل پہلے نہیں تھا۔ یہ سر گرمیاں پہلے بھی فعال تھی لیکن انہیں غیر نصابی مان کر توجہ نہیں دی گئی ۔ والدین اور اساتذہ انہیں فالتو سمجھ کر بچوں کو اس سے دور رکھتے تھے لیکن بچوں کو اکتایا ہوا دیکھ کر اور ان کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے ان سر گرمیوں کو 1919 ء میں باقاعدہ ہم نصابی قرار دیا گیا۔

---

[106] براعظم جنوبی امریکہ کے مشرق میں واقع ہے۔ شمالی مغربی اس کی سرحد پانامہ سے،، شمال میں بحیرہ کیریبین، مشرق میں وینزویلا اور برازیل، جنوب میں ایکواڈور اور پیرو اور مغرب میں بحرالکاہل واقع ہیں

https://ur.wikipedia.org/wiki/کولمبیا 20 november 2020۔

[107] عکس تعلیم، خوشنما بنت وزیر، سردار پبلیکیشنز کراچی، 1997ء، ص236

[108] ایضا ص264

بچوں کی شخصیت پر نصابی اور غیر نصابی سر گرمیوں کا کردار اور اثرات

بچے نرم و نازک اور معصوم ہونے کی وجہ سے ہر چیز سے جلد متاثر ہوتے ہیں چونکہ وہ کورے کاغذ کی مانند ہوتے ہیں۔ اور ارد گرد رونما ہونے والی تبدیلیوں اور حالات و واقعات ان کی شخصیت کو بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ان کا ذہن جلد ہی ان کے کردار اور اثرات کو قبول کرلیتا ہے۔ جس طرح ارد گرد کی ہر چیز ان پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح نصابی سر گرمیاں ہوں یا غیر نصابی دونوں کا بچوں پر اثر ہوتا ہے۔ماہرین تعلیم کا ماننا ہے کہ تعلیم و تربیت میں صرف کلاس ہی نہیں بلکہ لیبارٹری، ورکشاپ، اسمبلی اور کھیل کے میدان بھی شامل ہیں۔ بچے ایک طرح کے ماحول سے اکتا جاتے ہیں اگر انھیں تدریس میں دوستانہ ،گھر والا اور کھیل کا ماحول دیا جائے تو وہ زیادہ پر جوش ہوتے ہیں ۔ کھیلوں کے ذریعے سے وہ بے شمار خوبیوں سے متصف بھی ہوتے ہیں۔ نصابی اور غیر نصابی سر گرمیاں دونوں ہی اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہیں اور ان سر گرمیوں کی وجہ سے بچوں پر بہت سے اثرات نمودار ہوتے ہیں۔ جن میں چند اہم ذیل میں ہیں۔

اشتراک و تعاون:

دنیا میں کوئی بھی انسان خود کفیل نہیں ہے اتحاد و تعاون سے گزاری گئی زندگی خوبصورت، آسان اور پر سکون ہوتی ہے۔ وہی لوگ کامیاب و کامراں ہوتے ہیں جو باہم مل جل کر کام کرتے ہیں دوسروں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ مل جل کر رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰ﴾ [109]

ترجمہ: نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

مستقبل میں کامیابی سے ہم کنار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو بھی اس کی عادت ڈالی جائے یہ کام ایک ادارہ بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ کیونکہ اچھے اداروں میں بہت سی نصابی اور غیر نصابی سر گرمیاں ایسی ہیں جن میں بچے باہم مل جل کر رہتے ہیں جیسے اسمبلی، سیر و سیاحت، کرکٹ اور فٹبال ۔ان میں بچے ایک ساتھ رہتے ہیں ،ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں جس سے ان میں تعاون واشتراک قائم ہوتا ہے کچھ بچے باہم مل کر اسمبلی کرتے ہیں۔ کرکٹ میں ایک ذمہ دار کی بات مان کر خود کو اس کے تابع کرتے ہیں ایسے میں تعاون تو کرتے ہی ہیں ساتھ میں اطاعت جیسی خوبی سے بھی واقف ہو

[109] سورة المائده :2

جاتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو دوسروں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور وقت آنے پر کسی کی اطاعت کرنے سے بھی نہیں گھبراتے۔ایک بہتر ادارے کی سر گرمیاں ہی بچوں میں یہ صفات متعارف کراتی ہیں۔

اخوت و بھائی چارہ:

اخوت و بھائی چارے کا وصف ایسا ہے جس کی تاکید خود رسول اللہ ﷺ نے کی۔ وہ قبائل جو ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے بھائی بھائی بن گئے آپ ﷺ نے مواخات مدینہ کی ایسی مثال پیش کی جو رہتی دنیا تک ناقابل فراموش ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ))[110]

ترجمہ: جب ہم مدینہ منورہ آئے تو آنحضور ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارگی کرائی تھی۔

آپ ﷺ نے مدینے کے انصار و مہاجرین مکہ میں اخوت کا رشتہ قائم کیا اور ان کی ایسی تربیت کی کہ آخر تک یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔آپ ﷺ جانتے تھے ایک بھائی ہی دکھ اور سکھ میں بھائی کا ساتھ دیتا ہے۔آج تعلیمی اداروں میں بہت سی سر گرمیاں ایسی ہیں جن میں اخوت و بھائی چارے کی جھلک نظر آتی ہے۔ نصابی اور غیر نصابی سر گرمیاں بچوں کو آپ ﷺ کی سنت کا پابند بنا رہی ہیں۔بہت سے ایسے کھیل ہیں جن میں بچے ایک دوسرے کو ساتھ دیتے ہیں۔ کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال میں بچے دو جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں کھیل کھیل میں اپنی جماعت پر آنے والے چیلنجز کو ہر بچہ اپنی مصیبت تصور کرتا ہے اور اس کے حل کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرتا ہے۔ایسے میں وہ اخوت کی اس لڑی میں پروئے جاتے ہیں جس کی تعلیم آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے دی تھی۔ یہ تعلیمی اداروں کی سر گرمیوں کو اثر ہی ہے کہ بچے معصوم ذہن اور سوچ کے باوجود اپنے بھائی کی مدد کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

نفسیاتی تقاضوں کی تکمیل:

بچے گروہ کی صورت میں رہنا پسند کرتے ہیں وہ دوسروں تک اپنے خیالات پہچانا چاہتے ہیں وہ قید میں نہیں آزاد رہنے کو پسند کرتے ہیں۔اچھلنا کودنا چاہتے ہیں۔ہر وقت پڑھنے سے اکتا ہو جاتے ہیں۔ تفریح چاہتے ہیں دوسروں کو، اپنے بڑوں کو حکمرانی کرتے دیکھ کر وہ بھی چاہتے ہیں کہ کسی کو حکم دیں اور کوئی ہو جو ان کی اطاعت کرے۔ یہ سب ان کی وہ معصوم خواہشیں ہیں جو تعلیمی اداروں کی غیر نصابی سر گرمیاں پورا کرتی ہیں۔ سکول میں انھیں وہ گروہ مل جاتا جس کے وہ

---

[110] صحیح بخاری، کتاب الأدب، بَابُ الإِخَاءِ وَالحِلْفِ، ح:6082

خواہش مند تھے۔ تقاریر سے وہ اپنے خیالات دوسروں تک پہچاتے ہیں۔ان سرگرمیوں میں وہ بلکل آزاد ہوتے ہیں کلاس کا مانیٹر یا کرکٹ کا کپتان بن کر وہ باقی طلباء کی راہنمائی کرتے ہیں۔ یہ سب ان کی وہ نفسیاتی خواہشیں ہیں جو تعلیمی اداروں میں پوری ہوتی ہیں۔

نظم وضبط کا قیام:

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز کے بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز منظم طریقے سے چل رہی ہے۔اور اس کا نظم اسے مزید خوبصورت بنادیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا ٱلشَّمۡسُ يَنۢبَغِي لَهَآ أَن تُدۡرِكَ ٱلۡقَمَرَ وَلَا ٱلَّيۡلُ سَابِقُ ٱلنَّهَارِۚ وَكُلّٞ فِي فَلَكٖ يَسۡبَحُونَ﴾[111]

ترجمہ: نہ تو سورج سے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے۔سب اپنے اپنے مدار پر تیزی سے تیر رہے ہیں۔

قرآنی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نظم وضبط نے ان کی خوبصورتی کو کم نہیں کیا۔اور اللہ نے بھی اس قانون کو پسند کیا ہے۔آج بھی نظم و ضبط کے وصف سے جو متعارف ہوتا ہے وہ ناکام نہیں ہوتا اور جہاں تعلیمی ادارے بچوں اعلیٰ صفات کا حامل بناتے ہیں وہاں اس وصف سے بھی تعلیمی ادارے بچوں کو متعارف کراتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں بچوں کو نظم و ضبط کا پابند کرتی ہیں۔بہت سی سرگرمیاں ایسی ہیں جن میں حصہ لینے سے بچوں کے پاس فارغ وقت نہیں بچتاوہ شرارتوں سے دور ہو جاتے ہیں ان کے کام میں ترتیب آجاتی ہے۔ان کی زائد توانائی کا استعمال ہوتا ہے وہ کھیل کے تمام قواعد وضوابط کو پورا کرتے ہیں سیر و تفریح پر روانہ ہونے سے پہلے بنائے گئے اصولوں پر کاربند رہتے ہیں۔وقت پر کھیل کے میدان میں آتے ہیں اس طرح وقت کی پابندی کی عادت بچوں میں مستحکم ہوتی ہے۔

منیر احمد خلیلی تعلیمی ادارے کی سرگرمیوں کے کردار اور اثرات کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"کسی بھی تعلیمی ادارے کی غیر تدریسی سرگرمیوں سے اس کا امتیازی نشان اور لائق فخر سامان بننے والی ثقافت منعکس ہوتی ہے۔ان سرگرمیوں کا رنگ دیکھ کر ان پر متشکل ہونے والے کلچر کو قیاس کرنا

[111] سورۃ یسین:40

مشکل نہیں ہوتا۔کھیلوں کے مقابلے ہوں تو اقدار آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی، مثلاً دیانت داری، جہد و کاوش نظم وضبط اور اصول و قواعد وغیرہ۔"[112]

مذکورہ عبارت واضح کرتی ہے کہ تعلیمی اداروں کی سرگرمیوں سے ایک تو وہاں کی ثقافت کا پتہ چلتا ہے دوسرا بچے اصول و قواعد و نظم و ضبط کے پابند بھی ہوتے ہیں اب کالج اور یونیورسٹی میں باقاعدہ کلچر شو ہوتے ہیں لیکن پرائمری سطح پر ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔البتہ بچوں کی جانب سے پیش کیے جانے والے خاکے وہاں کی ثقافت کو بیان کر دیتے ہیں۔اور ہر سر گرمی کا اپنے اپنے وقت پر ہونا اور اس میں بچوں کی موجودگی بچوں کو اصول و قواعد کی پابند کرتی ہے۔

اخلاقی تربیت:

تعلیمی اداروں میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں جہاں بچوں کو دیگر خوبیوں سے متصف کرتی ہیں وہاں ان کی اخلاقی تربیت میں بھی اپنی مثال آپ ہیں ان سرگرمیوں میں حصہ لینے سے بچے محنت ،دیانت داری ،انصاف ، پاکیزگی ، اطاعت، جھوٹ سے نفرت، سچ کی تلقین اور عفو و در گزر جیسی اخلاقیات سے بھی متصف ہوتے ہیں۔اور جب کسی میں یہ خوبیاں جمع ہو جائیں تو وہ بہترین انسان کہلاتا ہے۔

جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا))[113]

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

تعلیمی اداروں میں بہت سی ایسی سرگرمیاں ہیں جن میں حصہ لینے سے بچوں میں اخلاقی صفات پروان چڑھتی ہیں۔کرکٹ اور تقاریری مقابلے میں وہ محنت پر یقین رکھتے ہیں۔نتائج کے وقت انصاف کو پسند کرتے ہیں کھیل کے دوران جہاں غلط ہو رہا ہو وہاں پر بولتے ہیں ہر سرگرمی میں دیانت داری سے کام لیتے ہیں کرکٹ یا فٹبال میں ایک ہی بندے کی بات مان کر اطاعت کی عادت کو مستحکم کرتے ہیں۔اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ تعلیمی اداروں کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں ہی بچوں کو ان صفات کا عادی بناتی ہیں۔

---

112 تعلیمی مقالات، منیر احمد خلیلی، حسن البنا اکیڈمی، علامہ اقبال کالونی راولپنڈی، 2004ء، ص30

113 صحیح بخاری ،کتاب الأدب ،بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسعليمیَ لَمْ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، ح:6029

مشاورت:

اسلام ایک امن پسند مذہب ہے یہ سب لوگوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ سب کو برابر کے حقوق دیتا ہے۔ وہ مشورہ کو پسند کرتا ہے یہاں تک کے اپنے انبیاء علیہ السّلام کو بھی مشورہ لینے کا حکم دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي ٱلْأَمْرِ﴾[114]

ترجمہ: اور دین کے کام میں ان سے مشورہ کیا کیجئے۔

اس آیت کی تفسیر حدیث رسول ﷺ میں اس طرح ہے:

((وَشَاوَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْمُقَامِ وَالْخُرُوجِ فَرَأَوْا لَهُ الْخُرُوجَ))[115]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے جنگ احد میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ مدینہ ہی میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر۔

حدیث رسول ﷺ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ اور نہ صرف لیا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ تعلیمی اداروں میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا انعقاد مشورے کو فروغ دیتا ہے۔ کیونکہ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں بچوں کو جمہوریت کی تعلیم دیتی ہیں کیونکہ کسی بھی سرگرمی کی انجام دہی کے لیے ایک ٹیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسمبلی میں بھی چار، پانچ بچے باہم اتفاق واتحاد سے تلاوت، حمد یا نعت، ترانہ اور کسی اچھی بات سے آغاز کرتے ہیں۔ کھیل کے میدان میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو آپس میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں ہر ایک اپنی اپنی رائے دیتا ہے پھر سب ایک دوسرے کی کہی گئی بات کو سنتے ہیں تنقید کو برداشت کرتے ہیں۔ اظہار خیال کی ہر بچے کو مکمل آزادی ہوتی ہے اکثریت کی رائے کو اپنا کر وہ جمہوریت کو فروغ دیتے ہیں اور یوں تعلیمی اداروں میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں بچوں کو جمہوریت سکھاتی ہیں۔

اپنی مدد آپ کا جذبہ:

اپنی مدد آپ کے جذبے سے سرشار انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ وہ ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے برخلاف ان کے جو مشکل وقت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

---

[114] سورة آل عمران:159

[115] صحیح بخاری ،کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، حدیث نمبر:7369

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡ﴾[116]

ترجمہ: اللہ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو خود نہ بدل دے۔

آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کا ساتھ دیتا ہے جس میں اپنی مدد کا جذبہ ہو۔ کسی بھی سرگرمی میں حصہ لینے سے بچوں میں اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تعلیمی ادارے اپنی سرگرمیوں کے ذریعے بچوں میں ایسے جذبے کو فروغ دیتے ہیں۔ دوران کرکٹ، ہاکی، فٹ بال میں ایسے مواقع پیش آتے ہیں جہاں غور و فکر اور سمجھ بوجھ سے کام لینا پڑتا ہے وہ سوچ سمجھ کر خود کو اس مسئلے سے نکالتے ہیں۔ سہارا لینے کے بجائے اپنے مسائل سے خود ہی باہر نکلتے ہیں ایسے میں ان میں خود اعتمادی کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے۔ مستقبل کے مسائل سے اور مشکل وقت سے لڑنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔، غور و فکر سے ان کی ذہنی نشو و نما ہوتی ہے۔ کرکٹ میں جب ہارتے ہیں تو ٹوٹتے نہیں بلکہ صبر سے کام لیتے ہیں اور دوسرے ہی لمحے میں پھر خود کو تیار کر لیتے ہیں اور یہ سب سرگرمیوں کی بدولت ہی ممکن ہوتا ہے۔

استاد اور شاگرد کا قریبی تعلق:

نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں سے بچے اور استاد کا نا ختم ہونے والا رشتہ قائم ہوتا ہے بچے کو جب کوئی مشکل پیش آتی ہے جسے وہ خود حل نہیں کر سکتا تو استاد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دوران سرگرمی اسے راہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے جسے استاد اپنی ذمہ داری سمجھ کر اس کی راہنمائی کرتا ہے اس طرح استاد میں محبت و شفقت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور بچہ عقیدت و احترام کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں میں ایسا تعلق قائم ہوتا ہے جو تمام عمر رہتا ہے۔

ذہنی اور جسمانی نشو و نما:

نصابی یا غیر نصابی سرگرمیاں دونوں ہی بچوں کی ذہنی نشو و نما میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور ان کے جسم پر اپنے اثرات بھی مرتب کرتی ہیں۔ کھیل میں بچوں کا تعلق مختلف سامان سے پڑتا ہے بچے اپنا ذہن کی مدد سے ان کے استعمال کے بارے میں جانتے ہیں۔ کھیل کے مختلف مراحل میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں کلاس میں کیئے گئے سوال پر اپنے ذہن پر زور دے کر اس کا جواب دیتے ہیں امتحانات میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ ان تمام امور سے ان کی ذہانت کھلتی ہے وہ جتنا اپنے ذہن کو استعمال کرتے ہیں اتنا ان کا ذہن وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے۔

عبدالروف بچوں کی ذہنی نشو و نما کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

---

[116] سورة رعد: 11

"کھیل کے میدان میں بچہ توجہ دینے، فیصلہ کرنے، مقابلہ کرنے، انتخاب کرنے اور تعاون کرنے کے اوصاف سیکھتا ہے۔ نئے بچوں، نئے الفاظ اور نئے خیالات سے فیض یاب ہو کر بچہ ذہنی بلوغت کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔"[117]

درج بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ کھیل سے بچے کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے اسی طرح کھیل سے انسان کے اعصاب مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں جسم توانا اور تندرست ہوتا ہے۔ اس کی توانائی کا استعمال ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ حرکت کرنے سے اس کے جسم کے اعضاء کھلتے ہیں ان میں توانائی زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کھیلتے رہیں۔ کھیل میں مصروف رہنے سے بچوں کے اعضاء مضبوط و توانا ہوتے ہیں اچھل کود کر وہ چلنے پھرنے میں ماہر ہو جاتے ہیں گرتے نہیں ہیں اس طرح حادثات میں کمی ہو جاتی ہے اور اگر واقع ہوں بھی تو ایسے حادثات ان پر اپنا اثر مرتب نہیں کرتے۔

درجہ بالا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ غیر نصابی سرگرمیوں کو اب ہم نصابی سرگرمیوں کا نام دیا گیا ہے لیکن نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں واضح فرق بھی ہے۔ پاکستان میں غیر نصابی سرگرمیوں کو 1980ء میں تعلیمی پالیسی میں شامل کیا گیا اور نصابی اور ہم نصابی دونوں کا ہی بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنا اپنا کردار ہے۔ جہاں نصابی سرگرمیاں بچوں کو مستقبل کے لیے تیار کرتی ہیں ان کی ذہنی نشوونما کرتی ہیں انھیں بااعتماد بناتی ہیں۔ وہاں غیر نصابی سرگرمیاں انھیں اشتراک و تعاون، اخوت، دیانت دار، انصاف پسند، نظم وضبط کا پابند استاد سے محبت، صبر و تحمل کا عادی اور جمہوریت کا درس دیتی ہیں ان کے نفسیاتی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ ان میں اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ ان کی اخلاقی تربیت کرتی ہیں۔ اور ان سب خوبیوں سے ایک بہتر تعلیمی ادارہ ہی بچوں کو متصف کرتا ہے۔

[117] بچوں کی نفسیات، ڈاکٹر عبدالروف، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، س۔ن، ص70

فصلِ سوم:

تعمیر شخصیت میں تعلیمی اداروں کے کردار کا شماریاتی جائزہ

بچوں کی تعلیم و تربیت کا مرحلہ ان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ دین اسلام نے تعلیم و تربیت کو خصوصی اہمیت دی ہے اور انبیاء کرام علیہ السّلام کی بعثت کا مقصد بھی تعلیم و تربیت ہی ہے۔ تعلیم و تربیت کا ساتھ ازل سے ہے۔ اگر محض تعلیم کو انسانیت تک پہچانا ہی مقصد ہوتا تو یہ کام فرشتے بھی کر سکتے تھے یا اس مقصد کے لیے الہامی کتابیں ہی کافی تھی۔ لیکن تعلیم کے ساتھ تربیت کے التزام کے لیے انبیاء کرام علیہ السّلامکو مبعوث کیا گیا تاکہ انسانیت نکھر سکے چونکہ اب انبیاء کرام علیہ السّلام کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اس لیے اب تعلیمی ادارے اب اس فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ جن کے پاس والدین اپنے بچوں کو اسی غرض سے بھیجتے ہیں جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کرتے ہیں۔ ذیل میں تعمیر شخصیت میں تعلیمی اداروں کے کردار کا شماریاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ سوالنانے کی مدد سے ضلع سدھنوتی کے پرائمری کلاس کے بچوں کے جوابات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور حتمی نتائج کو فیصد اور چارٹ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں سوالنامہ اور اس کی روپورٹ پیش کی جاتی ہے۔

سوال نمبر 1: کیا آپ کی سکول اسمبلی میں صباحی خطابات ہوتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	123	63	60	61.5%
نہیں	77	37	40	38.5%
کبھی کبھی	00	00	00	0
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.1

مذکورہ سوال کے جواب میں 61.5% بچوں نے ہاں اور 38.5 نے نہیں میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.1 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
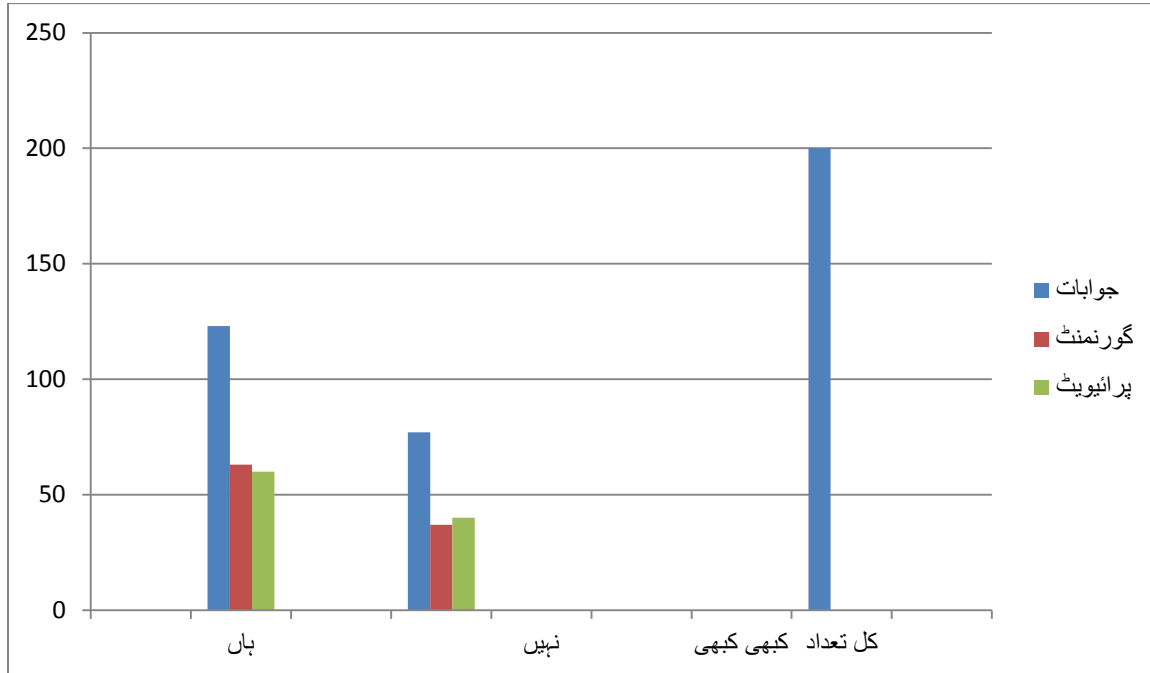
چارٹ نمبر 2.1

سوال نمبر 2: کیا آپ سکول میں کھیلتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	200	100	100	100%
نہیں	00	00	00	
کبھی کبھی	00	00	00	
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.2

مذکورہ سوال کے جواب میں 100% بچوں نے ہاں میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.2 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
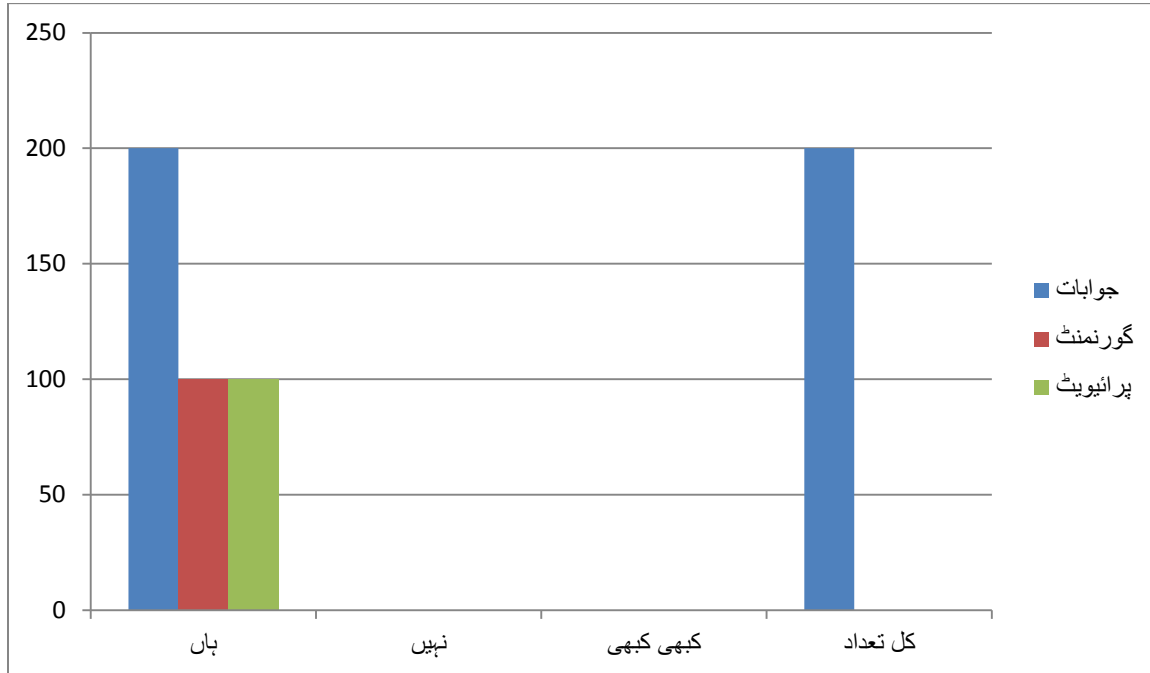
چارٹ نمبر 2.2

سوال نمبر 3: کیا آپ کے اساتذہ آپ کے ساتھ کھیلتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	24	07	17	12%
نہیں	136	73	63	68%
کبھی کبھی	40	20	20	20%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.3

مذکورہ سوال کے جواب میں 12% بچوں نے ہاں اور 68% نے نہیں جبکہ 20% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.3 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
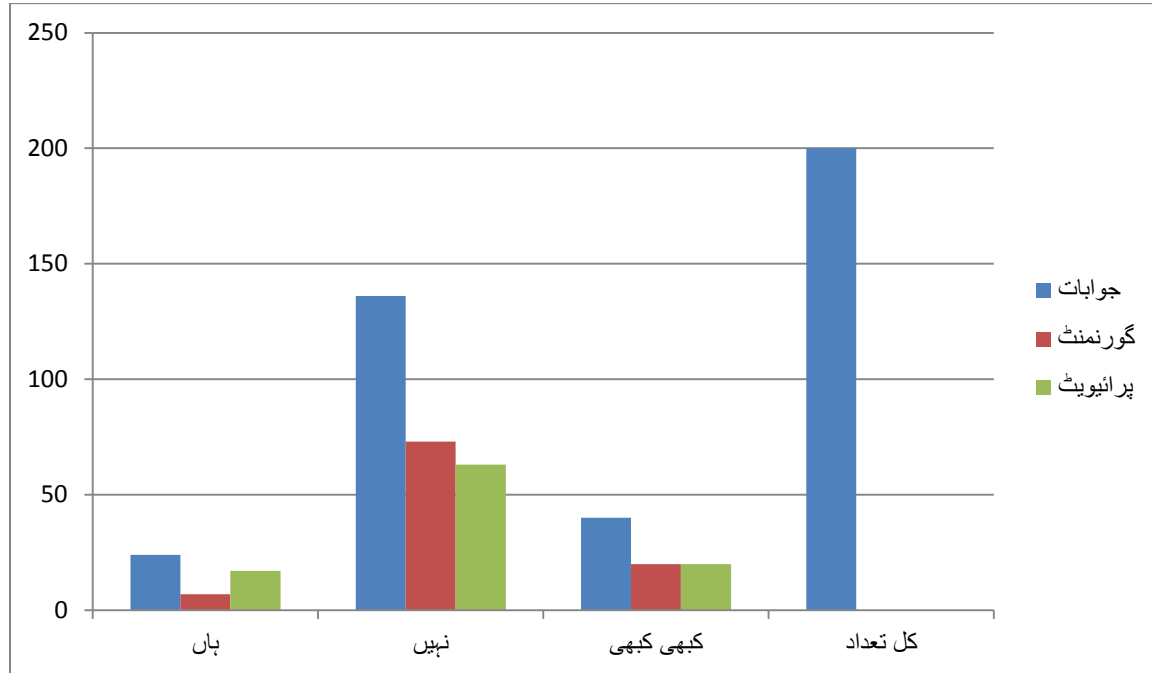
چارٹ نمبر 2.3

سوال نمبر 4: کیا آپ کے اساتذہ اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	174	85	89	87%
نہیں	08	03	05	04%
کبھی کبھی	18	12	06	09%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.4

مذکورہ سوال کے جواب میں 87% بچوں نے ہاں اور 4% نے نہیں جبکہ 9% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.4 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
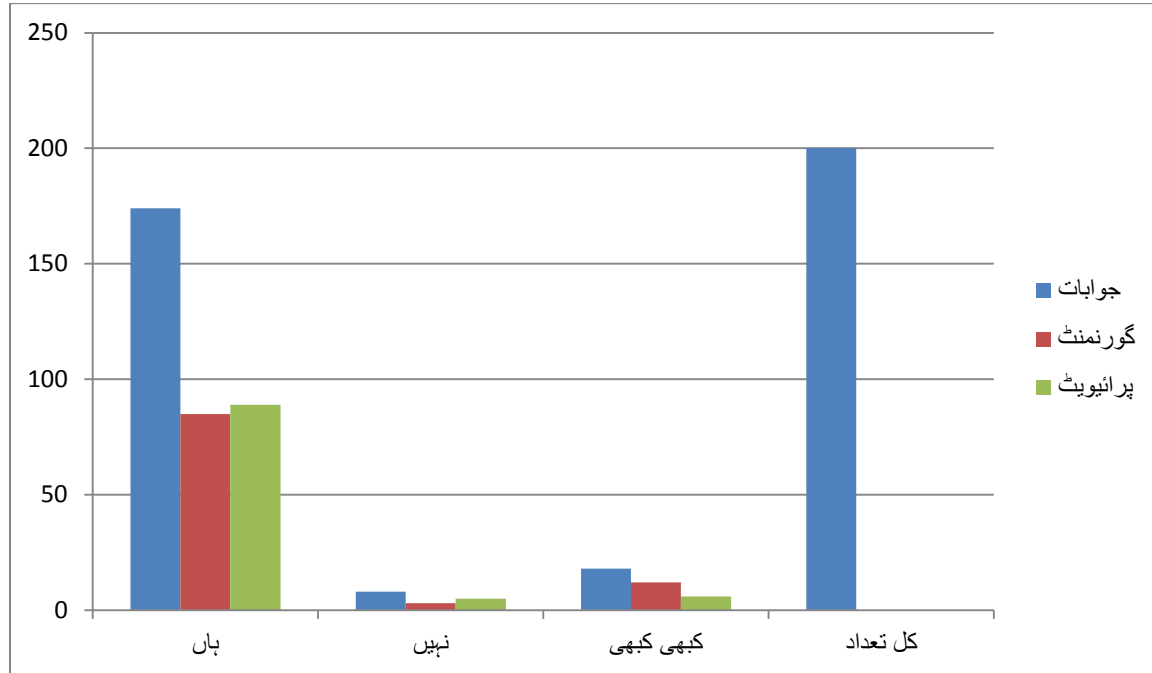
چارٹ نمبر 2.4

سوال نمبر 5: کیا آپ کے اساتذہ آپ کو مارتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	75	40	35	37.5%
نہیں	97	46	51	48.5%
کبھی کبھی	28	14	14	14%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.5

مذکورہ سوال کے جواب میں 37.5% بچوں نے ہاں اور 48.5% نے نہیں جبکہ 14% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.5 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
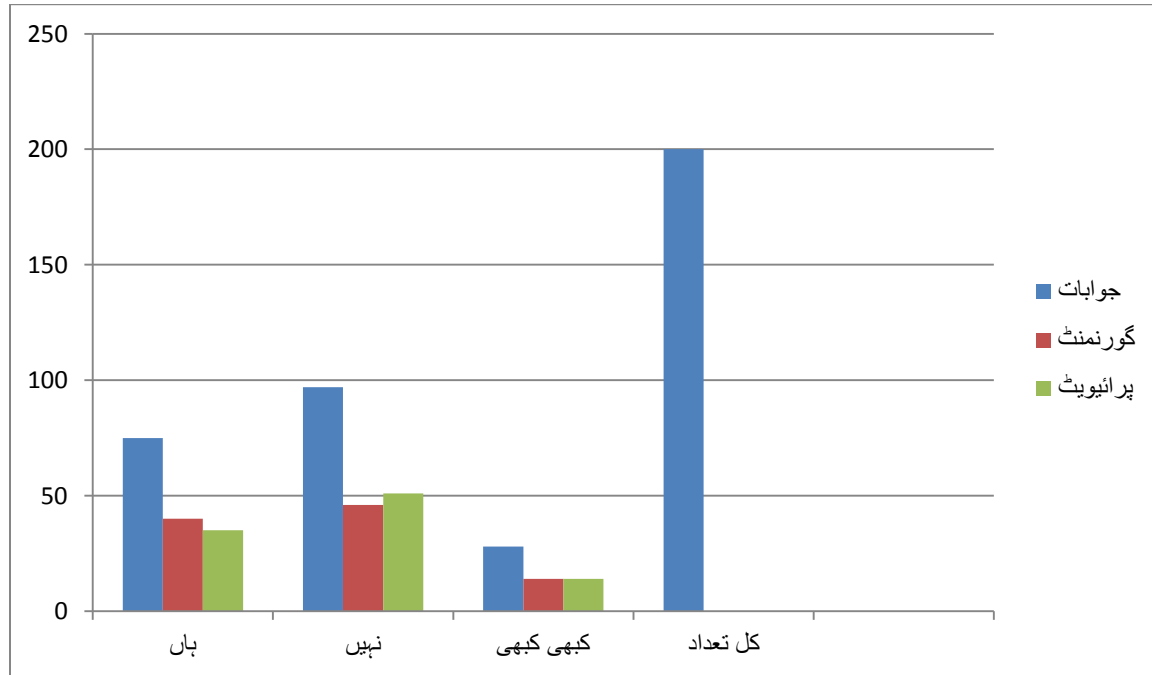
چارٹ نمبر 2.5

سوال نمبر 6: کیا آپ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	85	30	55	42.5%
نہیں	90	60	30	45%
کبھی کبھی	25	15	10	12.5%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.6

مذکورہ سوال کے جواب میں 42.5% بچوں نے ہاں اور 45% نے نہیں جبکہ 12.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.6 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
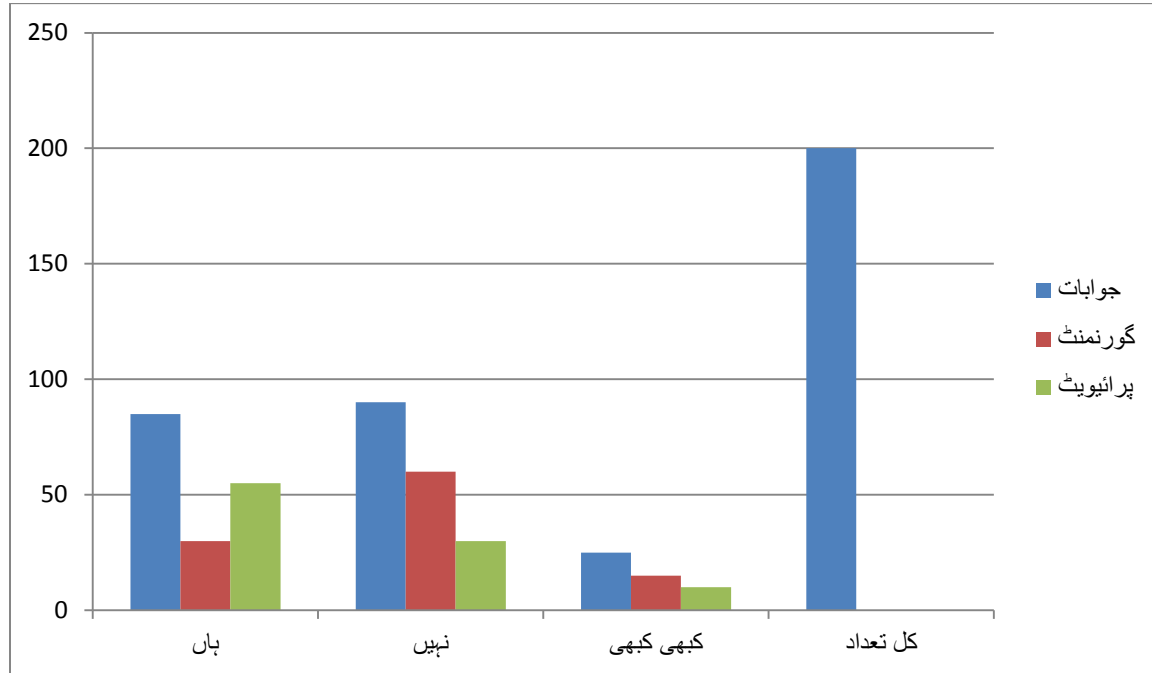
چارٹ نمبر 2.6

سوال نمبر 7: کیا آپ کے والدین کبھی کبھی آپ کے سکول جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	114	41	73	57%
نہیں	55	40	15	27.5%
کبھی کبھی	31	19	13	15.5%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.7

مذکورہ سوال کے جواب میں 57% بچوں نے ہاں اور 27.5% نے نہیں جبکہ 15.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.7 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
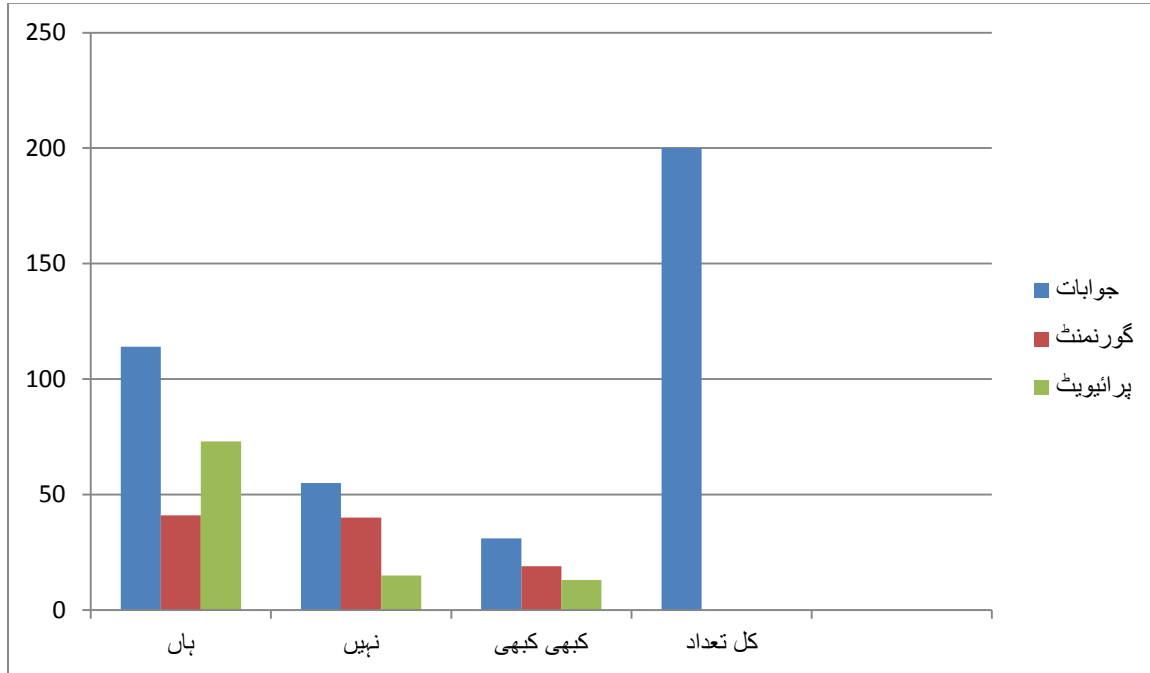
چارٹ نمبر 2.7

سوال نمبر 8: کیاآپ کے اساتذہ آپ کو اچھی کارگردگی پر انعام دیتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	150	70	80	75%
نہیں	00	00	00	0
کبھی کبھی	50	30	20	25%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 2.8

مذکورہ سوال کے جواب میں 75% بچوں نے ہاں جبکہ 25% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.8 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
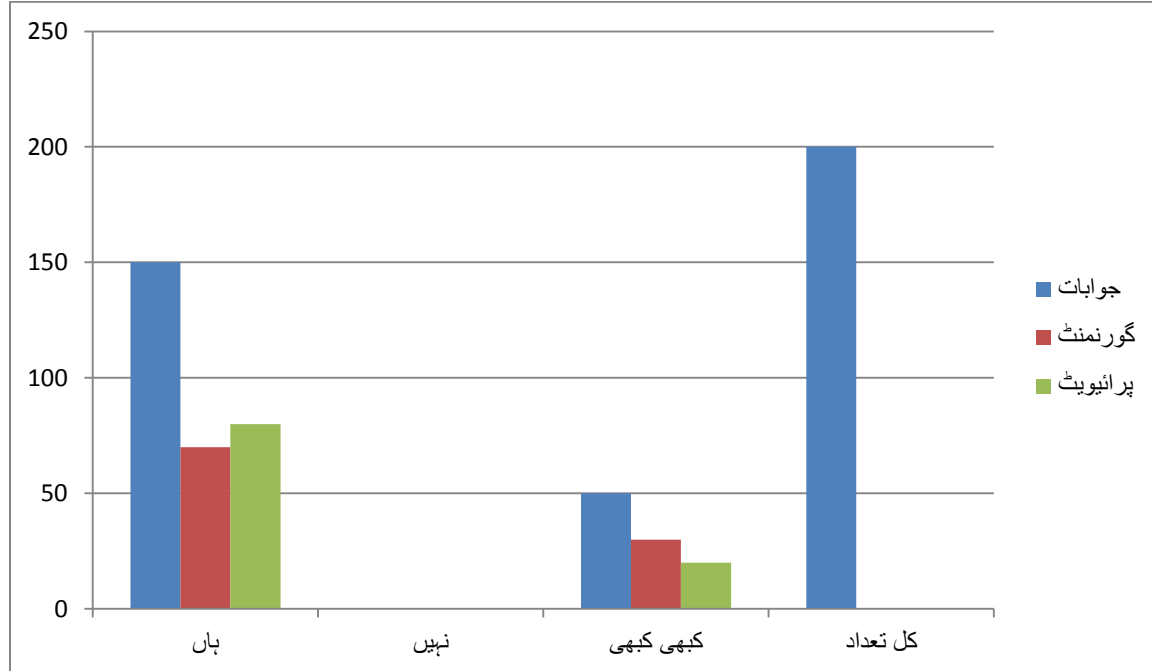
چارٹ نمبر 2.8

سوال نمبر 9: کیا مشکل وقت میں آپ اپنے دوست کی مدد کرتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	162	82	80	81%
نہیں	17	08	09	8.5%
کبھی کبھی	21	10	11	10.5%
کل تعداد	200			

ٹیبل نمبر 2.9

مذکورہ سوال کے جواب میں 81% بچوں نے ہاں اور 8.5% نے نہیں جبکہ 10.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 2.9 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
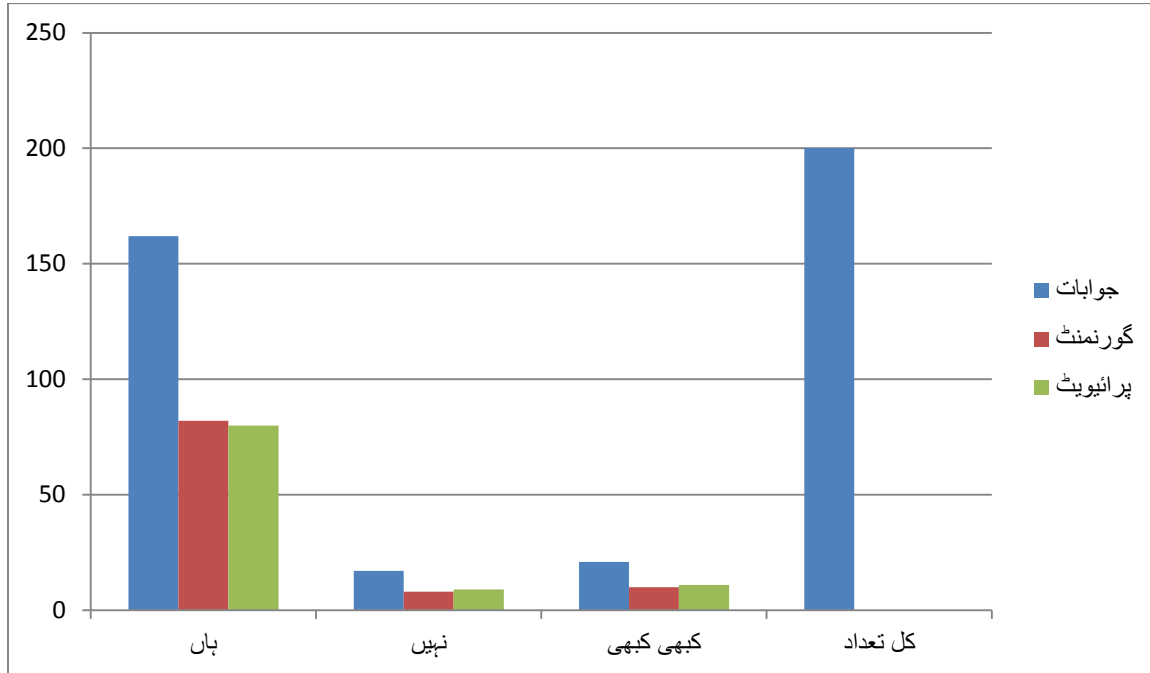
چارٹ نمبر 2.9

مذ کورہ بالا نتائج سے معلوم ہوا ہے کہ بچوں کی تربیت میں اساتذہ کا کردار کافی حد تک مثبت ہے اور گورنمنٹ اداروں کی نسبت پرائیویٹ اداروں کا کردار زیادہ فعال ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے پرائیویٹ ادارے فیس کافی لیتے ہیں اور پڑھا لکھا طبقہ ہی اپنے بچوں کو زیادہ پرائیوٹ اداروں میں بھیجتا ہے اور فیس کی زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی اور تعلیم کا شعور ہونے کی وجہ سے والدین حضرات اساتذہ سے بار بار بچے کی کارکردگی کا پوچھتے ہیں۔اس لیے پرائیویٹ اداروں کا کردار زیادہ فعال ہے۔لیکن دوسری طرف دونوں ادارے نصابی یا ہم نصابی سرگرمیوں کے حوالے سے کم متحرک نظر آتے ہیں۔ 68%اساتذہ بچوں کے ساتھ کھیلتے نہیں ہیں 45%انھیں سیر و تفریح کے لیے نہیں لے کے جاتے جس کی وجہ اساتذہ نے بتائی کے بچے چھوٹے ہیں اس لیے والدین انھیں سیر و تفریح کی اجازت نہیں دیتے اور خواتین اساتذہ کھیلنے سے ہچکچاتی ہیں اس لیے یہاں ان کا کردار کم ہے۔

فصل چہارم:

تعلیمی اداروں کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری لائحہ عمل

تعلیمی ادارے کسی بھی قوم کی شہ رگ سمجھے جاتے ہیں۔ جس بھی قوم کے تعلیمی ادارے معیاری ہوتے ہیں وہ قوم دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے اور کامیابی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔اس کے برعکس جس قوم کے ادارے کمزور ہوں وہ قوم اپنا نام و نشان کھو دیتی ہے اور کتابوں میں ہی اس کا ذکر ملتا ہے۔ چاہے اس کے پاس کتنے ہی وسائل کیوں نہ ہوں ذلت و رسوائی اور ناکامی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ وہ قوم دیکھتے ہی دیکھتے اپنی آب و تاب کھو دیتی ہے۔ایک اچھا ادارہ کسی بھی قوم کے نظریے کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے وہ طلبہ و طالبات کی تعلیم کے ساتھ تربیت بھی کرتا ہے کیونکہ اگر تعلیم علم کا حصول ہے تو تربیت اس علم پر عمل کروانا ہے۔

ثریا بتول اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> "تعلیمی ادارے محض کتابیں پڑھا دینے کے لیے قائم نہیں کیے جاتے بلکہ ان کا بڑا مقصد کسی قوم کے بنیادی نظریے کے مطابق اس کی آئندہ نسلوں کی تربیت اخلاق اور تہذیب نفس بھی ہے "[118]

اس سے واضح ہوا کہ تعلیمی ادارے ہی ہماری تہذیب اور روایات کی حفاظت کرتے ہیں ان کے ذریعے ہماری روایات اگلی نسلوں میں منتقل ہوتی ہیں اور تعلیمی ادارے ہی کسی قوم کے نظریے کو آگے لے کر چلتے ہیں۔اس کی ایک روشن مثال آپ ﷺ کا قائم کردہ وہ تعلیمی ادارہ ہے جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے اور صفہ کی درسگاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس ادارے کے تربیت یافتہ افراد نے بدر کے میدان میں ایک غالب نظریے کو شکست دے کے اپنے نظریے کو نافذ کیا اور اس وقت کے دو مخالف نظریے کی حامل بڑی سلطنتوں قیصر اور کسریٰ کو شکست دے کر اپنے نظریے کا نافذ کیا۔ معلوم ہوا کہ ملک کی ترقی کا انحصار بھی بہت حد تک ان تعلیمی اداروں پر ہے۔پڑھے لکھے اور تربیت یافتہ لوگ سامنے آئیں گے تو ملک ترقی کرے گا یہاں سے ہی بچہ بنتا یا بگڑتا ہے۔ایک اچھے ادارے کے بچے دور سے پہچانے جاتے ہیں لہذا تعلیمی

---

[118] استاد ملت کا محافظ، پروفیسر ثریا بتول علوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، 2006، ص77

اداروں کا کردار انسانیت کی تشکیل میں اور ملک کی ترقی میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ذیل میں تعلیمی ادروں کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے چند نکات ترتیب دیئے گیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ان کا کردار مؤثر ہو سکتا ہے۔

ماہر اساتذہ کا انتخاب:

اساتذہ کی قابلیت کو دیکھ کر ایک ادارے کے معیاری ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی معیاری اور اچھے ادارے کے اساتذہ نہایت قابل، اعلیٰ تعلیم یافتہ، محنتی، ذمہ دار اور اخلاقی ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف بچوں کے ہر دل عزیز ہوتے ہیں بلکہ ادارے کی پہچان کے ساتھ ساتھ اس کے قوت بازو بھی ہوتے ہیں۔ وہ پوری لگن سے اپنا علم منتقل کرتے ہیں طلباء میں علم کی لگن، جذبہ اور شوق پیدا کرتے ہیں۔ ثریا بتول استاد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "کسی بھی سکول یا مدرسے کی سب سے بڑی ضرورت مخلص اور محنتی اساتذہ کا وجود ہے۔ مدرسہ یا سکول کسی شاندار بلڈنگ کا نام نہیں ہوا کرتا کسی عالی شان دار الاقامہ کا نام بھی مدرسہ نہیں ہوتا نہ ہی شاندار نام رکھنے سے تعلیمی ادارے شاندار بن سکتے ہیں بلکہ مدرسہ تو تشکیل پاتا ہے علمی ذوق رکھنے والے اساتذہ کرام سے جو اپنے طلبہ کو محنت سے پڑھائیں اور ان میں اعلیٰ علمی و فکری ذوق پیدا کر سکیں "[119]

ادارے کی پہچان اس کی عمارت یا نام سے نہیں بلکہ ایک محنتی استاد سے ہوتی ہے۔ وہ اس قدر محنت سے بچوں کو پڑھاتا ہے کہ ان بچوں میں بھی علم کا جنون سوار ہو جاتا ہے اور جس میں کسی چیز کی طلب کے لیے جنون ہو وہ اس چیز کے حصول کے لیے محنت بھی زیادہ کرتا ہے اور اگر بچے محنتی ہوں تو وہ ناکام بھی نہیں ہو سکتے۔ ایک استاد ہی انھیں کامیاب بنا سکتا ہے اور ایک استاد ہی قوم کے نظریے کو بچوں میں پیوست کر سکتا ہے حقیقت میں استاد نہ صرف ہمارے نظریے کا محافظ ہے بلکہ ہماری روایات ہماری تہذیب اور ہمارے عقیدے کا بھی محافظ ہوتا ہے

استاد کی ذمہ داری بہت بڑی ہے حقیقت میں کامیاب قوم وہ ہے جس نے اپنی روایات، تہذیب، نظریے، عقیدے اور نصب العین کو زندہ رکھا ہے اور قوم کی کامیابی کا دار و مدار استاد پر ہے اس نے ہی ہماری روایات اور نظریے کو اگلی نسل تک پہچانا ہے اور علمی ذوق پیدا کرنا ہے۔

فتح پوری معلم کو قوم سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[119] استاد ملت کا محافظ، ص77

"معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں معلموں سے ہی علم کا سچا عشق پیدا ہوتا ہے"[120]

سطور بالا ثابت کرتی ہے کہ علم کی طرف شوق اور لگن کا انحصار بھی استاد پر ہے۔ایک بچے کا ذہن صاف و شفاف کپڑے کی مانند ہوتا ہے۔استاد چاہے تو اسے علم سے بھر دے یا پھر اسے خالی چھوڑ کر زمانے کی ٹھوکر کھانے پر مجبور کر دے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کا انتخاب کرتے وقت ایک ادارہ یا اس کا بانی یہ بات ذہن میں رکھے کہ ان کا انتخاب معصوم بچوں کے مستقبل کا معمار ہے۔انتخاب کے دوران اپنی رشتہ داری یا ریفرنس کو بالائے طاق رکھا جائے اور یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ یہ استاد ہماری قوم کا محافظ ہے۔اگر قوم کو زندہ رکھنا ہے تو تعلیم یافتہ،اعلیٰ اوصاف کے حامل،اپنے مضمون پر عبور رکھنے والے اور بچوں کی نفسیات کو مد نظر رکھنے والے اساتذہ کو سامنے لانا ہے۔ قوم کی باگ دوڑ جن کے ہاتھ میں ہے ان کے تجربے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمی قابلیت ضرور دیکھنی چاہیے اور ایسے حضرات کو فارغ کر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کو سامنے لایا جائے تا کہ بچوں کا مستقبل سنور جائے۔

مناسب نصاب تعلیم:

ایک معیاری ادارے کی پہچان اس کے نصاب سے بھی ہوتی ہے اگر نصاب انفرادی،اجتماعی، قومی، ملی اور بین الاقوامی ضرورتوں کے مطابق ہوگا والدین کی خواہشوں کی تکمیل پہ پورا اترے گا تو اس نصاب تعلیم کو مناسب اور معیاری کہا جا سکتا ہے مثلاً ایک اسلامی ملک کے باسیوں کے لیے ضروری ہے کہ نصاب میں شروع سے اسلام کے عقائد اور ارکان شامل کریں تا کہ بچے اس سے واقفیت حاصل کر لیں۔ حقیقت میں نصاب تعلیم کو جدید تقاضوں کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہونا چاہیے جو بچوں کی مہارتوں اور چھپی صلاحیتوں کو نکھارے۔انھیں کوئی سمت مہیا کرے۔ان کے رویوں کو بہترین بنائے۔ جو اس ملک کی تہذیب وروایات سے ملحق ہو مذہب کی عکاسی کرے ۔دور حاضر کے نت نئے مسائل اور ضرورتوں پر حاوی ہو۔بچہ جب اس ادارے سے نکلے تو اس کے پاس کوئی نہ کوئی ہنر ہو اس کے لیے اسے جدید ٹیکنالوجی سے متعارف کرانا ضروری ہے۔شبیر بن نور اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"جدید ترین ٹیکنالوجی یعنی کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم بچوں کے لیے عموماً اور لڑکیوں کے لیے خصوصاً انتہائی مفید ہے"[121]

---

[120] اقبال سب کے لیے،ڈاکٹر،فرمان فتح پوری،اردو اکیڈمی سندھ کراچی،1978،ص109

[121] تہذیب اطفال،ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور،نور الاسلام اکیڈمی لاہور،1991،ص88

کمپیوٹر کی تعلیم ایک ایسا ہنر ہے جس نے اسے سیکھ لیا وہ ناکام نہیں ہو سکتا اس لیے نصاب تعلیم میں اس تعلیم کو شامل کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ اشد ضروری ہے۔ چونکہ سرکاری اداروں کا نصاب ایک ہی ہوتا ہے اور اس نصاب میں کمپیوٹر بھی شامل ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جا سکتا بہت سے اداروں میں کمپیوٹر ہی نہیں ہوتے اور جن میں ہیں بچوں کو انھیں چھونے کی اجازت بھی نہیں ہوتی بچے اس کے استعمال سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس حال میں کیا وہ خاک اس ٹیکنالوجی کے ماہر ہوں گے یعنی کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر وہ تعلیم انھیں اس قابل نہیں بنا رہی کہ وہ خود کفیل ہوں کیونکہ آج ٹیکنالوجی کا دور ہے اور بچے اس سے بہت دور ہیں کیا اس نصاب کو مکمل کہا جا سکتا ہے؟ لہذا اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصاب میں جو چیزیں شامل ہیں وہ نہ صرف پڑھائیں بلکہ ان کی عملی مشق بھی کرائیں تاکہ ان کے بچے کسی میدان میں پیچھے نہ رہیں۔

صباحی خطابات[122] کا مؤثر ہونا:

صباحی خطابات تربیت کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں صبح کے وقت بچوں کا ذہن تازہ اور خالی ہوتا ہے اس میں جو بھی منتقل کیا جائے اس کا اثر دیرپا ہو گا۔ اس لیے ادروں میں صباحی خطابات کو اتنا پر اثر بنایا جائے کہ بچوں میں کسی چیز کی کمی نہ رہے محض تقاریر اور معلومات پر ہی مشتمل نہ ہو بلکہ عملی پروگراموں پر محیط ہو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

طلبہ کو کوئی پروگرام دیا جائے اور اس پر عمل درآمد بھی کرایا جائے مثلاً بتایا جائے کہ انھوں نے سکول کو صاف رکھنا ہے اور یہ ہر بچے کی ذمہ داری ہے اور اس پر عمل کرانے کے لیے بار باران کی نگرانی کی جائے اور تب تک ان کو پرکھا جائے جب تک کہ یہ عادت ان میں راسخ ہو جائے۔

ایسے خطابات میں نماز کے حصے کیے جائیں اور بار بار اس کی مشق کرائی جائے نماز کا طریقہ بھی بتایا جائے اور قرآن قرات و تجوید کیے ساتھ پڑھایا جائے۔

---

[122] صباحی خطابات سے مراد صبح کے وقت سکول میں کی جانے والی اسمبلی میں تلاوت اور نعت کے بعد کیا جانے والا تربیتی خطاب ہے۔ اس وقت بچوں کا ذہن خالی اور تازہ ہوتا ہے ہر چیز ذہن نشین ہو جاتی ہے اس لیے صباحی خطابات کو مؤثر ہونا ضروری ہے۔

اگر بچے زیادہ ہوں اور ہر ایک تک آواز پہنچانا ممکن نہ ہو تو سپیکر کا انتظام کیا جائے اور باقاعدہ سپیکر میں خطاب کیا جائے۔

صباحی خطاب میں کسی آیت یا حدیث کو بیان کر کے اس کی تشریح کی جاسکتی ہے اس طرح بچوں میں شوق پیدا ہوگا اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں گے۔ کیونکہ جن سکولوں کے صباحی خطاب مؤثر ہوتے ہیں وہ سکول ترقی یافتہ سکولوں کی صف اول میں رہتے ہیں اور ان میں طلبہ زیادہ تعداد میں، پر جوش اور خوش ہوتے ہیں۔

سمعی و بصری معاونات کی فراہمی:

تدریس کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ دور حاضر میں استعمال ہونے والے معاونات تدریس(Aids) اپنی تدریس میں شامل کیے جائیں جن کی طرف بچے مائل ہوتے ہیں۔ یہ ایک ماہر استاد اور کامیاب ادارہ کر سکتا ہے۔ ادارے کی ذمہ داری ہے کہ وہ استاد کو ان ایڈز کے استعمال پر مجبور کرے اور گاہے بگاہے دیکھے بھی۔ استاد اگر بچوں سے مخلص ہے اور اپنی تدریس کو جانبدار بنانا چاہتا ہے تو وہ یہ جاننے کی کوشش کرے کہ کن امور کو اپنی تدریس میں شامل کر کے اسے ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے۔ اس کے بچوں کی دلچسپی کس طرف ہے۔

بختیار حسین صدیقی اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "اساتذہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے امور ہیں جو عالم طفلی کے ساتھ مختص ہیں تاکہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور ان سے احسن طریقے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے"[123]

اس سے معلوم ہوا کہ استاد بچوں کی نفسیات کو مد نظر رکھے اور دور حاضر میں استعمال ہونے والے ایڈز سے مدد لے۔ چھوٹے بچے انجام سے بے خبر ہوتے ہیں نفع اور نقصان کو نہیں جانتے وہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ اگر جو انھیں پڑھایا جائے وہ دکھا بھی دیا جائے مثلاً کسی اس سبق سے ملحقہ تصویر یا پوری ویڈیو دکھا دی جائے تو بچہ اسے ذہن نشین کر لے گا جیسے مینار پاکستان کا پڑھاتے ہوئے اس کی تصویر یا ویڈیو دکھا دی جائے اور کہانی کی صورت میں مینار

---

123 اقبال بحیثیت مفکر تعلیم، بختیار حسین صدیقی، اقبال اکیڈمی پاکستان، 1983ء، ص8

پاکستان کا بتایا جائے۔اس طرح قائداعظمؒ کی تصویر اور ان کی زندگی کو کہانی کی صورت میں بیان کیا جائے پھر آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو انتہائی دلنشین اور دل سوز انداز میں بیان کیا جائے تاکہ بچوں کے معصوم ذہنوں میں بھی ایک نمونہ بیٹھ جائے مواد کو بور انداز میں پیش کرنے کے بجائے اگر کہانی، مکالمے اور سمعی اور بصری معاونات کی مدد سے پیش کیا جائے تو وہ سبق ذہن نشین اور دیر پا ہو گا۔

محمد امین سمعی اور بصری معاونات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "گفتگو دلچسپ انداز میں کرنا،اسے قصے کہانی کا رنگ دینا، یا مکالمے کی صورت دینا مفید ہو گا، سمعی بصری آلات، نقشے، تصویریں، کارڈ آلات وغیرہ غرض ہر وہ ذریعہ استعمال کرنا چاہیے جو تعلیمی مواد کو دلچسپ بنائے "[124]

درجہ بالا تمام معاونات تدریس(Aids) کی مدد سے تدریسی عمل مؤثر، دیرپا اور دلچسپ ہوتا ہے اور بچے اس پیریڈ میں بھی بخوشی آتے ہیں جن میں ان ایڈز کو استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ بچے دیکھنے والی بات کو بھولتے نہیں ہیں اور استاد اور اس کے پیریڈ کو بھی پسند کرتے ہیں خود بھی ہاتھ کی مدد سے کارڈ اور تصاویر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔زیادہ تر سکولوں میں چارٹ اور بورڈ سے ہی مدد لی جاتی ہے بچوں کو کچھ جگہوں کی سیر بھی کرا دی جاتی ہے لیکن کسی بھی سکول میں ویڈیو کا کوئی سسٹم نہیں ہوتا اگر سکولوں میں ویڈیو کلپ دکھا دی جائیں تو بچے زیادہ سیکھیں گئے یہ ادارے کے مہتمم پر منحصر ہے اگر وہ اپنے ادارے اور بچوں سے مخلص ہے تو اسے اس بارے میں اقدام اٹھانا ہو گا۔

طالبات کے لیے خصوصی اقدامات:

لڑکیاں بچوں کی تربیت میں ماں بن کر اہم کردار ادا کرتی ہیں دوسرے گھر میں جاتی ہیں تو اچھے رویے سے یا اسے سنوار دیتی ہیں یا پھر برے رویے سے بگھاڑ دیتی ہیں۔اس لیے ان کی تربیت شروع سے ہی اس نہج پر کی جائے کہ وہ اگلی نسل کی مثالی تربیت کر سکیں۔اس کے لیے ادارے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ اس انداز میں بچیوں کی تربیت کرے کہ وہ معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔

---

[124] تعلیمی ادارے اور کردار سازی، ڈاکٹر محمد امین، عزیز بک ڈپو لاہور، 1997، ص32

محمد امین اپنی کتاب تعلیمی ادارے اور کردار سازی میں لکھتے ہیں :

"یہ فلسفہ غلط ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کا نصاب ایک ہو یا انہیں اکھٹا پڑھایا جائے عورتیں ہمارے معاشرے کا نصف ہیں اور انکی ذمہ اریاں اور دائرہ کار بھی مردوں سے الگ ہے لہذا اصول کی بات یہ ہے کہ ہر سطح پر طالبات کا نصاب بھی طلبہ سے الگ ہونا چاہیے اور ان کے ادارے بھی مردوں سے الگ ہونے چاہیے "[125]

چنانچہ لڑکیوں کا نصاب لڑکوں سے الگ ہونا چاہیے اور ان کے ادارے بھی۔ لیکن ہمارے ہاں نصاب بھی ایک ہے اور زیادہ تر پرائمری اداروں میں لڑکے اور لڑکیوں کو اکٹھے تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ نصاب اور ادارے دونوں مشترک ہیں۔ لیکن تربیت کے دوران بچیوں کو ان کی ذمہ داری اور امور خانہ داری سے متعارف کرایا جائے۔

علامہ اقبال بچیوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"اقبال کے نزدیک عورتوں کی تعلیم کا مقصد متعین ہونا چاہیے یعنی وہ تعلیم حاصل کریں مگر کسی متعین مقصد کے ماتحت اور وہ مقصد ایسا ہو جو نسوانی زندگی اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو ان کی تعلیم برائے زندگی و خانہ داری ہو نہ کے برائے ملازمت"[126]

بقول ڈاکٹر علامہ اقبال کے عورتوں کو ان کا مقصد مد نظر رکھ کر تعلیم دی جائے اور وہ ملازمت کے حصول کے لیے تعلیم حاصل نہ کریں بلکہ امور خانہ داری سیکھنے کے لیے تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ یہ ادارے کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ اقدام لے مثلاً نماز کا طریقہ بچیوں کو الگ سے سیکھادیں کیونکہ یہ طریقہ مرد کی نماز جیسا نہیں ہے ۔ اسی طرح شروع سے سر پر دوپٹہ رکھنے کی عادت ڈالی جائے کلاس کو آراستہ کرنے کی ذمہ داری بچیوں کی لگائی جائے تاکہ وہ مستقبل میں اپنے گھر کو آراستہ کر سکیں۔ لیکن بہت سے سکولوں میں ایسا کوئی اقدام نہیں لیا جاتا جو بچیوں کی

---

125 تعلیمی ادارے اور کردار سازی، ص62

126 علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم، حبیب الدین احمد، القمر انٹر پرائزز، لاہور، س۔ن، ص19

تربیت کے حوالے سے خاص ہو ادارے کے کردار کی بہتری کے لیے لازم ہے کے وہ بچیوں کی تعلیم کے حوالے سے مندرجہ بالا اقدام یا اسی طرح کے اور اقدام لیں تاکہ ان کا کردار مؤثر اور قابل ستائش ہو۔

اضافی سرگرمیوں کا انعقاد:

بچوں کے اندر تعمیری جذبوں کو پروان چڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں مختلف مواقع فراہم کیے جائیں مثلاً بچے کھیل کھیل میں زیادہ سیکھتے ہیں بچے اس ادارے میں بھی خوشی سے آتے ہیں جس میں کھیل کا اہتمام ہوتا ہے۔ بچے لیکچر سننے کے عادی نہیں ہوتے اور نہ ہی اپنا اچھا اور برا سمجھتے ہیں وہ کھیل کو ہی اپنی دنیا، جیت اور ہار سمجھتے ہیں گھر میں شروع سے ہی انھیں کھیل کا ماحول دے دیا جاتا ہے۔ بچے جب گھر کا ماحول سکول میں پاتے ہیں تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے اگر انھیں ہر وقت پڑھایا ہی جائے تو وہ بور ہو جاتے ہیں کھیل سے ان کا مزاج خوش کن ہوتا ہے۔ محمد امین اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"ماہرین تعلیم اس امر پر متفق ہیں کہ کہ بور اور اکتائے ہوئے بچوں کو کچھ نہیں سکھایا جا سکتا چھوٹے بچوں کو صرف کھیل کے ذریعے ہی کچھ سکھایا جا سکتا ہے"[127]

مسلسل پڑھنے سے بچے بور ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں وہ سیکھنے کے مرحلے سے دور ہوتے ہیں اس لیے انھیں جو سکھایا جائے وہ کھیل کی صورت میں ہو جو انھیں ذہن نشین ہو جائے اور اس سے بور بھی نہ ہوں۔ اچھے ادار ے وہی ہیں جو بچوں کی خوشی کا باعث بنتے ہیں وہ کھیل کھیل کے ذریعے ہی بچوں کو سیکھاتے ہیں۔ بچوں کی تفریح کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی کرتے ہیں جیسے انھیں کسی ٹرپ پر لے جاتے ہیں اور اس جگہ کی اہمیت کہانی کی صورت میں بتا دیتے ہیں ساتھ میں دکھا بھی دیتے ہیں۔ سکول میں تقریری مقابلہ بازی یا سوال جواب کے ذریعے مقابلے کرائے جاتے ہیں یا دوڑ کے مقابلے یا پھر مختلف مقابلے اور جیتنے والے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں انعامات دیئے جاتے ہیں جس سے ان میں آگے بڑھنے کی لگن پیدا ہوتی ہے۔ کیے گئے سروے سے معلوم ہوا کہ سکولوں میں اضافی سرگرمیاں مختلف انداز میں

---

127 تعلیمی ادارے اور کردار سازی، ص32

منعقد کی جاتی ہیں اور ان مقابلوں میں بچے بہت شوق اور جذبے سے حصہ لیتے ہیں ادارے کو چاہیے کہ وہ اس پروگرام پر مزید محنت کرے تاکہ ان کا کردار مزید مستحکم ہو سکے۔

زجر و توبیخ کا اہتمام:

بعض اوقات بچوں سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن پر سرزنش کرنا یا تنبیہ کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ بچے ایسی غلطیوں کو اپنی عادت بنا لیتے ہیں۔ غلط عادت جب کسی کی ذات کا حصہ بنتی ہے تو اسے گھن زدہ کر دیتی ہے اس لیے بچوں کو اس معاملے میں ڈھیل نہیں دینی چاہیے اور نہ ہی سخت اقدام اٹھانا چاہیے۔ اچھے ادارے کو ایسی صورت میں مؤثر اقدام اٹھانا چاہیے۔ آپ ﷺ کی حدیث اس بارے میں ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں بلغم دیکھا تو آگ بگولہ ہو گئے انصار کی ایک عورت نے اسے صاف کیا اور خوشبو مل دی۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَحْسَنَ هَذَا))[128].

ترجمہ: اس نے کیا ہی اچھا کیا۔

حدیث سے واضح ہوا کہ اگر غصے سے مقصد حاصل ہو جائے تو اور اقدام نہ اٹھایا جائے۔ آپ ﷺ اس شخص کو بلا کر اسے صاف بھی کرا سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا نہ ہی دل شکنی والے الفاظ استعمال کیے۔ اسی طرح اگر بچے سے کوئی غلطی سرزد ہو تو استاد کو اسے سمجھانا چاہیے۔ یہ اس بچے پر منحصر ہے اگر وہ پیار کی بات مانتا ہے تو پیار سے سمجھایا جائے۔ ورنہ اسے اکیلے میں بلا کر لہجے میں سختی لا کر اس سے بات کی جائے اور آئندہ غلطی پر سخت اقدام اٹھانے کی تنبیہ کی جائے۔

بچے سے سختی کو عادت نہ بنایا جائے ورنہ وہ باغی ہو جائے گا اور سختی بھی برائے نام کی جائے۔ لیکن اگر ایک بچہ بار بار اپنی غلطی دہرا رہا ہے تو کیا وہاں بھی یہ حکم لاگو ہو گا؟ یا غصے سے ہی بچہ بات سمجھ جائے گا یا پیار سے سمجھانا پڑے گا نہیں تو سختی یا سزا کے اور حربے استعمال کیے جائیں گے۔ یہ اس بچے کے مزاج پر منحصر ہے کہ آیا وہ ایک تھپڑ سے ہی سمجھ جائے گا یا

---

[128] سنن النسائی ،کتاب المساجد ،بَابُ : تَخْلِيقِ الْمَسَاجِدِ ح729، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور طریقہ اپنایا جائے گا۔ استاد کا مقصد سزا نہیں بلکہ ادب سیکھانا ہوتا ہے یا بچے کو اس غلط عادت سے بچانا ہوتا ہے۔ در حقیقت اب سکول میں مارنے پر پابندی ہے جبکہ بچے اب پہلے سے زیادہ شرارتی اور بدلحاظ ہو گئے ہیں اگر مار سے کام نہ لیا جائے تو پھر کون سا حربہ استعمال کیا جائے کہ بچے اس عادت کو چھوڑ دیں۔ اسی صورت میں ممکن ہے کہ بچوں کی نگرانی اتنی سخت ہو کہ وہ کوئی غلطی نہ کر سکیں اور کرنے کی صورت میں پہلے انھیں پیار سے الگ بلا کر سمجھایا جائے۔ آخری صورت میں ان کے والدین کو بلا کر انھیں آگاہ کر دیا جائے۔ یہ جرم کی نوعیت پر منحصر ہے کہ کون سا اقدام اپنایا جائے گا۔ کامیاب ادارہ وہی ہے جو مختلف حربے استعمال کر کے بچے کو اس بری عادت سے بچاتا ہے۔

والدین سے روابط:

ایک اچھے ادارے کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی کارگردگی سے ان کے والدین کو مطلع کرے والدین کی شمولیت نہ صرف ایک حق ہے بلکہ ایک ذمہ داری بھی ہے۔ ادارے اور والدین کے مابین تعلقات بچے کی کارگردگی کو فعال بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثالی تعلق بچے کی تعلیمی قابلیت فلاح و بہبود اور بڑھوتری کے جذبے کو متحرک کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر والدین کو بتایا جائے کہ ان کا بچہ کسی مضمون میں کمزور ہے اور وہ اس کمزوری کو اس طریقے سے دور کر سکتے ہیں تو وہ اس مضمون کو پڑھانے میں محنت زیادہ کریں گے اور اس کی اس کمی کو دور کریں گے۔ اگر وہ پریشان رہتا ہے تو اس کی وجہ جان کے اسے دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسا کام وہی ادارہ کرے گا جو بچوں کی تعلیم و تربیت میں مخلص ہو گا۔ وہ بھی والدین کی طرح بچوں کی کامیابی کا خواں ہو گا اور ہر اچھا ادارہ اپنے بچوں کی کامیابی میں ہی اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور بچے کامیاب اس وقت ہی ہوں گے جب اساتذہ کے والدین کے ساتھ روابط ہوں گے۔ محمد بن جمیل اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "طلباء اور طالبات کی تربیت کے لیے ہر بچے کے والد، والدہ، معلم اور معلمات کا مؤقف نظریہ اور سوچ متحد ہونی چاہیے۔ گھر اور سکول کی سوچ میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہونا چاہیے ورنہ بچوں کی زندگی میں اور ان کی سیرت و کردار میں بہت غلط اور منفی اثر پڑے گا"[129]

---

[129] اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت والدین اور اساتذہ کی ذمہ داریاں، محمد بن جمیل زینو، مترجم (ابوالقاسم حافظ محمود تبسم)، حدیبیہ پبلی کیشنز، 2004ء ص145

بقول مصنف کے اساتذہ اور والدین کی سوچ و نظریے کا متحد ہونا بھی ضروری ہے۔ دونوں میں تعارض بچوں کے کردار کو منفی بناتا ہے مثلاً بقول استاد کے بچہ انگلش میں کمزور ہے اور والدین نہیں مان رہے اور اپنے بچے کو بھی بتادیتے ہیں کہ اس کے استاد کا مؤقف غلط ہے تو بچے کے معصوم ذہن پر غلط اثر پڑے گا اور وہ اس مضمون میں مزید محنت نہیں کرے گا۔ دونوں میں رابطہ اور یکجا سوچ بچے کی کامیابی میں مثبت کردار ادا کرے گی۔

تحقیق سے معلوم ہوا کے کچھ سکولوں میں والدین اور اساتذہ کی مجالس (Meetings) ہوتی ہیں اور بہت سے اداروں میں سالانہ رزلٹ میں ہی ان کے والدین کو مطلع کیا جاتا ہے اور ان اداروں میں فیل ہونے والے بچے زیادہ ہیں اور پاس ہونے والے بچوں کے نمبرز بھی کم ہیں اگر یہ مجالس (Meetings) ہر ماہ بعد منعقد کی جائے تو نتیجہ اس کے برعکس ہو گا یہ ادارے کے پرنسپل پر منحصر ہے کہ وہ اپنے ادارے کو کامیاب بنانے کے لیے ایسا اقدام اٹھاتا ہے یا نہیں۔

درجہ بالا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ تعلیمی اداروں کے کردار کو بہتر اور قابل ستائش بنانے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی ادارے ایسے اقدام لیں جن کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے۔ مثلاً وہ اساتذہ کے انتخاب میں ماہر اور قابل لوگوں کو سامنے لائے۔ نصاب بہترین، اسلامی اقدار سے لبریز، اور جدید ٹیکنالوجی سے پرُ سامنے لائے۔ صباحی خطابات کو پر اثر بنائے، سمعی اور بصری معاونات کا استعمال کرے، اضافی سر گرمیوں کا انعقاد کرے تاکہ بچے اکتا نہ جائیں۔ طلباء کے لیے خصوصی اقدامات کرے۔ بچوں کی غلطیوں پر جرم کی نوعیت دیکھ کر ان کی سرزنش کرے۔ اور بچوں کے والدین کو بچوں کی ایک ایک حرکت اور کارکردگی کی خبر دے تاکہ بچوں کے ذہن میں ہو کہ ان سے کوئی پوچھنے والا ہے۔ اگر تعلیمی ادارے مندرجہ بالا اقدامات لیں تو ان کا کردار بہتر اور پر اثر ہو سکتا ہے

باب سوم: بچوں کی تعمیر سیرت میں مسجد کا کردار واثرات

فصل اول: اسلامی معاشرے میں مسجد کی ضرورت واہمیت

فصل دوم: بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت میں مسجد کا کردار واثرات

فصل سوم: تعمیر سیرت میں مسجد کے کردار کا شماریاتی جائزہ

فصل چہارم: مسجد کے کردار کی بہتری کے لیے ممکنہ اقدامات

فصلِ اوّل:

اسلامی معاشرے میں مسجد کی ضرورت واہمیت

فرد اور معاشرہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ جس طرح معاشرے کے بنا افراد کی کوئی حقیقت نہیں اسطرح افراد کے بنا معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے فرد کی اصلاح معاشرے کی اصلاح فرد کا بگاڑ پورے معاشرے کا بگاڑ ہے۔ معاشرہ تب ہی ترقی کی منازل کو طے کر سکتا ہے جب اس میں رہنے والے افراد تن و من سے اپنا وجود اس کے لیے وقف کرتے ہیں اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں اس لیے معاشرے کی اصلاح کا دار و مدار افراد پر ہے۔ اسلام نے افراد اور معاشرے کی اصلاح کا اہتمام بڑے ہی خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ بحیثیت مسلمان انسان کی اصلاح میں مسجد بنیادی اور اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مسجد: لغوی تعریف

مسجد (اسم مفعول) لفظ سجد سے نکلا ہے

تاج العروس من جواھر القاموس میں سجد کی وضاحت اس طرح سے کی گئی ہے

"سَجَدَ: خَضَعَ) ، وَمِنْه سُجُودُ الصَّلاةِ، وَهُوَ وَضْعُ الجَبْهةِ على الأَرض،"[130]

ترجمہ: سجد کا معنٰی ہے خضع یعنی کہ جھکنا اور اسی سے نماز کا سجدہ بھی مراد ہے اور سجدے سے مراد پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے۔

ابن منظور میں مسجد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"والمسجَد والمسجِد: الَّذِي يُسْجَدُ فِيهِ، وَفِي الصِّحَاحِ: وَاحِدُ الْمَسَاجِدِ. وَقَالَ الزَّجَّاجُ: كُلُّ مَوْضِعٍ يُتَعَبَّدُ فِيهِ فَهُوَ مسجَد"[131]

ترجمہ: مسجد سے مراد جہاں پر سجدہ کیا جاتا ہے اور مسجد واحد ہے اس کی جمع مساجد ہے اور زجاج میں ہے ہر وہ جگہ جہاں پر عبادت کی جاتی ہے اس سے مراد مسجد ہے۔

---

[130] تاج العروس من جواهر القاموس، 16/2

[131] لسان العرب ، ابن منظور، محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، دار صادر بيروت، 1414ھ، 204/3

جبکہ فیروز اللغات اردو کے مولف مسجد کی لغوی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"مسجد۔ سجدہ کرنے کی جگہ، نماز پڑھنے کی جگہ، مسلمانوں کا عبادت خانہ"،[132]

مسجد کی تعریفات سے معلوم ہوا کہ یہ امت مسلمہ کی سجدہ گاہ ہے۔اور عبادت کی جگہ کو مسجد کا نام دیا گیا ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سر جھکانا مسجد کہلاتا ہے۔۔

مسجد کی تاریخ:

دین اسلام میں مسجد کو ایک مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے اور آپ ﷺ سے پہلے بھی روئے زمین پر مسجد موجود تھی جس کے بارے میں عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

کعبہ دس بار تعمیر ہوا۔ سب سے پہلے اسے فرشتوں نے بنایا۔

دوسری بار آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔

تیسری بار شیث علیہ السلام نے تعمیر کیا اور یہ تعمیر طوفان نوح علیہ السلام میں گر گئی۔

چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

پانچویں بار قوم عمالقہ نے، چھٹی بار قبیلہ جرہم نے، ساتویں بار قصی بن کلاب نے (جو رسول اللہ ﷺ کے جد امجد ہیں) آٹھویں بار قریش نے، نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دسویں بار حجاج بن یوسف نے تعمیر کرایا۔[133]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا جو قرآن سے بھی ثابت ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[134]

ترجمہ: اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے تو دعا کر رہے تھے اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا، جاننے والا ہے۔

یوں مساجد کی تعمیر کا آغاز ہوا کعبہ جو کہ مسلمانوں کا مذہبی مرکز ہے اسے مختلف ادوار میں مختلف وجوہات کی بنا پر کئی بار تعمیر کیا گیا

---

[132] فیروز اللغات اردو، ص1225

[133] تیسیر القرآن، جلد1، ص107

[134] سورة البقرہ:127

آیت مبارکہ اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بھی بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا ہے شروع میں آپ ﷺ کی دعوت کا مرکز بیت اللہ ہی تھا۔ پھر کفار کی مخالفت کی بنا پر آپ ﷺ نے دار ارقم کو مختص کیا پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد کعبہ تکبیر سے گونج اٹھا۔تاہم کفار مکہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی۔ اولاد آدمؑ نے جب معاشرے کی شکل اپنائی تو سب سے پہلا کام بیت اللہ کی تعمیر تھا پھر بیت المقدس تعمیر کیا گیا جو احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں والد محترم کو گلی میں چلتے ہوئے قرآن سنا رہا تھا جب میں نے آیت سجدہ پڑھی تو والد محترم نے وہی سجدہ کیا میں نے پوچھا کیا ہم راستے میں سجدہ کر سکتے ہیں؟ کہا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے میں نے محمد ﷺ سے سوال کیا کے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ وَكَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ عَامًا، وَالْأَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُمَا أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّ))[135]

ترجمہ: مسجد الحرام میں نے عرض کیا پھر ،فرمایا مسجد الاقصیٰ میں نے پوچھا: ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے فرمایا چالیس سال کا،اور پوری روئے زمین تمہارے لیے سجدہ گاہ ہے،تو تم جہاں کہیں نماز کا وقت پاجاؤ نماز پڑھ لو۔

یوں روئے زمین پر مسجد کی ابتدا ہوئی۔اور مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد کو تعمیر کیا ۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ پھر جب اسلام نے سرزمین ارض سے باہر قدم نکالا تو اسلام کی روشنی کے ساتھ مساجد بھی تعمیر ہوتی گئی اور صرف مسلمانوں کے ممالک ہی نہیں بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی مساجد موجود ہیں اور اسلامی ممالک کی شان و شوکت ہی مساجد سے ہے۔ چنانچہ مسلمان ہونے کے ناطے پہلی ذمہ داری جو اس پر عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے۔ کیونکہ نماز ہی انسان کو خدا کے قریب کرتی ہے اس کی بندگی کا احساس دلاتی ہے انسان کو برے اور بے حیائی کے کاموں سے دور رکھتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ﴾[136]

ترجمہ: یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

---

[135] سنن النسائی، کتاب المساجد، بَابُ : ذِكْرِ أَيِّ مَسْجِدٍ وُضِعَ أَوَّلاً ، ح691، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
[136] سورۃ العنکبوت:45

ڈاکٹر وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلیؒ[137] اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بأن تكون سببا للانتهاء عن المعاصي حال الاشتغال بها وغيرها لأنها تذكر بالله، وتورث النفس خشية، أي من شأنها ذلك. والمنكر: القبيح شرعا وعقلا".[138]

ترجمہ: کہ یہ ایک سبب ہے گناہوں کے خاتمے کا جب اس میں مشغول ہوں یا اس کے علاوہ ہوں، کیوں کہ یہ خدا کی یاد دلاتی ہے اور نفس کو خشیت کا وارث بناتی ہے، اور منکر وہ چیز ہے جو شرعاً اور عقلاً بری ہو۔

جب انسان نماز پڑھتا ہے وہ خوف خدا میں گرفتار ہوتا ہے کوئی بھی برا کام ہوتے دیکھے گا یا خود کرتا ہے تو دل لرز رہا ہوتا ہے۔ ہر لمحہ یہ ڈر کے خدا کے سامنے کیسے جاؤں گا چونکہ وہ پانچ وقت خدا کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حاضری اسے بہت سے برے کاموں سے دور کر دیتی ہے۔ نماز فرد کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بحیثیت مسلمان فرد کی اصلاح کی ضامن نماز ہے اور فرد کی اصلاح پر معاشرتی اصلاح موقوف ہے۔ چونکہ افراد ہی معاشرے کی تشکیل کی وجہ ہیں اس لیے معاشرے کی تطہیر کے لیے نماز باجماعت قرار دی گئی اور باجماعت نماز کے لیے مسجد کا قیام ناگزیر ہے۔ اس لیے معاشرے کی تشکیل کے ساتھ ہی مسجد کی آبادکاری شروع ہوئی۔ درجہ بالا حقائق سے معلوم ہوا کہ مساجد کی آبادکاری ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور آج تک یہ کام جاری ہے تاہم اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے اس امر کو اجاگر کرنا اشد ضروری ہے کہ مساجد کی اہمیت کیا ہے؟ ذیل میں مسجد کی دینی، تعلیمی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی اہمیت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مسجد کی دینی اہمیت:

مسجد کے لفظ سے ہی ظاہر ہے کہ وہ امت مسلمہ کے لیے ایک سجدہ گاہ ہے اور بحیثیت مسلم ہمارا سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہوتا ہے۔ ایک سچا مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے اور انسان کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اسے ہی اپنا رب تسلیم کرنا ہے۔

رب تعالیٰ انسان کی تخلیق کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

---

137 ڈاکٹر وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلی 1932ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد قانون میں پی ایچ ڈی کی۔ جامعہ دمشق، جامعہ متحدہ عرب امارات، جامعہ خرطوم، ریاض اور سوڈان میں استاد کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ فقہ شافعی کے پیروکار تھے لیکن اس کے باوجود اپنی رائے رکھتے تھے، آپ کی کتب میں تفسیر منیر، اسلام میں جنگ اور امن، فقہ اسلامی کی تجدید، اسلامی فقہ کا خلاصہ وغیرہ شامل ہیں، آپ 2015ء کو فوت ہوئے۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/،3,7,2021

138 التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ، الزحيلي ،وهبة بن مصطفى ، دار الفكر المعاصر دمشق الطبعة : الثانية ، 1418ھ 247/20

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [139]

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ نے بتادیا اور وہ مقصد عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے اگر انسان کو عبادت کا حکم دیا تو انسان کو اس کے اپنے فائدے کے لیے کیونکہ وہ رب ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے اور اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت پورے ذوق وشوق سے کرے گا تو اسے صلہ بھی ملے گا۔

اور اگر دیکھا جائے تو عبادت کا مظہر اول نماز ہے اور مسجد بھی اسی جگہ کو کہتے ہیں جو نماز کے لیے وقف ہو جس میں خدا کی بندگی کی جائے اس کے آگے ہی سر تسلیم خم کیا جائے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دی جائے۔اس اعتبار سے مسجد کی دینی اہمیت بہت زیادہ ہے اس حوالے سے قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث طیبہ موجود ہیں جو مسجد کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ذیل میں آیات اور احادیث مسجد کی اہمیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ایمان کی دلیل:

مسجد کو آباد کرنا ایمان کی علامت ہے اور اگر دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو وہ شخص مومن ہے جو مسجد کو آباد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ﴾ [140]

ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر قاضی ثناءاللہؒ یوں کرتے ہیں:

"عمارت مساجد سے اس جگہ مراد ہمیشہ عبادت ذکر الٰہی اور علم وقران کی تعلیم سے مسجدوں کو آباد رکھنا اور مسجد کی آبادکاری کے ذیل میں آتا ہے مسجد کو بنانا سجانا روشن کرنا اور نامناسب امور سے اس کی حفاظت کرنا مثلاً خرید وفروخت اور دنیا کی باتوں سے اس کو پاک رکھنا" [141]

پھر اپنی بات کی تصدیق کے لیے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

---

[139] سورۃ الذاریات:56

[140] سورۃ التوبہ:18

[141] تفسیر مظہری، علامہ قاضی محمد ثناءاللہ پانی پتی، (سید عبدالدائم الجلالی) اردو بازار کراچی، 1999ء، ج/5ص134-135

((.إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ))[142]

ترجمہ: جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ مسجد کا عادی تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو"، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اللہ کا مہمان

مسجد کا مقام اتنا بلند ہے کہ مسجد میں جانے والا انسان اللہ کا مہمان ہوتا اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو گی انسان کا میزبان رب کریم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ))[143]

ترجمہ: جو شخص مسجد میں صبح شام حاضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کرے گا ۔

حصول مراد:

مسجد میں آنے والے انسان کی مراد اور آرزو پوری ہوتی ہے اگرچہ مانگی جانے والی دعا جائز ہو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ))[144]

ترجمہ: مسجد میں جو جس کام کے لیے آئے گا وہی اس کا نصیبہ ہے۔

اجر و ثواب کا مستحق:

زیادہ تر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے گھر مسجد سے دور ہیں اس لیے وہ مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن دیکھا جائے تو اس میں ان کے لیے بہتری ہے وہ جتنے دور سے آئیں گے انھیں اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْأَبْعَدُ فَالْأَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ أَجْرًا))[145]

---

[142] سنن الترمذي ،كتاب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ ،ح:3093 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[143] صحیح بخاری ،كتاب الأذان، بَابُ فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ-ح:662

[144] سنن ابی داود ،كتاب الصلاة ،باب فِي فَضْلِ الْقُعُودِ فِي الْمَسْجِدِ ،ح:472، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

[145] سنن ابن ماجہ ،كتاب المساجد والجماعات ،بَابُ : الأَبْعَدُ فَالأَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ أَجْرًا ،ح:782، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ترجمہ: مسجد میں جو جتنا ہی دور سے آتا ہے، اس کو اتنا ہی زیادہ اجر ملتا ہے۔

جنت کا حصول:

اپنا گھر تو اس روئے زمین پر تقریبا ہر انسان بناتا ہے جس کا فائدہ اس دنیا میں اسے اور اس کے گھر والوں کو ملتا ہے لیکن اس انسان کا سوچیں جو اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی مسجد تعمیر کرتا ہے اس کا فائدہ اسے آخروی زندگی میں ملے گا۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں

((مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا، بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ))[146]

ترجمہ: جس نے اللہ کے لیے مسجد بنوائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ویسا ہی گھر بنائے گا۔

اس جگہ جہاں پر انسان ایک نیکی کے لیے ترسے گا ایسے میں اسے خبر دی جائے اس کا جنت میں گھر ہے جو اللہ نے خاص اس کے لیے بنایا ہے تو اس کی خوشی اس وقت قابل دید ہو گی۔

مسجد کی سیاسی اہمیت:

سیاسی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مسجد ایک نمایاں اور منفرد اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرون اول میں مسجد کا بنیادی مقاصد نماز وذکر کے علاوہ سیاسی معاملات اور مشاورت کرنا تھا حتیٰ کہ تاریخ میں رقم ہے کہ آپ ﷺ نے معاہدے بھی مسجد میں کیے۔

ابن ہشام اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

((لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَدَخَلُوا عَلَيْهِ مَسْجِدَهُ حَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ، وَقَدْ حَانَتْ صَلَاتُهُمْ، فَقَامُوا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّونَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعُوهُمْ))[147]

ترجمہ: جب نصاری کا گروہ مدینے میں اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوا پس یہ لوگ مسجد میں آئے جب آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے ان کی نماز کا بھی وقت ہوا وہ نبی پاک ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو رسول پاک ﷺ نے فرمایا انھیں چھوڑ دو۔

---

[146] سنن ابن ماجہ ،كتاب المساجد والجماعات ،بَابُ : الْأَبْعَدُ فَالْأَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ أَجْرًا ،ح:736، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[147] السيرة النبوية ،عبد الملك بن هشام، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر،الطبعة: الثانية،1955ء، 574/1

آپ ﷺ نے جتنے بھی معاہدے کیے وہ مسجد نبوی میں کیے۔ حتیٰ کہ نجران کے مسیحی وفد کو بھی مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ آپ ﷺ نے انھیں مسجد میں عبادت کی اجازت بھی دی۔ اسی طرح مسائل کے حل کے لیے مشاورت مسجد میں ہی کی جاتی تھی نماز کے بعد مجلس شوریٰ کا انعقاد مسائل کے حل کے لیے ہوتا تھا۔ اور اس مجلس میں مسائل کے تدارک کے لیے تجاویز بھی دی جاتی۔ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا ان کی آواز آپ ﷺ کے حجرے میں پہنچی آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

((ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ))[148].

ترجمہ: تم اپنے قرض میں سے اتنا چھوڑ دو۔ آپ ﷺ کا اشارہ آدھے کا تھا۔ کہا یا رسول اللہ! میں نے ایسا کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اٹھو اور اس کا قرض ادا کرو۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ مسجد میں انسان اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کے سامنے جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا یعنی کہ مسجد میں فیصلے بھی کیے جا سکتے ہیں۔

مسجد کی اجتماعی حیثیت:

مسجد میں روزانہ پانچ وقت کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں اس وقت یہ خوبصورت منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جب ذات پات رنگ و نسل کی قید سے آزاد ہو کر جس کو جہاں جگہ ملتی ہے نماز پڑھتا ہے۔ پھر جمعہ کے خوبصورت دن کو ہی لے لیں جس میں تمام مراکز بند کر دیئے جاتے ہیں اور ہر مسلمان مسجد کی طرف جاتا ہوا نظر آتا ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَۚ﴾[149]

ترجمہ: اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن کی نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو اور بیع چھوڑ دو۔

---

[148] صحيح بخاری ،کتاب الصلاة ، بَابُ التَّقَاضِي وَالْمُلاَزَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ،ح:457

[149] سورة الجمعہ:9

جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسلمان تمام کام چھوڑ دیتے ہیں مسجدیں لوگوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں لوگ خطبات سنتے ہیں اور معلومات سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے گلے مل کر ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اجتماع کی ایک خوبصورت شکل ہوتی ہے۔

عیدین کی نماز لے لیں اب اس کا خوبصورت اجتماع بھی مسجد میں ہی ہوتا ہے ان سب سے ہٹ کر ایک مرکز ایسا ہے جہاں دنیا بھر کے مسلمان آتے ہیں اور اجتماعیت کی ایسی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہیں جو دنیا کا کوئی اور مذہب پیش نہیں کر سکتا وہ مرکز بیت اللہ ہے جہاں دنیا کے کونے کونے سے کعبے کے متوالے آتے ہیں۔

ظفیر الدینؒ[150] اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس عالمی اجتماع میں تمام ممالک کے نمائندے شریک ہیں کالے گورے، حبشی، مصری، ہندوستانی افریقی، یورپی ایشائی ان میں کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں سے مسلمان یہاں نہ آئے ہوں"[151]

یہ اسلام کی خوبصورتی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو ایک جگہ پر لے آتا ہے جہاں کوئی کسی سے بالا نہیں ہوتا سب برابر ہوتے ہیں اجتماع کی ایسی صورت کہیں نہیں ملتی یہ فضیلت صرف اسلام اور مسجد کو ہی حاصل ہے۔

مسجد کی تعلیمی اہمیت:

اسلام کے اوائل میں جہاں مساجد سے اور کام لیے گئے وہی مسجد کو شروع سے ہی تعلمی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس وقت کی مساجد کوئی عام مساجد نہیں بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہوتی تھی۔ انھی میں تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوتا تو یہی پر جنگی پروگرام ترتیب دیئے جاتے اور آپ ﷺ یہی پر اپنے وعظ و نصیحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہکو محظوظ فرماتے اسلام کا پہلا تعلیمی مرکز مسجد نبوی تھا۔

---

[150] مولانا ظفیر الدین 7 مارچ 1926 کو صوبہ بہار میں ضلع دربھنگہ کے ایک قصبہ پورہ نوڈیہہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند سے منسلک ہو گئے۔ آپ کی تصابیف میں درس قرآن، اسلام کا نظام مساجد، جزاو سزا کتاب و سنت کی روشنی میں، اسلام کا نظام امن، اسلام کا نظام حیات اور فتاویٰ دارالعلوم کی بارہ جلدیں شامل ہیں۔ 53 سال اپنی عمر دارالعلوم دیوبند کو دینے کے بعد 2008ء میں سبکدوشی کا فیصلہ کیا اور 31 مارچ 2011ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

https://www.asjaduqaabi.com/2021/01/blog-post_57.html,28,6,2021،

[151] اسلام کا نظام مسجد، مولانا ظفیر الدین، دارالاشاعت کراچی، 1957ص:31

مولانا شبلی نعمانیؒ[152] لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ میں تحریک اسلام کو آزاد ماحول میں میسر آیا تو معلم کتاب و حکمت ﷺ نے سب سے پہلے تعلیم و تربیت کے مسائل کو مستقل اور پائیدار بنیادوں پر حل کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حکمت و بصیرت کا فیصلہ یہ ہوا کہ تعلیم و تربیت کا مرکز ایسا ہونا چاہیے جہاں ہر روز مسلمانوں کا اجتماع ہو۔اور اس کی حیثیت فرض و وجوب کی ہو اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مسجد کا انتخاب کیا۔اس اعتبار سے مسجد نبوی اسلام کا پہلا مرکز تعلیم و تربیت ہے جس کے لیے آج کی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کی تعبیر اختیار کی جاسکتی ہے" [153]

مسجد نبوی ﷺ میں ایک جگہ مختص تھی جسے صفہ کا نام دیا گیا یہاں کے طلبہ دور دراز سے بے سر و سامانی کی حالت میں آتے یہ مقام ان کے دینی تعلیم و بحث و مباحثہ کے لیے تھا یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہی طلبہ معاشرے میں قابل ستائش تھے۔ حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی سادہ بناوٹ جو کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہکے مکان کے متصل تعمیر کی گی اس کے ایک کونے میں چبوترہ بنا کر اس کے اوپر چھت ڈال دی گی جسے صفہ کا نام دیا گیااس حصے میں مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے صحابہ اور مہاجرین رہائش رکھتے تھے ان لوگوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لیے وقف کر دی تھی یہ مقام صحابہ کرام کی رہائش اور دینی بحث و مباحثہ کے لیے مختص تھا"[154]

---

[152] آپ کا نام محمد شبلی تھا لیکن حضرت ابو حنیفہ سے نسبت کی وجہ سے آپ نے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کا اضافہ کیا۔ آپ 1857ء میں اعظم گڑھ کے نواحی قصبے اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ 1862ء میں علی گڑھ کے شعبہ عربی سے منسلک ہو گئے۔ یہاں پر سر سید خان اور دوسرے علمی اکابر کی معیت کی وجہ سے آپ کا علمی ذوق نکھرتا گیا۔ آپ کی بے شمار تصانیف میں۔ سیرت النبی ﷺ، الفاروق، عالمگیر، الغزالی، المامون، اور سیرت نعمان شامل ہیں۔ آپ 1914 کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے حیات شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ یوپی انڈیا، ص116

[153] سیرت النبی، شبلی نعمانی۔ مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2012ء، ج/1ص292-294

[154] عہد نبوی کے نظام تعلیم و تربیت میں صفہ اور اصحاب صفہ کا کردار، حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، رمضان 1420ھ، ص:154

ان اصحاب صفہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت آپ ﷺ خود کر رہے تھے پھر کیوں نہ یہ لوگ قابل ستائش ہوتے کہ ان کی تربیت معلم اعظم ﷺ خود فرما رہے تھے اور آپ ﷺ نے اپنی خوبیاں ان شاگردوں میں ودیعت کر دی جس کے نتیجے میں انھوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لیے وقف کر دی۔

مسجد کی معاشی حیثیت:

تاریخ اسلام کے اوراق کو پلٹا جائے تو مسجد کی معاشی حیثیت کا ادراک ہوتا ہے۔ کیونکہ ماضی میں مسجد ہی معاشرے میں مالی معاملات کا اہم اور مضبوط مرکز تھی۔ صدقات و خیرات، مال غنیمت ، زکوۃ، و فطرانہ کی تقسیم کا مرکز و محور مسجد ہی تھی تمام مال یہاں پر جمع ہوتا اور پھر اسی جگہ سے اسے تقسیم کیا جاتا۔ یہ نظام مسجد سے وابستہ رہا ہے اور آج بھی اسے بحال کیا جا سکتا ہے۔ مسجد میں نمازِ جمعہ ، رمضان المبارک اور عیدین کے موقع پر، زکوۃ و صدقات اور خیرات دینے کا جذبہ مزید بڑھ جاتا ہے جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث رسول ﷺ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ الْجُمُعَةَ الثَّانِيَةَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ الْجُمُعَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ تَصَدَّقُوا "فَتَصَدَّقُوا فَأَعْطَاهُ ثَوْبَيْنِ))[155].

ترجمہ: کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تم دو رکعتیں پڑھو، پھر وہ شخص دوسرے جمعہ کو بھی آیا اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے فرمایا تم دو رکعتیں پڑھو پھر وہ تیسرے جمعہ کو آیا، آپ نے فرمایا دو رکعتیں پڑھو پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا صدقہ دو تو لوگوں نے صدقہ دیا تو آپ ﷺ نے اس شخص کو دو کپڑے دیئے۔

مذکورہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں لوگوں سے صدقہ لیا اور ضرورت مند کی ضرورت کو اس صدقے سے پورا بھی کیا۔ اس طرح مال غنیمت کو بھی مسجد میں ہی لایا جاتا اور یہیں سے اسے تقسیم بھی کیا جاتا اور بحرین سے آنے والے جزیے کو بھی مسجد میں لا کر تقسیم کیا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[155] سنن النسائی ،کتاب الزکاۃ ، بَابُ : إِذَا تَصَدَّقَ وَهُوَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ هَلْ يُرَدُّ عَلَيْهِ ح 2537، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

((أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَ: انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ))[156]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا۔ فرمایا کہ اسے مسجد میں ڈال دو اور یہ رقم اس تمام رقم سے زیادہ تھی جو اب تک آپ ﷺ کی خدمت میں آچکی تھی۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی، جب آپ ﷺ نماز پوری کر چکے تو آکر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت جسے بھی آپ ﷺ دیکھتے اسے عطا فرما دیتے۔

درج بالا تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ ماضی میں مساجد معیشت کی مضبوطی میں کیسے استعمال ہوتی تھی اور نہ صرف استعمال ہوتی تھی بلکہ اہم اور مضبوط مرکز تھی۔ یہی سے لوگوں کی حاجتوں کو پورا کیا جاتا صدقات کی وصولی کے بعد انھیں تقسیم کیا جاتا اور آپ ﷺ نے بنفس نفیس اس کام کو خود سرانجام دیا۔

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ مسجد مسلم معاشرے کی ایک اہم کڑی ہے وہ مسلمانوں کے لیے شہ رگ کی سی حیثیت رکھتی ہے آج اس کا کردار مفقود ہو گیا ہے لیکن ماضی میں مساجد میں بے شمار سرگرمیاں سرانجام پاتی تھی۔ اسکی دینی اہمیت کا اندازہ متعدد آیات واحادیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں مسجد آباد کرنے والے کو مومن کہا گیا ہے اور ساتھ ہی مسجد میں آنے والے کو اللہ کا مہمان کہا گیا ہے۔ اور اس کو جنت کی گارنٹی دی ہے جو اللہ کے گھر کو تعمیر کرتا ہے۔ جیسے مسجد دینی اہمیت میں اپنی مثال آپ ہے ویسے ہی ماضی میں مشاورت، معاہدات، اور فیصلوں کے لیے بھی مسجد کا کردار قابل تعریف تھا۔ ماضی میں مساجد معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی اور ضرورت مندوں کی حاجات بھی مساجد میں پوری کی جاتی تھی۔ تعلیم وتربیت کا خاص مرکز مساجد ہی تھی اگرچہ اس کا یہ کردار آج بھی موجود ہے۔ آج بھی مساجد اجتماعیت کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں، نماز میں حاضری اور ایک ہی صف میں امیر وغریب کا ہونا مساوات کی ایسی مثال پیش کرتا ہے جو دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔

---

[156] صحیح بخاری ،کتاب الصلاة ،بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ:421

فصل دوم:

بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت میں مسجد کا کردار واثرات

اسلامی معاشرے میں بچوں کی تعلیم وتربیت میں دیگر ساجی عوامل کے ساتھ ساتھ مسجد بھی اپنا ایک اہم اور منفرد کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں مسجد کو انسانیت کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک بنیادی اور مرکز کی سی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ مساجد نے ہی تعلیم وتربیت کے عمل کو آگے بڑھایااور آج جہاں مساجد کااور کردار مفقود ہو گیا ہے وہاں پر تعلیم و تربیت کا عمل آج بھی مساجد میں اپنی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔ مسجد جہاں انسانیت کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے وہی پر وہ بچوں کو اسلامی تعلیمات وزندگی کے آداب سے متعارف بھی کراتی ہے۔ اس فصل میں اسی بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ دورِ جدید میں بچوں کے کردار اور اخلاق کو بہتر بنانے میں مساجد کا کیا کردار ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک اسلامی معاشرے میں مسجد درج ذیل حوالوں سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مذہبی کردار:

مسجد کے قیام کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد نماز وعبادات کا اہتمام وقیام ہے۔ چونکہ نماز دینِ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اس لیے ایک اسلامی معاشرے میں نماز کی تعلیم اور عملی تربیت گاہ مسجد ہی کو تصور کیا جاتا ہے۔ نماز کے قیام کے لیے ضروری دیگر عوامل مثلاً طہارت وغیرہ کی علمی و عملی تربیت بھی مسجد میں دی جاتی ہے۔ اس لیے مسجد مذہبی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

طہارت وپاکیزگی:

اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان کو مسجد جانے سے پہلے اپنے جسم ولباس کو پاک صاف کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بچے جب مسجد جاتے ہیں تو سب سے پہلے وضو یا غسل کے ذریعے بدنی طہارت حاصل کرتے ہیں اور صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں اس طرح تمام تر غلاظت وگندگی سے پاک ہو کر پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ اور پاکیزگی روحانیت کی بنیاد ہے۔ آپ ﷺ نے صفائی کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلطهورُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ))[157]

---

[157] صحیح مسلم،کتاب الطهارة، باب :فصل الوضوء، ح534

ترجمہ: صفائی نصف ایمان ہے۔

جلال الدین سیوطیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وَالْمرَاد بِهِ الْفِعْل شطر الْإِيمَان أَي نصفه وَالْمعْنَى أَن الْأجر فِيهِ يَنْتَهِي تَضْعِيفه الى نصف أجر الْإِيمَان"[158]

ترجمہ: اور شطر الایمان سے مراد نصف ایمان ہے اور اس کا معنٰی ہے اس کا اجر پہنچ جائے گا ایمان کے نصف اجر سے دوگنا تک۔

معلوم ہوا کہ شطر ایمان نصف ایمان ہے لیکن اس کا اجر دوگنا ملے گا۔ اب یہاں صفائی سے مراد پاکیزگی ہے اور پاکیزگی گندگی کے خاتمے سے حاصل ہوتی ہے۔ گندگی سے مراد نجاست جسم کے کسی حصے میں لگ جائے یا غسل فرض ہو گیا یا وضو ٹوٹ گیا وغیرہ، ان سب کے خاتمے کا نام "طہارت" ہے۔

اس طرح مسجد دو حوالوں سے بچوں کی طہارت اور پاکیزگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ ایک مسجد میں طہارت کے بغیر جانے کی پابندی ہے اس لیے نماز کی ادائیگی کے لیے بچے طہارت کا حصول ممکن بناتے ہیں دوسرا عملی طور پر مساجد میں بچوں کو طہارت کے احکام و مسائل اور عملی تربیت دی جاتی ہے۔

نماز و دیگر عبادات کا اہتمام:

دینِ اسلام میں انسان کو ایک مکمل نظام زندگی عطا کرتا ہے۔ یہ نظام جہاں انسان کو دنیاوی ضروریات کے حصول کا حکم اور تلقین کرتا ہے وہاں یہ انسان کی روحانی بالیدگی کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ روحانی سکون اور ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبادات کا ایک اہم سلسلہ مقرر فرمایا ہے۔ نماز اس سلسلے میں ایک بنیادی مقام رکھتی ہے۔ بچے مسجد میں جا کر نماز سیکھتے اور پڑھتے ہیں جب وہ گھر میں کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو ان کی نماز کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے اور مسجد میں بھی وہ اسی خواہش سے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مُرُوا أَوْلادَكُمْ بِالصَّلاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ))[159]

ترجمہ: تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو انھیں نماز کی تلقین کرو۔ جب دس برس کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انھیں مارو۔

---

[158] الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، سيوطى،عبد الرحمن بن أبي بكر، دار ابن عفان للنشر والتوزيع المملكة العربية السعودية ، 1416 ھ،12/2

[159] سنن ابی داود، كتاب الصلاة ،باب مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلاَمُ بِالصَّلاَةِ ،ح495، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں والدین کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز کی طرف راغب کریں اور سات سال تک انھیں زبانی کلامی ہدایت کریں اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ کر بھی نماز نہ ادا کریں تو انھیں سزا دیں۔ نماز کی ادائیگی سے ان میں توحید کا تصور پختہ ہو گا اللہ سے رشتہ مضبوط ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ﴾[160]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو نماز کے قیام کا حکم دیا کہ اے انسان میری یاد کو اپنے دل میں زندہ و پختہ رکھنے کے لیے نماز کا اہتمام کر۔ گویا نماز انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے، اللہ کا قرب عطا کرتی ہے۔ نمازی کے دل میں توحید کا تصور پختہ کرتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں مسجد کی تعمیر کا اولین مقصد نماز اور خاص طور پر باجماعت نماز کا قیام و اہتمام ہے۔ یہی مسجد ہمارے معاشرے کے بچوں کی اس دینی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ بچے مسجد میں جا کر باقاعدہ نماز کی تعلیم و تربیت اور عملی صورت میں اس کے قیام کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ نماز کی ادائیگی بچے کو خدا کے قریب کرے گی اور اللہ تعالیٰ ت کی یاد اسے باقی تمام برائیوں سے دور کر دے گی۔ الغرض مذہبی تعلیم میں مسجد اہم کردار ادا کرتی ہے۔

معاشرتی کردار:

مسجد مسلم معاشرے کی ایک خوبصورت اور اہم نشانی ہے۔ مسجد اپنے اولین اور بنیادی مقصد کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر معاشرتی و سماجی امور بھی سرانجام دیتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں مسجد بچوں میں درج ذیل معاشرتی و سماجی اقدار پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر اور نماز کے بعد ایک دوسرے سے ملاقات اور ایک دوسرے کے احوال جانتے دیکھ کر ان میں اخوت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اخوت ایک اہم معاشرتی قدر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ﴾[161]

ترجمہ: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

---

[160] سورۃ طٰہٰ:14

[161] سورۃ الحجرات:10

اس آیت کی تشریح میں معروف مفسر سید قطبؒ لکھتے ہیں:

"أن يكون الحب والسلام والتعاون والوحدة هي الأصل في الجماعة المسلمة،."[162]

ترجمہ: کہ محبت سلامتی، تعاون اور اتحاد یہ اسلامی جماعت کی اصل ہیں۔

بے شک مسلمان کی رگ رگ سے مندرجہ بالا اقدار ٹپک رہی ہوتی ہیں وہ مومن بھائی کی مصیبت میں مدد کر کے بھائی ہونے کا فرض ادا کرتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی یہی درس دیتا ہے۔ بچے مسجد میں اپنے بڑوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر ذات پات اور رنگ و نسل کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں کیونکہ مسجد میں رنگ و نسل امیر و غریب گورے اور کالے بڑے اور چھوٹے میں کوئی امتیاز نہیں رہتا جس کو جہاں جگہ ملتی ہے وہ وہی نماز پڑھتا ہے۔ نہ تو جگہ کی کوئی قید ہے اور نہ ہی رنگ و نسل کو کوئی برتری۔

علامہ اقبالؒ نے اس اخوت اسلامی اور مساوات کا نقشہ کچھ اس طرح کھنچا ہے:

"ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز"[163]

نمازی جب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو امیر و غریب کا فرق مٹ کر مساوات کا درس ملتا ہے۔ نماز میں کھڑے لوگوں کو دیکھ کر ان سے مل کر بچے میں جذبہ اخوت راسخ ہو جاتا ہے وہ اور بچوں سے ملے گا کسی بڑے کا احترام کرے گا کسی کے سلام کا جواب دے گا تو حقوق و فرائض کی ادائیگی سے سبکدوش بھی ہو گا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ "فَرَدَّ إِشَارَةً))[164]

ترجمہ: میں رسول ﷺ کے پاس سے گزرا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے جواب دیا۔

---

162 في ظلال القرآن، الشاربي ،سيد قطب إبراهيم حسين ،دار الشروق بيروت القاهرة، 1412ھ، ج6،3343

163 بانگ درا، محمد اقبال، اقبال اکادمی لاہور، 2002ء، ص184

164 سنن ابی داود ،كتاب تفريع استفتاح الصلاة ،باب رَدِّ السَّلاَمِ فِي الصَّلاَةِ ،ح925 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ بچے جب سلام کریں گے تو کسی کی سلامتی کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کو بھی ادا کریں گے اور یہ عادت ان میں راسخ ہو جائے گی۔ پھر بڑے ہو کر وہ سلام کے ساتھ دوسروں کی سلامتی کی وجہ بھی بنیں گے اور بڑوں کا احترام انھیں بڑوں سے محبت کی طرف مائل کرے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قول کو بیان کرتے ہیں:

((مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ)) [165]

ترجمہ: جو جوان کسی بوڑھے کا اس کے بڑھاپے کی وجہ سے احترام کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر فرمادے گا جو اس عمر میں یعنی بڑھاپے میں اس کا احترام کریں۔

اگر بچے بزرگوں کا یا اپنے سے بڑے کی عزت و احترام کریں گے تو وہ دن واپس لوٹ کے آئے گا جب ان کا احترام کرنے کے لیے بھی کوئی موجود ہو گا۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں بچے مسجد میں اپنے سے بڑوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ ان کا بھی معمول بن جائے گا۔

تعلیم و تربیت میں مسجد کا کردار:

بچوں کی تعلیم و تربیت میں مسجد اہم کردار ادا کرتی ہے بچے جب مسجد میں جاتے ہیں وہ اپنے اطراف میں ہونے والے تمام کاموں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ بڑوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر اس کا طریقہ سیکھتے ہیں قرآن مجید پڑھنا سیکھتے ہیں مسنون دعائیں سیکھتے ہیں۔ دیکھا جائے تو اوئل اسلام میں بھی مسجد کو تعلیم و تربیت کے لیے استعمال کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کام کو پسند بھی کیا اور نہ صرف پسند کیا بلکہ خود اس میں شرکت بھی کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دن مسجد میں آئے اور دو حلقوں کو دیکھا ایک حلقہ تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار میں مصروف تھا اور دوسرا پڑھنے پڑھانے میں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُونَ اللَّهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ")) [166]

---

[165] سنن الترمذي ،كتاب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب مَا جَاءَ فِي إِجْلاَلِ الْكَبِيرِ،ح2022 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[166] سنن ابن ماجه ،المقدمة، بابُ : فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ ،ح229، شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

" ترجمہ: دونوں حلقے نیکی کے کام میں ہیں، یہ لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں، اور اللہ سے دعا کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں دے اور چاہے تو نہ دے، اور یہ لوگ علم سیکھنے اور سکھانے میں مشغول ہیں، اور میں تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر انہیں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

آپ ﷺ نے علم کی مجلس کو پسند کیا اور خود بھی اس کا حصہ بن گئے اور مسجد نبوی میں آپ ﷺ اپنے علم سے اپنے شاگردوں کو سیراب کرتے صفہ نامی چبوترے پر آپ ﷺ اپنے صحابہ کی تربیت کرتے۔

محمد حمید اللہؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

" صفہ دن میں ایک مدرسہ بن جاتا رات کو دارالاقامہ اور بورڈنگ یہاں اعلی تعلیم تو خود آپ ﷺ دیا کرتے تھے لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا یہ کام نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم رضا کاروں کے سپرد تھا"[167]

اس مجلس کے تیار کردہ اور آپ ﷺ کے زیر تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہنے مختلف علاقوں اور مساجد میں موجود لوگوں کی تربیت کی اور انھیں علم کی دولت سے مالا مال کیا اور آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی تعلیم سے بہرہ مند فرمایا۔

مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

"درس گاہ مسجد بنی زریق تھی پہلی مسجد مدینے میں جس میں قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی یہاں کے ایک اہم استاد و مربی حضرت رافع رضی اللہ عنہتھے....آپ کی تعلیمی و تربیتی صلاحیت اور جودت فکر کو دیکھ کر معلم اعظم ﷺ بے حد مسرور ہوتے تھے....ایک اور قاری قران حضرت سالم رضی اللہ عنہکو آپ ﷺ نے قرآن پڑھتے سنا تو فرمایااللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں سالم رضی اللہ عنہ جیساقرآن کا قاری وعالم پیدا کیا ہے"168

مذکورہ عبارت واضح کرتی ہے کہ ماضی میں قرآن کی تعلیم مسجد میں دی جاتی تھی آج بھی مساجد کا یہ کردار زندہ ہے اور قرآن کی تعلیم کا مرکز و محور یہی مساجد ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی تعلیم سرگرمیاں مساجد میں سرانجام دی جاتی ہیں

---

[167] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اردو اکیڈمی کراچی، 1981ء ص: 291

[168] خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، ادارہ اسلامیات لاہور، 2000ء، ص: 31-30

جیسا کہ مسنون دعائیں، نماز کی عملی مشق، وضو کا عملی طریقہ ، خطبات و مجالس۔ان سب میں تعلیم و تربیت کا عنصر ہی کار فرما ہوتا ہے اور بچے بچپن سے مسجد میں جاتے ہیں اور ان کی دینی تعلیم کا مرکز یہی مسجد ہوتی ہے۔

نظم وضبط کے پابند:

زندگی کو خوبصورت منظم اور پر سکون بنانے کے لیے نظم وضبط کا اصول زندگی کے ہر شعبے میں اشد ضروری ہے۔ بچے تربیت کے مختلف مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں ان کو نظم وضبط کا عادی بنانا ضروری ہے۔ کائنات کے نظام کو دیکھا جائے سورج اور چاند کا بر وقت طلوع اور غروب ہونا، دن اور رات کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا سب اپنے اپنے وقت پر ہو رہا ہے اور ایک منظم طریقے سے ہو رہا ہے۔ نماز کو ہی لی لیں ہر ایک کا وقت مقرر ہے اور ادائیگی کے لیے ترتیب ضروری ہے اور نماز باجماعت کے لیے امام کی پیروی ضروری ہے۔ نظم وضبط کا درس ہمیں نماز اور امام کی اقتداء سے ملتا ہے۔
حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیں سکھاتے کہ ہم امام سے پہلے رکوع اور سجود نہ کریں اور فرماتے:

((إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا))[169]

ترجمہ: جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ مبارکہ کرو۔

حدیث مبارکہ میں نمازی کو امام کی اقتدا کا کہا گیا ہے امام کی پیروی سے نظم وضبط کا اظہار ہوتا ہے نماز کا پابند نظم وضبط کا پابند ہو جاتا ہے اور اس کے روز مرہ کے کاموں میں ترتیب آ جاتی ہے۔بچے جب مسجد میں پانچ وقت جاتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، امام کی پیروی کرتے ہیں، صف بندی کرتے ہیں اس طرح وہ بھی نظم وضبط کے پابند ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ تربیت کے مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں دوران تربیت جب وہ نظم وضبط کے پابند ہو جاتے ہیں تو ان کے تمام کام بر وقت اور سہل بھی ہو جاتے ہیں اور زندگی سے اکتاتے بھی نہیں ہیں۔

درجہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ مسجد بچوں کی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مسجد بچوں کو اپنے مذہب کے قریب کرتی ہے اور اسلامی تعلیمات سے متعارف کراتی ہے۔ مسجد بچوں کو پاک وصاف رہنے کی عادت ڈالتی ہے۔ وضو اور نماز کی عملی تربیت مسجد میں ہی ہوتی ہے۔ مسجد میں جمعہ و عیدین کے خطبات میں متفرق مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ان خطبات میں بچوں کی موجودگی سے وہ ان مسائل سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے روشناس

---

[169] سنن ابن ماجہ ،كتاب إقامة الصلاة والسنة،بَابُ : النَّهْيِ أَنْ يُسْبَقَ الإِمَامُ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُود، ح960، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

بھی ہوتے ہیں۔ مسجد میں نماز کے بعد لوگوں کو آپس میں ملتا دیکھ کر بچے اخوت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور ایک ہی صف میں مختلف لوگوں کی حاضری سے وہ مساوات کی لڑی میں جڑ جاتے ہیں۔ پانچ وقت کی نماز میں حاضری سے ان میں نظم وضبط کی ایسی عادت مستحکم ہوتی ہے جس کی وجہ سے کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے، الغرض مسجد بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

فصلِ سوم:

تعمیر سیرت میں مسجد کے کردار کا شماریاتی جائزہ

بچوں کی شخصیت کو بنانے میں جہاں بے شمار عناصر و عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں وہی پر ان کی سیرت کو تعمیر کرنے میں مسجد کا کردار بھی اہم ہے۔ بحیثیت مسلمان اسلامی اور دینی تعلیم و تربیت کے لیے مسجد کا کردار ہمیشہ سے قابل ستائش رہا ہے اور آج بھی مساجد میں تعلیم و تربیت کا کام تحسین کے لائق ہی ہے۔ آج بھی دینی تعلیم کے لیے مساجد ہی مختص ہیں۔ آزاد کشمیر میں مساجد کی تعداد 5462 ہے جبکہ سدھنوتی میں 220 مساجد موجود ہیں۔[170] ذیل میں ضلع سدھنوتی میں پرائمری جماعت کے بچوں کی تعمیر سیرت میں مسجد کے کردار کا شماریاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ بچوں کے جوابات کی روشنی میں مسجد کے کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے اور حتمی نتائج کو فیصد اور چارٹ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں سوالنامہ اور اس کی روپورٹ پیش کی جاتی ہے۔

[170] Bureau of Statistics, P&DD, Azad Govt. of The State of Jammu and Kashmir, Muzaffarabad,Statistical year book 2019,p58

سوال نمبر 1: کیا آپ مسجد جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	182	92	90	91%
نہیں	07	03	04	3.5%
کبھی کبھی	11	05	06	5.5%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.1

مذکورہ سوال کے جواب میں 91% بچوں نے ہاں اور 3.5% نے نہیں جبکہ 5.5% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.1 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
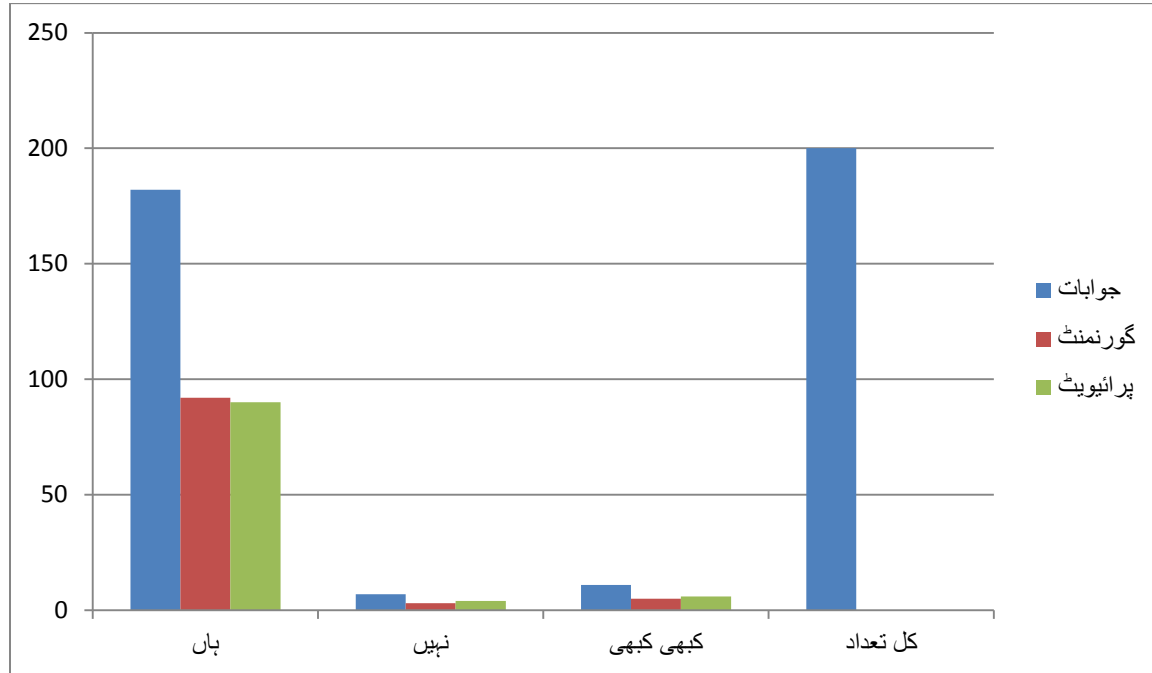
چارٹ نمبر 3.1

سوال نمبر2: کیا آپ قرآن پاک پڑھتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	178	90	88	89%
نہیں	10	06	04	5%
کبھی کبھی	12	04	08	6%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر3.2

مذکورہ سوال کے جواب میں89% بچوں نے ہاں اور5% نے نہیں جبکہ6% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل3.2 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
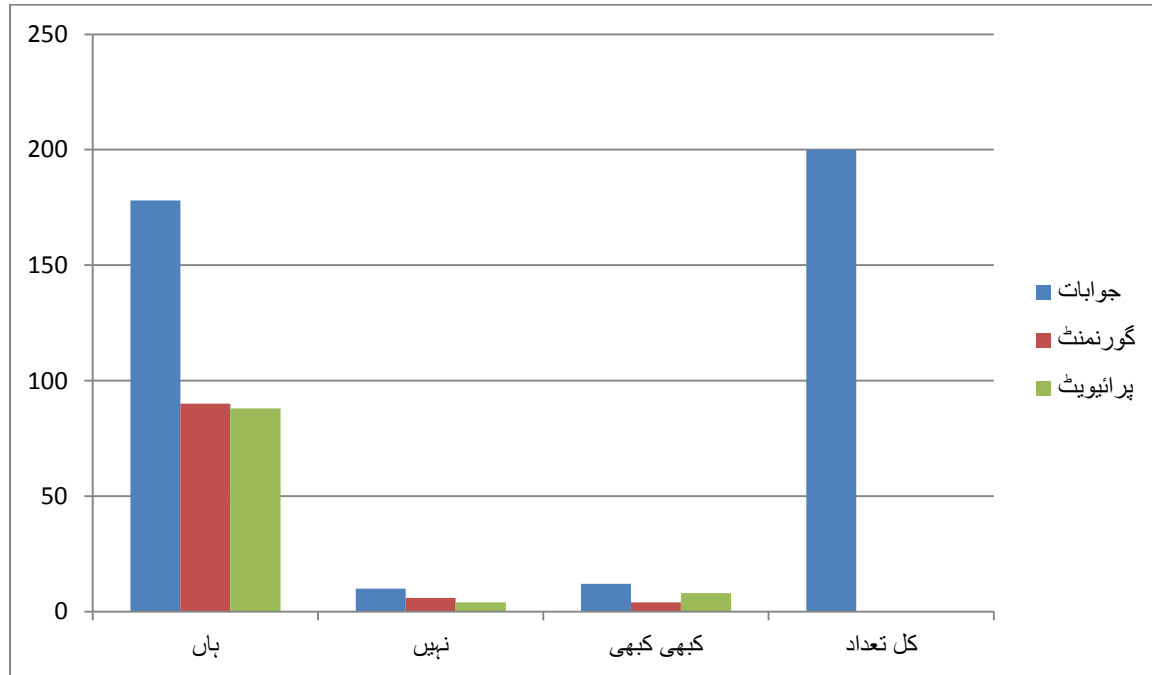
چارٹ نمبر3.2

سوال نمبر 3: کیا آپ کے ابو اور بھائی آپ کے ساتھ مسجد جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	74	41	33	37%
نہیں	106	49	57	53%
کبھی کبھی	20	10	10	10%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.3

مذکورہ سوال کے جواب میں 37% بچوں نے ہاں اور 53% نے نہیں جبکہ 10% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.3 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
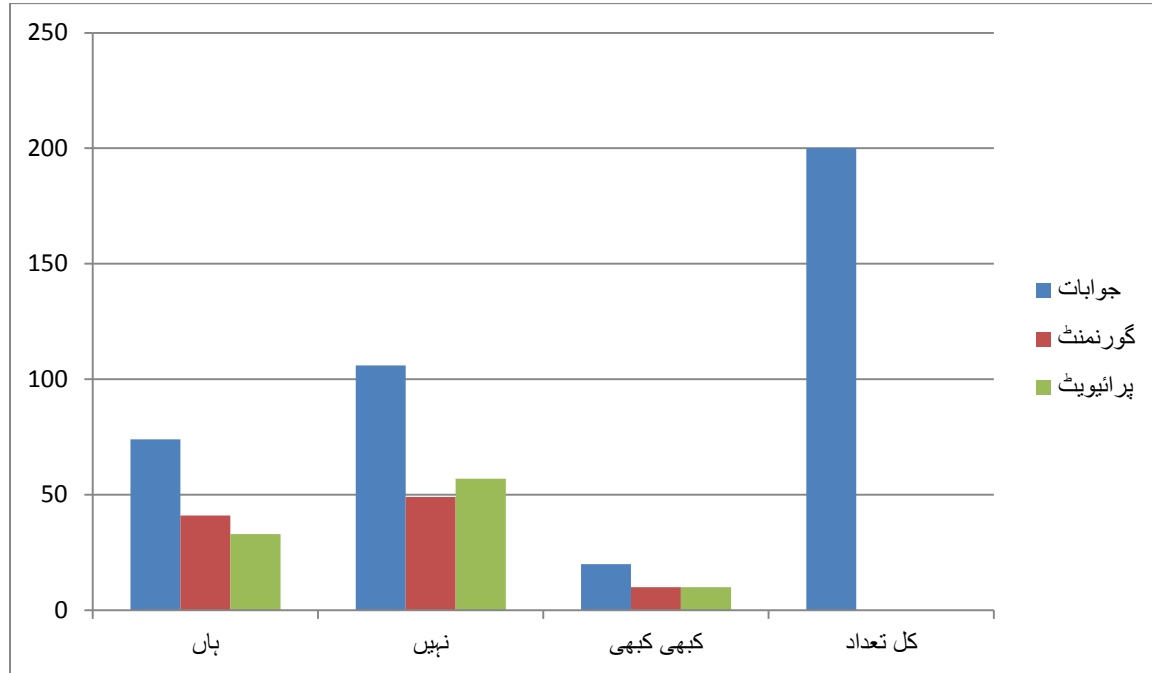
چارٹ نمبر 3.3

سوال نمبر 4: کیا قاری صاحب آپ کو کلمے اور دعائیں سکھاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	182	92	90	91%
نہیں	18	08	10	9%
کبھی کبھی	00	00	00	0
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.4

مذکورہ سوال کے جواب میں 91% بچوں نے ہاں اور 9% نے نہیں میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.4 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
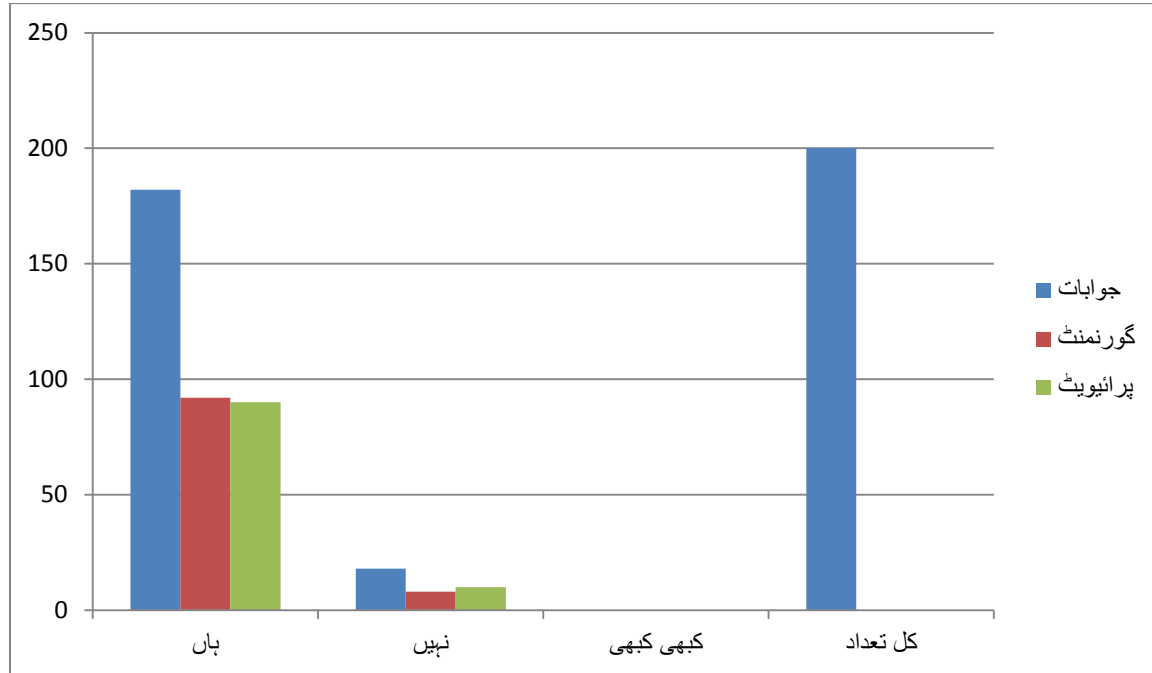
چارٹ نمبر 3.4

سوال نمبر 5: کیا قاری صاحب آپ کو وضو کی عملی تربیت (مشق) کرواتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	172	86	86	86%
نہیں	00	00	00	0
کبھی کبھی	28	14	14	14%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.5

مذکورہ سوال کے جواب میں 86% بچوں نے ہاں جبکہ 14% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.5 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
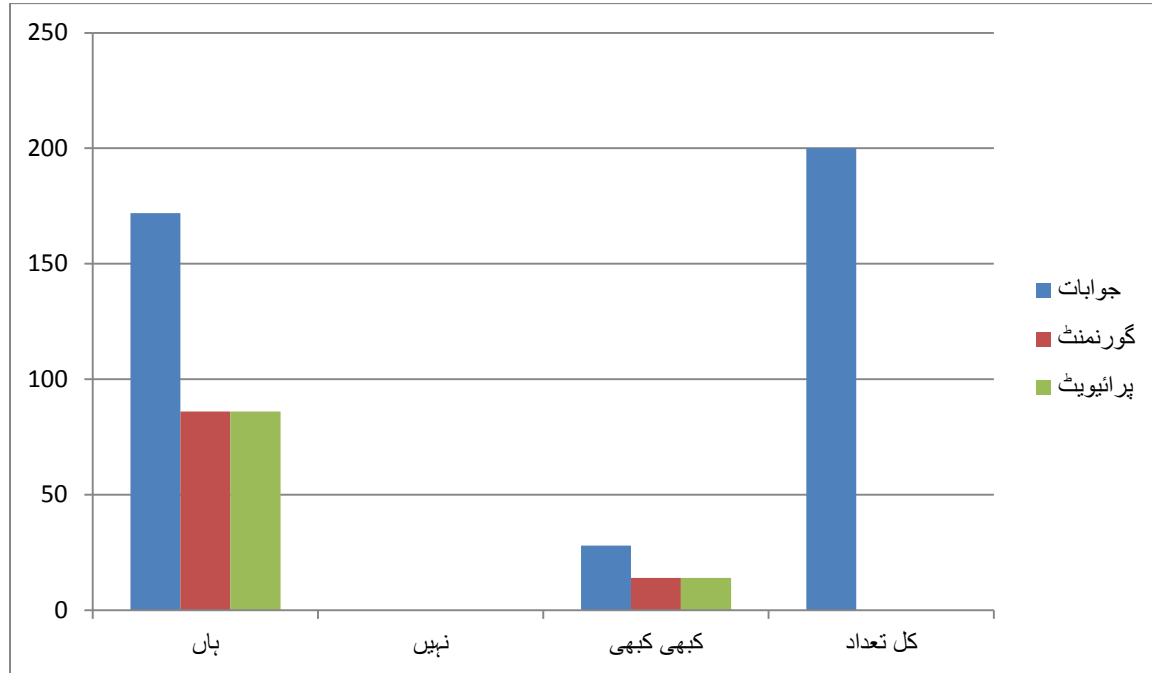
چارٹ نمبر 3.5

سوال نمبر6: کیا قاری صاحب آپ کو نماز کی مشق کرواتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	156	79	77	78%
نہیں	00	00	00	0
کبھی کبھی	44	21	23	22%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر3.6

مذکورہ سوال کے جواب میں 78% بچوں نے ہاں جبکہ 22% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.6 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
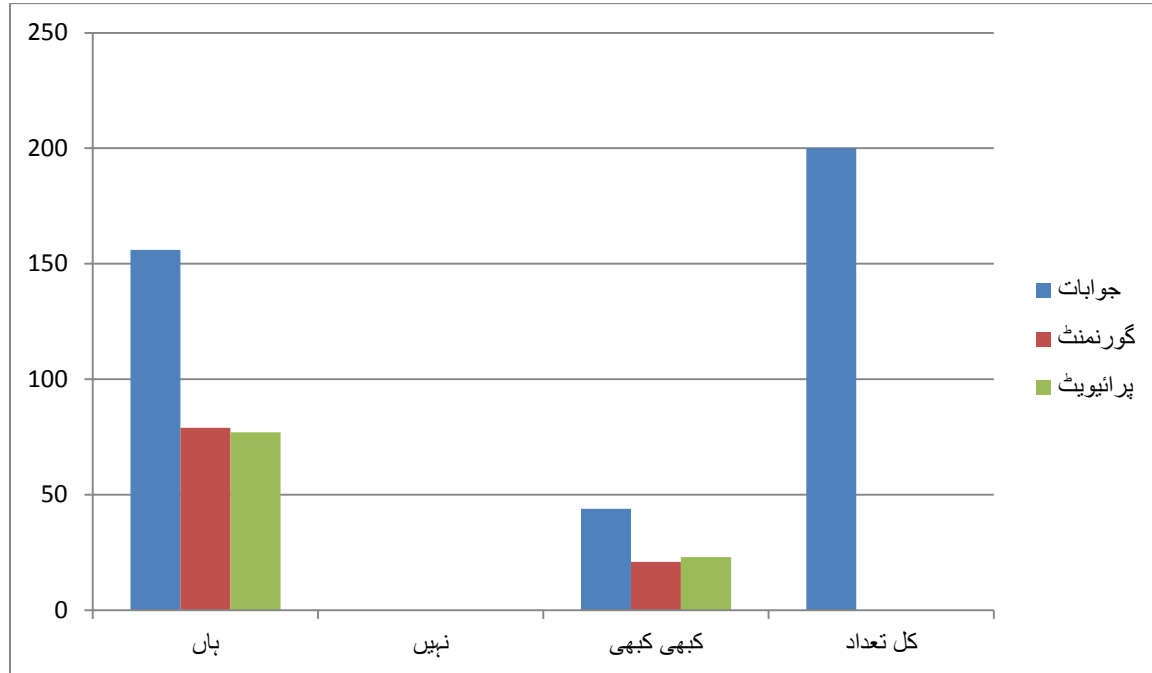
چارٹ نمبر3.6

سوال نمبر 7: کیا آپ کو مسجد میں دینی مسائل سکھائے جاتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	170	88	82	85%
نہیں	06	02	04	3%
کبھی کبھی	24	10	14	12%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.7

مذکورہ سوال کے جواب میں 85% بچوں نے ہاں اور 3% نے نہیں جبکہ 12% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.7 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
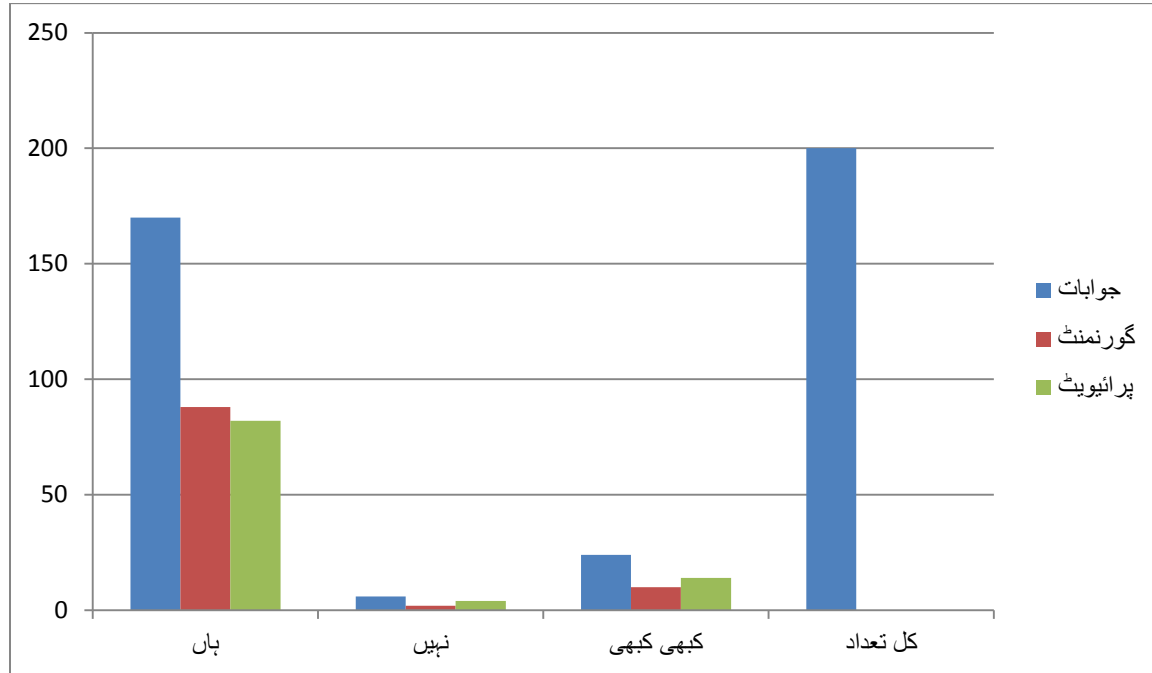
چارٹ نمبر 3.7

سوال نمبر 8: کیا آپ کو مسجد میں آپ ﷺ سے محبت کا درس دیا جاتا ہے؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	182	92	90	91%
نہیں	00	00	00	0
کبھی کبھی	18	08	10	9%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 3.8

مذکورہ سوال کے جواب میں 91% بچوں نے ہاں جبکہ 9% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 3.8 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
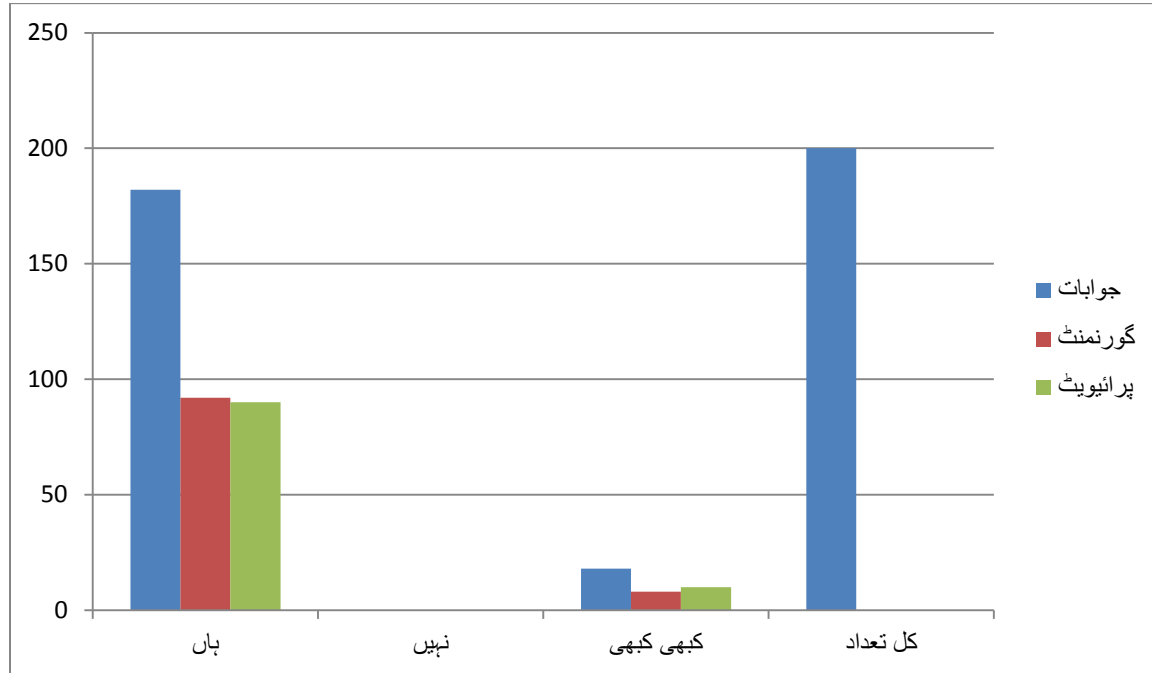
چارٹ نمبر 3.8

مذکورہ بالا ایک سوال (کیا آپ کے ابو اور بھائی آپ کے ساتھ مسجد جاتے ہیں؟) کا 53% بچوں نے نہ میں جواب دیا ہے۔اس کے علاوہ باقی تمام سوالات کے نتائج مثبت سامنے آئے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں تعلیم و تربیت کا کردار آج بھی موجود ہے اور ہمارے بچوں کی دینی تعلیم کا مرکز و محور مسجد ہی ہے۔اور جس سوال کا نتیجہ منفی ہے اس میں کوتاہی گھر کی طرف سے ہے نہ کہ قاری صاحبان کی طرف سے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام بچوں کے والدین گھر نہیں ہوتے۔اور دوسرا بچے مسجد میں قرآن پڑھنے جاتے ہیں اس وقت والدین کی حاضری ضروری نہیں نیز یہ گاؤں میں مساجد گھروں سے دور ہوتی ہیں آبادی کافی کم ہوتی ہے راستے بھی دشوار گزار ہوتے ہیں اور پورے محلے کے لیے ایک ہی مسجد ہوتی ہے لیکن بڑوں پر لازم ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی کو مساجد میں یقینی بنائیں تاکہ ان کے بچوں میں ان کی یہ عادت مستحکم ہو سکے۔اس کے علاوہ 3.5% بچے مسجد نہیں جاتے۔ان سے بات چیت کے دوران معلوم ہوا کہ مساجد ہی بہت دور ہیں اور 5% بچے پہلے ہی قرآن ختم کر چکے ہیں۔البتہ مسجد کا کردار آج بھی تعلیم و تربیت کے حوالے سے مثبت، فعال اور سرگرم نظر آتا ہے۔

فصلِ چہارم:

مسجد کے کردار کی بہتری کے لیے ممکنہ اقدامات

مسجد مسلمانوں کی انفرادی اور اجتمائی زندگی کا مرکز و محور ہے۔اسلامی معاشرے میں مسجد وہی مقام رکھتی ہے جو انسان کے جسم میں دل کا ہے۔مسجد مسلم معاشرے کا ایک عظیم دینی شعار ہے۔یہ روئے زمین پر خدا کا بہترین تحفہ ہے اسے اللہ کا گھر کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں پر ہی اس کی عبادت کی جاتی ہے اسی کے آگے سر جھکایا جاتا ہے اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ مسجد تمام مسلمانوں کی روحانی تربیت کا مرکز ہے۔ مسلمانوں کا مساجد سے قلبی لگاؤ ان کے ایمان کی نشانی کو ظاہر کرتا ہے۔اس کی اہمیت قرآن وحدیث میں بھی آئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿إِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنۡ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ﴾ [171]

ترجمہ: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر محمد ثناء اللہؒ یوں کرتے ہیں:

"خص الله سبحانه عمارة المسجد بالمؤمنين فانهم هم الجامعون لهذه الكمالات العلمية والعملية"[172]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مسجد بنانے کو مومنین کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ ان میں علمی اور عملی کمالات جمع ہوتے ہیں۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ صرف مومن ہی مسجد کو بنا سکتے ہیں کیونکہ ان کا علم بھی وسیع ہوتا ہے اور علم وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں مسجد کی اہمیت کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا قول بیان کرتے ہیں:

((مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ))[173]

ترجمہ: جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، تو اللہ اس کے لیے اسی جیسا گھر بنائے گا۔

---

[171] سورة التوبہ:18

[172] تفسير المظهری، 147/4

[173] سنن الترمذي ،كتاب الصلاة ،باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ، ح318، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قوت المغتذی میں اس حدیث مبارک کی شرح یوں کی گئی ہے:

"أن معناه أن فضله على بيوت الجنة، كفضل المسجد على بيوت الدنيا "[174]

ترجمہ: اس کا معنیٰ ہے کہ مسجد کی فضیلت جنت کے گھروں پر ایسے ہے جس طرح مسجد کی فضیلت دنیا کے گھروں پر ہے۔

اس سے ثابت ہوا ہے کہ جس طرح مسجد دنیا میں سب گھروں سے افضل ہے اس طرح جنت میں بھی اس کو بنانے والے کا گھر باقی گھروں سے افضل ہو گا جس نے دنیا میں مسجد بنائی تھی اور وہ گھر خدا کی طرف سے تیار کردہ ہو گا۔ مسجد کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو راستے میں مدینہ سے پہلے ہی مسجد قبا تعمیر کی۔

" فَأَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بقُباءٍ وَأَسَّسَ مَسْجِدَهُ"[175]

یہی اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ پھر مدینہ پہنچ کر زمین خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی[176] جو آج بھی سب مسلمانوں کے لیے محبت و عقیدت کا مرکز ہے مسلم معاشرے میں مسجد کا کردار اب صرف پنجگانہ نماز اور جمعہ کی ادائیگی تک ہی محدود ہو گیا ہے اور دوسری سرگرمیوں (تعلیمی، سماجی، رفاہی اور علاج و معالجہ) کا اب کوئی تصور نہیں ہے۔ حالانکہ تاریخ کے اوراق کو پلٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے شروع ادوار میں مسجد کا ایک وسیع تصور تھا۔ وہاں سے مسلمانوں کے تمام اجتمائی معاملات سرانجام دیئے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے مساجد سے رفاہی، دینی، تعلیم و تربیت، سیاسی، عدالتی اور علاج و معالجہ کی سرگرمیاں بھی لی۔

شمیم حیدر ترمذی اس حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

---

[174] قوت المغتذي على جامع الترمذي،عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي، رسالة الدكتوراة ،جامعة أم القرى، مكة المكرمة ،كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة،1424ھ،،**141/1**

[175] السيرة النبوية ، 494/1

[176] تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک)، الطبری، علامہ ابن جعفر محمد بن جریر، مترجم (سید محمد ابراہیم ندوی) نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی،2،2004/115

"اسلامی معاشرے کے مستقل اور مرکزی ادارے کے طور پر ہر اسلامی دور میں اہم رہی۔ مسجد صرف ایک عبادت کا مرکز ہی نہیں بلکہ دربار، عدالت، مقام مشاورت، مکتب، اقامت گاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔"[177]

موجودہ دور بھی اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد کے کردار کو نماز کی حد تک محدود نہ کیا جائے بلکہ اسے دیگر سرگرمیوں کے لیے بھی استعمال کیا جائے اور اس کے وسیع کردار کو سامنے لایا جائے۔ لہذا اس فصل میں کچھ نکات ترتیب دیئے گئے ہین جن پر عمل پیرا ہو کر مسجد کے کردار کے بہتر اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے اور اس کا اصل کردار بحال ہو سکتا ہے۔

اہل علم حضرات کا انتخاب:

مسجد کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ماہر علم کو مسجد کا امام بنایا جائے جو دینی اور عصری علوم میں مہارت تامہ رکھتا ہو جس کی باتوں میں تاثیر ہو اس سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق اس کی طرف آئیں جو لوگوں کو مسجد سے جوڑے رکھے جس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ کیونکہ امام مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہوتا ہے وہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا وہ دین کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[178]

ترجمہ: کیا برابر ہیں جو علم رکھتے ہیں اور جو بے علم ہیں۔

علم والے دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اور یہ فرق نہ صرف اہل علم میں ہی نظر آتا ہے بلکہ جو ان کے ارد گرد رہتے ہیں وہ اپنے رنگ میں انھیں بھی رنگ دیتے ہیں اور یہ فرق واضح طور پر ان کی ذات، سیرت اور شخصیت میں نظر آتا ہے۔ اور دین کے مبلغ تو دور سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حدیث پاک ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ))[179]

ترجمہ: جس کے ساتھ رب بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

---

[177] اسلام کا نظام تعلیم، ترمذی، شمیم حیدر، پرنٹنگ پریس لاہور، 1993ء، ص87

[178] سورۃ الزمر: 9

[179] سنن الترمذي، کتاب العلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهُ فِي الدِّينِ ح2645، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث پاک کے مطابق دین کی سمجھ رکھنے والے پر خدا کا خاص کرم ہوتا ہے۔ لیکن یہ کرم اسی پر ہوتا ہے جو دین پر عمل بھی کرتا ہے دین کی سمجھ رکھنے والے کو امام بنایا جاسکتا ہے۔ عصر حاضر میں نت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ امام اسے بنایا جائے جو اپنی سمجھ و فہم سے دور حاضر کے مسائل سے بھی لوگوں کو آگاہ کرے اور ان سے نکلنے کا مناسب حل بھی بتائے۔ چونکہ امام کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اس لیے اس کی ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے وہ معاشرے میں لوگوں کی اصلاح کا ضامن ہوتا ہے۔اس لیے لازمی ہے کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے لوگ اس سے متنفر ہو جائیں جہاں اس کے اچھے عمل سے معاشرے اور لوگوں کی زندگی پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں وہاں اس کی معمولی سی لغزش سے لوگوں میں فساد اور برائی پھیل سکتی ہے۔اس لیے مسجد کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ امام کے انتخاب میں اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ اس کے ذمہ صرف نماز پڑھانا ہی نہیں ہوگی بلکہ ،عقائد،عبادات ،معاملات، حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی ادائیگی اور لوگوں کی تربیت کا ضامن بھی ہوگا۔ یہ بے حد ضروری ہے کہ علماء کرام اپنے مطلوبہ کردار کو سمجھیں اور معاشرے کی بہتری میں اپنا کردار ادا کریں۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام:

مسجد کے کردار کی بہتری کے لیے لازمی ہے کہ مسجد کو ماضی کی طرح آج بھی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا جائے اور اس سے معاشرتی اصلاح کے کام لیے جائیں۔ جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اور وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو عام حالات میں یا پانچ وقت کی نماز میں شریک نہیں ہوتے وہ اپنے گھروں یا دفتروں اور کاروباری جگہوں میں نماز ادا کر لیتے ہیں۔ نماز جمعہ کا لازمی جزو خطبہ ہے اسے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور عصری آگاہی کے لیے استعمال کیا جائے۔ بچوں کی تربیت کا مسجد میں خاص اہتمام ہونا چاہیے کیونکہ شروع سے ہی بچوں کو مسجد سے جوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اسلام کے بارے میں جان سکیں۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں لوگ مسجدوں سے جڑے رہتے تھے اور مسجدوں میں تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

خیر القرون کی درسگاہیں میں اس کی وضاحت یوں ہے۔

> "مدینہ منورہ میں اہل علم اپنے اپنے ذوق کے مطابق دینی، علمی اور ادبی مجلسیں قائم کرتے تھے، حدیث و تفسیر، فقہ و فتویٰ، سیر و مغازی، شعر و ادب، ایام و حروب اس دور کے دلچسپ موضوع تھے اور ہر ایک

کے لیے علیحدہ علیحدہ حلقے قائم ہوتے تھے ان ہی میں مجلس قلاوہ تھی جو مسجد نبوی میں اسطوانہ وفود کے پاس ہر رات منعقد ہوتی تھی جس میں اجلہ صحابہ، عیان واشراف اہل علم شریک ہوتے تھے"[180]

مزید آپ لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس اور حلقات جاری تھے، خاص طور سے بنو نجار، بنو عبدالاشہل، بنو ظفر، بنو عمر و بن عوف، بنو سالم وغیرہ کی مسجدوں میں اس کا انتظام تھا اور عبادہ بن صامت، رضی اللہ عنہعتبہ بن مالک رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضی رضی اللہ عنہاور مالک بن حویرثرضی اللہ عنہان کے امام اور معلم تھے"[181]

سطور بالا سے ظاہر ہوتا ہے ماضی میں مسجدوں میں تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام تھا اور ان مجالس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہبھی شریک ہوتے تھے اور جس مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہویسے لوگ شامل ہوں اس محفل کی تربیت اور اثر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ماضی میں مسجد میں صرف نماز کا اہتمام ہی نہیں تھا بلکہ تعلیم و تربیت بھی کی جاتی تھی۔ مسجد کو بطور مدرسہ ومکتب بھی بنایا گیا تھا۔اب بھی کافی حد تک مسجد کا یہ کردار بحال ہے۔ جمعہ کی نماز کا خطبہ اور بچوں کو قرآن اور مسنون دعائیں آج بھی مسجد میں ہی پڑھائی جاتی ہیں لیکن اس میں بہتری کی ضرورت ہے۔ صرف دین پر ہی بات نہ کی جائے بلکہ امام عصری مسائل پر بھی بات کرے اور لوگوں کی ہر طرح سے راہنمائی کرے تاکہ مسجد کا مقام و وقار بحال ہو سکے۔

فرقہ بندی کا خاتمہ:

مسجد روئے زمین پر خدا کا گھر ہے اور یہ کسی خاص طبقے، مسلک اور فرقے کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔اس کا دروازہ امیر و غریب کے لیے کھلا ہے۔ کسی کے لیے کوئی مخصوص نشت نہیں بلکہ جو جہاں جگہ پائے وہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن صد افسوس کے لوگوں نے خدا کے گھر کو مختلف مسلکوں اور فرقوں میں تقسیم کر لیا۔ جب کہ قرآن اور حدیث میں فرقہ بندی کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

---

[180] خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص252

[181] ایضاً، ص37

قرآن میں ہے:

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ﴾[182]

ترجمہ: اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب کے سب، اور الگ الگ نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں محمد متولیؒ لکھتے ہیں:

"جاء هذا القول الكريم لينبه كل المؤمنين، من خلال التنبيه للأوس والخزرج، وكأنه يقول: اعلموا أن التفاخر قبل الإسلام كان وبأشياء ليست من الإسلام"[183]

ترجمہ: اس قول کے تحت اوس و خزرج کے ضمن میں تمام مومنین کو خبر دار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ تفاخر اسلام سے پہلے تھا اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔

تفسیر سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تفرقہ بندی کا کوئی کام نہیں ہے بلکہ یہ جاہلیت کا دستور تھا کہ لوگ حسب ونسب پر فخر کرتے تھے۔ اسلام اس دستور کو ختم کر کے اخوت کا دستور لایا ہے۔ وہ کسی خاص طبقے یا امیر اور صاحب استطاعت کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کے نزدیک فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ﴾[184]

ترجمہ: اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور بنا دیا تمہیں کئی شاخیں اور کئی قبیلے، تاکہ باہم پہچان رکھو۔ بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

علی بن محمدؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قصد بهذه الآية. النهي عن التفاخر بالأنساب , وبين التساوي فيها بأن خلقهم من ذكر وأنثى يعني آدم وحواء. ثم قال وَجَعَلْنَاكُم شُعُوباً وَقَبَآئِلَ لِتَعَرَفُواْ فبين أن الشعوب

---

[182] سورة آل عمران: 103

[183] تفسير الشعراوي، محمد متولي الشعراوي مطابع أخبار اليوم،1997ء،1660/3

[184] سورة الحجرات:13

والقبائل للتعارف لا للافتخار إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُم إن أفضلكم , والكرم بالعمل والتقوى لا بالنسب"[185]

ترجمہ: اس آیت کے تحت مساوات کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ ان کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے یعنی آدم اور حوا سے۔ پھر کہا کہ ہم نے تماری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ پس واضح ہوا کہ قومیں اور قبیلے تعارف کے لیے بنائی گئی تھی نہ کہ فخر کے لیے اور فضیلت، شرافت اور برتری عمل اور تقویٰ سے ظاہر ہوتی ہے نسب سے نہیں۔

تفسیر سے معلوم ہوا کہ سب کو آدم علیہ السّلام اور حوا سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے سب کی اصل ایک ہی ہے جب اصل ایک ہے تو فخر کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اور یہ قبائل تو ایک دوسرے کی پہچان کے لیے بنائے گئے تھے تم ان پر فخر کرنے لگے اور خاص تو وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔ آیت مبارک میں وضاحت کے ساتھ بتادیا گیا کوئی انسان یہاں پر اپنے نسب کی وجہ سے خاص نہیں ہے بلکہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کے احکامات کو ماننے والا ہی اہم ہے، آپ ﷺ نے بھی فرقہ بندی کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی۔

حدیث رسول ﷺ ہے

((وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةًقَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))[186]

ترجمہ: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ” یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرقہ بندی سے منع کیا اور بتایا کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں بھی فرقہ بندی کا رواج تھا اور میری امت میں بھی ایسا ہوگا وہ تہتر فرقوں میں بٹ جائے اور ان میں سے وہی فرقہ صحیح ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طور واطوار کو اپنائے گا اور کامیاب بھی وہی ہوگا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ اس حدیث میں صریحاً ایک فرقے کے علاوہ باقی سب کو جہنمی کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود فرقہ بندی پر مسلمان اس قدر یقین کرتے ہیں کے خدا کہ گھر کو بھی تقسیم کر بیٹھے ہیں

---

[185] تفسير الماوردي،النكت والعيون ، أبو الحسن علي بن محمد ،دار الكتب العلميةبيروت / لبنان،2010ء،336/5

[186] سنن الترمذي ،كتاب الإيمان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ،باب مَا جَاءَ فِي افْتِرَاقِ هَذِهِ الأُمَّةِ،ح2641، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

اور باقاعدہ سے مسجد کے باہر اپنے اپنے مسلک کا نام لکھ کر چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرے مسلک کے لوگوں کو اس میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر مسجد کے کردار کو بہتر بنانا ہے تو اس بدعت کو ختم کرنا ہوگا اللہ کا گھر سب کے لیے ہے اس کو اپنے اپنے فرقوں کے ساتھ مخصوص کر کے آگ کو اپنا مقدر بنا رہے ہیں۔ مسجد میں فرقہ بندی کے خاتمے کے لیے حکومت کو اقدام لینا ہوگا۔ اور امام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے خطبوں میں فرقہ بندی کی مذمت کر کے لوگوں کے ذہن کو اس سے پاک کرے تاکہ مسجد تمام لوگوں کی یکساں ہو اور اس کا کردار بھی بہتر ہو۔

سماجی امور کا مرکز:

ماضی میں مسجد کو سماجی امور کے مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ آپ ﷺ کے دور میں مسجد فلاحی کاموں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ کبھی آپ ﷺ نے مسجد کو لوگوں کے لیے پناہ گاہ بنا دیا تو کبھی عدالتی مرکز۔ کبھی صحابہ کرام مسجد میں ہی سو جاتے تو کبھی مسجد میں بھوکوں کی بھوک مٹائی جاتی۔

عدالتی مرکز:

آپ ﷺ کے دور میں عدالتیں نہیں تھی اس لیے مسجد کو بطور عدالت استعمال کیا گیا۔ مسجد میں ہی فیصلے کیے جاتے البتہ حد مسجد کے باہر لگائی جاتی۔ مسجد میں فیصلوں کی کچھ مثالیں درجہ ذیل حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

((وَلَاعَنَ عُمَرُ عِنْدَ مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَضَى شُرَيْحٌ، وَالشَّعْبِيُّ، وَيَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الْمَسْجِدِ، وَقَضَى مَرْوَاانُ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِينِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ وَكَانَ الْحَسَنُ، وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى يَقْضِيَانِ فِي الرَّحَبَةِ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ))[187]

ترجمہ: اور عمر نے مسجد نبوی کے منبر کے پاس لعان کرادیا اور شریح قاضی اور شعبی اور یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں فیصلہ کیا اور مروان نے زید بن ثابت کو مسجد میں منبر نبوی کے پاس قسم کھانے کا حکم دیا اور امام حسن بصری اور زرارہ بن اوفی دونوں مسجد کے باہر ایک دالان میں بیٹھ کر قضاء کا کام کیا کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ عین مسجد میں بیٹھ کر وہ فیصلے کرتے تھے۔

درجہ بالا حدیث میں مسجد کی عدالتی حیثیت کو اجاگر کرتی ہے۔ کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے مختلف فیصلے مسجد میں کیے۔ اب باقاعدہ عدالتیں اس مقصد کے لیے بنا دی گئی ہیں۔ لیکن بہت سے امور ایسے بھی ہیں جن کو عدالت میں نہیں لے جایا جاتا کیونکہ عدالت کے فیصلوں میں وقت درکار ہوتا ہے اور وکیل حضرات خاطر خواہ رقم کا مطالبہ بھی

---

[187] صحیح بخاری ،کتاب الأحکام ،بَابُ مَنْ قَضَى وَلاَعَنَ فِي الْمَسْجِدِ، ح7165

کرتے ہیں۔اب محلے میں کسی پر بھی تہمت لگا دی جاتی ہے۔اور اس پر بہت سی جگہوں پر گواہ بھی طلب نہیں کیے جاتے یا مرد بیوی پر بد چلنی کا الزام لگا کر طلاق دے دیتا ہے ایسے امور کا فیصلہ مسجد میں کیا جا سکتا ہے۔ایسے فیصلے کے ارکان میں مسجد کا امام اور گاؤں کے پڑھے لکھے لوگ جن پر سب کا اعتماد ہو شامل ہوں مسجد میں فیصلہ کریں ہو سکتا ہے کہ خدا کے گھر میں طرفین میں سے ایک اپنے جھوٹ کا اعتراف کر لے گا یا غریب بھی آسانی سے اپنا مقدمہ پیش کر سکے گا۔اس طرح مسجد کی عدالتی حیثیت بھی بحال ہو جائے گی۔اور عدالتوں کے چکر سے اور گراں بار مصارف سے بھی نجات مل جائے گی۔

غریبوں کی ضیافت کا اہتمام:

مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں کسی سے امتیازانہ سلوک رکھا جائے اور اس کی فریاد سنی نہ جائے۔ آج بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھیں کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا اور عزت نفس کی وجہ سے کسی سے سوال بھی نہیں کرتے۔ایسے حضرات کے لیے مسجد میں کھانے کا بندوبست ہو تا کہ خدا کے گھر سے کوئی بھوکا نہ جا سکے آپ ﷺ کے دور میں ایسے لوگوں کھانے کے کا مسجد میں اہتمام ہوتا تھا۔

خیر القرون کی درسگاہیں میں ہے:

> "انصار مدینہ اپنے باغات سے اہل مدینہ کے لیے کھجور کے گچھے بھیجا کرتے تھے جو مسجد نبوی کے درمیان دو ستونوں پر لٹکا دیئے جاتے تھے اور اصحاب صفہ ان گچھوں سے توڑ توڑ کر کھایا کرتے تھے"[188]

درجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے آپ ﷺ نے بھوکوں لوگوں کے کھانے کا بندوبست کیا تھا اور آپ ﷺ نے صحابی کی رائے کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کروایا۔ عصر حاضر میں بھی مسجد کو ایسا مقام دیا جائے تاکہ کوئی بھوکا نہ رہے لیکن اس امر کے لیے مسجد کے رفاہی کردار کو بحال کرنا ہوگا۔

مسجد بطور پناہ گاہ:

ماضی میں مسجد کے کردار میں ہر حوالے سے وسعت دیکھنے کو ملتی ہے اور کسی کا اس پر اعتراض بھی سامنے نہیں

---

[188] خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص 93

آیا۔ مسجد کو جہاں عدالتی حیثیت حاصل تھی وہاں اسے پناہ گاہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا۔اصحاب صفہ مسجد میں ہی سوتے ان کا مسکن تو مسجد ہی تھی مگر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنے گھروں میں آباد تھے وہ بھی مسجد میں ہی سو جاتے اور ان کے اس فعل پر آپ ﷺ نے ان کی سرزنش نہیں کی نہ ہی انھیں منع کیا۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر ان کے بارے میں پوچھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں کچھ ناگواری ہوئی اور وہ کہیں تشریف لے گئے پس آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا:

((انْظُرْ أَيْنَ هُوَ، فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ، وَيَقُولُ: قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ))[189]

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو کہ کہاں ہیں؟ وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ ﷺ کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جسم سے دھول جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اٹھو ابو تراب اٹھو۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع نہیں کیا بلکہ انھیں ابو تراب کے نام سے مخاطب کیا جو آپ رضی اللہ عنہ کا لقب بن گیا۔ اسی طرح حضرت نافع رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

((أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهْوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لاَ أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[190]

ترجمہ: کہ وہ اپنی نوجوانی میں جب کہ ان کے اہل وعیال نہیں تھے نبی کریم ﷺ کی مسجد میں سویا کرتے تھے۔

آج کے دور میں بھی مسجد کو پناہ گاہ بنایا جا سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو بے گھر ہیں یا مسافر ہیں اور ان کی جیب انھیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے رہنے کا بندوبست کر سکیں۔ ایسے لوگوں کے لیے مسجد میں ایک کمرہ ہونا چاہیے جس میں وہ اپنی رات بسر کر سکیں اور اس طرح سے مسجد کو کھویا ہوا مقام بھی واپس مل سکتا ہے۔

ان سہولتوں کے علاوہ مسجد میں میت کی چارپائی، غسل کا تختہ، قبرستان دور ہونے کی صورت میں گاڑی کا بندوبست بھی ہونا چاہیے تاکہ غریب حضرات کو مرکروہ سہولتیں مل سکیں جو اوروں کو دستیاب ہوتی ہیں۔ موجودہ دور میں

[189] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ: ح441

[190] ایضاً، ح440

ضرورت ہے کہ مسلمان روائتی طریقوں پر نظرثانی کریں اور مسجد کو نماز کی حد تک ہی محدود نہ کریں بلکہ اس سے دیگر اصلاحی،اور رفاہی کام بھی لیں۔

ڈسپنسری کا قیام

مسجد کے کردار کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے مسائل کا تدارک کیا جائے امیر اپنے مسائل کا حل کہیں سے بھی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ غریب کی رسائی محدود ہی ہوتی ہے گاؤں میں ہسپتال اتنے دور ہوتے ہیں کہ غریب حضرات مشکل تک ہی رسائی حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ مسجدیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہوتی ہیں اس لیے اگر تمام مسجدوں میں ممکن نہیں تو کچھ مساجد میں ڈسپنسری کا قیام اشد ضروری ہے جس میں طبیب کی خدمت بھی حاصل ہو اور غریب کو مفت دوا فراہم کی جائے۔ تاکہ وہ بھی زندگی جی سکے زخمیوں کی دیکھ بھال کی مثال آپ ﷺ کے دور میں بھی موجود تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ، فَلَمْ يَرُعْهُمْ))،[191]

ترجمہ: غزوہ خندق میں سعد کے بازو کی ایک رگ میں زخم آیا تھا۔ان کے لیے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرا دیا تاکہ آپ قریب رہ کر ان کی دیکھ بھال کیا کریں۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے مسجد کو استعمال کیا اور باقاعدہ سے مریض کو رہنے کی سہولت بھی فراہم کی۔ دور حاضر بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسجد میں ایسی سہولتیں ہوں۔ آج کل کورونا وائرس کے بڑھتے رجحان میں مسجد سے مدد لی جاسکتی ہے۔ آکسیجن سلنڈر کی فراہمی بہت سے لوگوں کی زندگی لوٹا سکتی ہے اور وہ لوگ بھی اپنا علاج کرا سکتے ہیں جو ہسپتال دور ہونے کی وجہ سے وہاں نہیں جا سکتے اور معمولی بیماری کو جان کا روگ بنا دیتے ہیں۔

ان سب رفاہی کاموں کی اشد ضرورت دیہاتوں میں ہے لیکن اس کے لیے خطیر رقم درکار ہے اس کا حل موجودہ حکومت نکال سکتی ہے یا پھر علاقے کے صاحب ثروت لوگ خود یہ سہولتیں مہیا کریں یا ان سہولتوں کے لیے مسجد میں چندہ دیں اور ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس کی نگرانی کرے تاکہ مسجد کا کردار مؤثر ہو۔

---

[191] صحیح بخاری ،کتاب الصلاة ،بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ: ح463

سطور بالا میں ایسی سر گرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا اپنا کر مسجد کا کردار بحال ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسجد صرف نماز کے لیے ہی مختص نہیں ہے بلکہ ماضی میں مسجدوں میں دیگر تربیتی، فلاحی، سماجی اور رفاعی خدمات بھی لی جاتی تھی۔ مسجد کا کردار آج بھی ماضی کے کردار جیسا ہو سکتا ہے۔ اگر فرقہ واریت کا خاتمہ کیا جائے۔ تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے۔ ماضی کی طرح آج بھی مسجد کو عدالتی حیثیت دی جائے۔ غریبوں کے کھانے اور قیام کا مسجد میں بندوبست کیا جائے۔ ڈسپنسری کا قیام ہو تا کہ باوقت ضرورت اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ، مسجد کے کردار کو اسی صورت میں بہتر بنایا جا سکتا ہے جب اس کا ماضی کا کردار بحال ہو۔

باب چہارم: بچوں کی تعمیر شخصیت میں ذرائع ابلاغ کا کردار اور اثرات

فصل اول: ذرائع ابلاغ کا معنیٰ و مفہوم اور دورِ جدید میں اس کی اہمیت

فصل دوم: ذرائع ابلاغ کا بچوں کی تربیت میں کردار اور اثرات

فصل سوم: تعمیرِ شخصیت میں ذرائع ابلاغ کے کردار کا شماریاتی جائزہ

فصل چہارم: ذرائع ابلاغ کے کردار کو سود مند بنانے کے لیے ضروری لائحہ عمل

فصل اول:

ذرائع ابلاغ کا معنیٰ و مفہوم اور دورِ جدید میں اس کی اہمیت

عصر حاضر میں جہاں انسان اپنی قابلیت کی بناپر روز بروز ترقی کی منازل کو طے کرتا جارہا ہے اور نت نئے میدان میں آگے بڑھتا جارہا ہے وہاں اس کی ترقی میں ذرائع ابلاغ ایک اہم وسیلہ نظر آرہا ہے جس نے انسان کے سامنے نئی نئی جہت رکھی ہیں، دوریوں کو سمیٹ کے رکھ دیا ہے، علم و خبر کی ترسیل کو سہل بنادیا ہے۔اب انسان دنیا کے جس بھی کونے میں ہو وہ دنیا میں جو بھی ہو رہا ہے اس سے آشنا ہے اس کا کریڈٹ ذرائع ابلاغ کو جاتا ہے۔انسان کی شروع سے ہی خواہش رہی ہے کہ وہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچائے اور اپنے انکشافات واختراعات کالوہا دنیا میں بھی منوائے تاکہ دنیا اسے سراہے یا پھر لوگ اس کی ایجادات سے مستفید ہوں اس مقصد کے لیے اسے ذرائع ابلاغ کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥ﴾[192]

ترجمہ: اے پیغمبر، جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تم اس کو پہنچادو۔اور اگر تم نے ایسانہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔

سید طنطاوی اُس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"والمعنى: يا أَيُّهَا الرَّسُولُ الكريم المرسل إلى الناس جميعا بَلِّغْ أى: أوصل إليهم ما أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أى: كل ما أنزل إليك من ربك من الأوامر والنواهي والأحكام والآداب والأخبار دون أن تخشى أحدا إلا الله. وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ ما أمرت به من إيصال وتبليغ جميع ما أنزل إليك من ربك إلى الناس فَما بَلَّغْتَ رِسالَتَهُ أى: وإن لم تبلغ كل ما أنزل إليك من ربك كنت كمن لم يبلغ شيئا مما أوحاه الله إليه، لأن ترك بعض الرسالة يعتبر تركا لها كلها"[193]

---

[192] سورة المائده:67

[193] التفسير الوسيط للقرآن الكريم، 222/4

ترجمہ: اور اس سے مراد اے وہ رسول کریم جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہو، ان تک پہنچا دیجئے ہر وہ چیز جو اللہ نے تمھاری طرف نازل کی ہے چاہے وہ اوامر ہوں، نواہی ہوں، احکام ہوں، آداب ہوں یا اخبار، اللہ کے علاوہ کسی سے بھی ڈرے بغیر۔ اور اگر آپ ﷺ نے ہر اس چیز کی تبلیغ نہیں کی جو اللہ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی تو گویا آپ ﷺ نے کسی بھی چیز کی تبلیغ نہیں کی، اس لیے کہ رسالت میں سے بعض چیزوں یا احکام کو چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ پوری رسالت کو۔

تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی حکم دیا کے وہ اوامر و نواہی، احکام و آداب الغرض جو بھی اللہ کی طرف سے انھیں دیا گیا اس کی تبلیغ کریں اور کسی بھی چیز کو نہ چھوڑیں۔ ابلاغ کے ذریعے ہماری بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اوامر و نواحی کی تبلیغ کریں کیونکہ میڈیا یا ذرائع ابلاغ کم وقت میں لوگوں کے ذہنوں کو ہموار کرنے والا ایک طاقتور ہتھیار ہے جو ان کی رائے بھی دوسروں تک پہنچاتا ہے ان کی دلچسپیاں اور ترجیحات متعین کرتا ہے۔ اور پھر انھیں کسی کام پر اکساتا ہے یا کسی اہم کام سے توجہ مبذول بھی کرتا ہے اور ان پر اپنی سوچ کو مسلط بھی کرتا ہے۔ آج دیکھا جائے تو ایک تنہا فرد سے لیکر حکومت تک کی باگ دوڑ ذرائع ابلاغ کے ہاتھ میں ہے ملنر اے (Milner A) اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"میڈیا نہ صرف سماج کا ایک اہم حصہ ہے بلکہ ایک جمہوری ملک کا بھی اہم ستون ہے یہ مجموعی طور پر ہر ملک و قوم میں لوگوں کی آواز اور ہتھیار ہے"[194]

میڈیا کسی ہتھیار سے کم نہیں ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کا نہیں ہے بلکہ تمام امیر و غریب کی آواز ہے کوئی بھی اپنی داستان، زندگی کے حقائق، ایجادات اور فریاد اس کے ذریعے پوری دنیا میں نشر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ اس فصل میں ذرائع ابلاغ کا معنیٰ و مفہوم اور عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو زیر بحث لایا گیا ہے:

ذرائع ابلاغ کا معنیٰ و مفہوم:

موجودہ دور میں انسان اپنی محنت مشقت اور قابلیت کی بنا پر مختلف شعبہ ہائے زندگی میں آگے بڑھتا جا رہا ہے اور جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے اس کے سامنے نئے نئے میدان آرہے ہیں۔ دنیا اپنی وسعت کے اعتبار سے جتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو آج ایک کونے میں رونما ہونے والے واقعات، ایجادات و اختراعات سے دوسرے کونے میں بیٹھا ہوا انسان باخبر ہے اور

[194] Literature,cultural and the society, Milner A, l university college londen press p: 81

یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ سہولت ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہمارا مقدر بنی۔ ابلاغ کے وسیلے سے ہی انسان نئی نئی ایجادات سے آشنا ہوا۔ اس لیے لازم ہے کہ ذرائع ابلاغ کے مفہوم سے پہلے واقفیت حاصل کی جائے۔

ابلاغ کے لیے پہلے صحافت کا لفظ استعمال ہوتا تھا پھر جدید دنیا میں اسے میڈیا، کمیونیکیشن اعلام اور دعوۃ کا نام دیا گیا جبکہ قرآن پاک میں بلاغ، بلغ کا نام دیا گیا تبلیغ کا لفظ بھی بلغ سے نکلا ہے جبکہ دعوۃ اور صحف کے الفاظ بھی قرآن پاک میں استعمال ہوئے ہیں

ذرائع: معنیٰ و مفہوم:

لفظ ذرائع جمع ہے اور اس کی واحد ذریعہ ہے

لسان العرب کے مؤلف لکھتے ہیں:

"والذَّرِيعة: الْوَسِيلَةُ وَالْجَمْعُ الذرائعُ"[195]

ترجمہ: ذریعہ سے مراد وسیلہ ہے اور اس کی جمع ذرائع ہے۔

ابن منظور ذرائع کی اصطلاحی تعریف میں لکھتے ہیں:

"والذريعةُ: السبَبُ إِلى الشَّيْءِ"[196]

ترجمہ: ذریعہ سے مراد کسی چیز تک پہنچنے کے سبب کو کہتے ہیں۔

فیروز لغات میں ذریعہ لفظ کی وضاحت اسطرح کی گئی ہے

"ذریعہ وسیلہ واسطہ، طفیل، معرفت موقع، پہنچنے کا طریقہ، تعلق، سبب، وجہ، جمع ذرائع"[197]

مندرجہ بالا لغات سے ثابت ہوا کہ ذریعہ سے مراد کسی بھی جگہ یا منزل تک پہنچنے کا وسیلہ اور سبب ہے جس کو اختیار کر کے انسان باآسانی اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔

---

[195] لسان العرب، 96/8.

[196] ایضا

[197] فیروز اللغات اردو، ص690

ابلاغ: معنیٰ و مفہوم:

ابلاغ کا مادہ ب۔ل۔غ ہے جو ثلاثی مجرد باب نصر یںصر سے ہے بلغ عربی زبان کا لفظ ہے جس کی معنیٰ پہنچانے کے ہیں۔ ابلاغ میں اگر ہمزہ پر کسرہ ہے تو باب افعال کا مصدر ثلاثی مذید فیہ سے ہے۔

مفردات فی غرائب القرآن میں ابلاغ کی وضاحت اس طرح سے کی گئی ہے۔

"ابلغ يبلغ ابلاغا"[198]

جبکہ لسان العرب کے مؤلف ابلاغ کی لغوی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الْبَلَاغ بِفَتْحِ الْبَاءِ فَلَهُ وَجْهَانِ: أَحدهما أَن البَلاغَ مَا بَلَغَ مِنَ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ، والوجهُ الْآخَرُ مِنْ ذَوِي البَلاغِ أَيِ الَّذِينَ بَلَّغُونا يَعْنِي ذَوِي التَّبْلِيغِ" [199]

ترجمہ: اگر بلاغ کے ب پر زبر ہو تو اس کی دو وجوہات ہیں ایک وہ جو قرآن و سنت میں ہے اور دوسری سے مراد صاحب تبلیغ ہیں مراد وہ لوگ جنھوں نے ہمیں تبلیغ کی۔

معجم مقاییس اللغۃ میں ابلاغ کی وضاحت اس طرح سے ہے:

"(بَلَغَ) الْبَاءُ وَاللَّامُ وَالْغَيْنُ أَصْلٌ وَاحِدٌ وَهُوَ الْوُصُولُ إِلَى الشَّيْءِ. تَقُولُ بَلَغْتُ الْمَكَانَ، إِذَا وَصَلْتَ إِلَيْهِ"[200].

ترجمہ: اس کی اصل ایک ہے کسی چیز تک پہنچنا جسے تم کہتے ہو میں اس جگہ پہنچا جب تم وہاں پہنچے۔

ابوالقاسم ابلاغ کی اصطلاحی تعریف میں لکھتے ہیں

"البُلُوغُ والإِبْلاغُ: الانْتِهَاءُ إِلَى أَقْصَى المِقْصِدِ والمُنْتَهَى"[201]

ترجمہ: ابلاغ سے مراد معنیٰ مقصد اور غرض وغایت کی آخری حد کو پہنچنا ہے۔

قاموس مترادفات کے مصنف لکھتے ہیں:

"ابلاغ کا مطلب ہے ارسال، ترسیل، پہچانا"[202]

---

[198] المفرادات فی غریب القرآن،اصفهانی،ابو القاسم،حسین بن محمد،دارالمعرفه ،بیروت،س ن ،ص60

[199] لسان العرب419/8

[200] معجم مقاييس اللغة،المؤلف: أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين (المتوفى: 395هـ)،المحقق: عبد السلام محمد هارون،الناشر: دار الفكر،عام النشر: 1399هـ - 1979م.301/1

[201] المفرادات فی غریب القرآن ،ص61

[202] قاموس مترادفات، ص20

انگریزی زبان میں ابلاغ کے لیے "Communication"[203] کا لفظ استعمال ہوا ہے

انسائیکلوپیڈیا میں communication کی وضاحت اس انداز میں کی گئی ہے:

"Communication derived from the Latin word Communicate means to exchanges of meanings between individuals through a commen system of symbols"[204]

(مواصلت لاطینی کے لفظ مواصلات سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب علامتی نظام کے ذریعے افراد کے مابین معنٰی کا تبادلہ ہوتا ہے)

درجہ بالا لغات میں کی گئی ابلاغ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ ابلاغ سے مراد پہنچنا ہے خواہ کسی جگہ پر یا منزل پر یا پھر اپنے مقصد تک۔اور حقیقت میں ابلاغ سے مراد بھی یہی ہے کیونکہ ابلاغ ہمیں کسی نا کسی جگہ پر پہنچاتا ہی ہے اور اس کی مدد سے ہی خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے۔

قرآن میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے سورہ مائدہ میں ہے:

﴿فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ﴾[205]

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن ابلاغ کی ہی نہیں بلکہ ابلاغ مبین کی بات کر رہا ہے جو اپنے اندر ایسی وضاحت رکھتا ہو کہ اس کے بعد مزید وضاحت کی گنجائش نہ ہو اور اس کے بعد حقیقت اس طرح آشکارہ ہو جائے کہ کوئی اس سے انکار نہ کر سکے جو سننے والوں کی روح کو سیراب کر دے۔

ابلاغ کا آغاز وارتقاء:

ابلاغ کا عمل اس زمین پر حضرت آدم علیہ السّلام کے قدم رکھتے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن یہ ماننا غلط ہو گا کہ اس کا آغاز روح زمین پر ہی ہوا ہے۔قرآنی آیات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اس کے آغاز کا اشارہ کسی اور طرف کرتی ہیں اگرچہ انسان کی آمد کے ساتھ یہ کام بھی اس روح زمین پر شروع ہوا لیکن اس کا آغاز روح زمین سے پہلے عرش عظیم پر ہو چکا تھا۔

تخلیق آدم علیہ السّلام کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشوں کے درمیان مکالمہ یعنی۔

---

[203] Ferozsons,Urdu English dictionaryFerozsons Lahore p27.

[204] The New Encyclopaedia of brtannica,The University of Chicago,USA 1968 p 496:3

[205] سورۃ المائدہ:92

﴿وَإِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٞ فِي ٱلۡأَرۡضِ خَلِيفَةٗۖ﴾[206]

ترجمہ: اور جب فرمایا تمہارے پروردگار نے فرشتوں کیلئے کہ بیشک میں بنانے والا ہوں زمین ایک خلیفہ۔

ابلاغ کی ہی ایک شکل ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ابلاغ کی خالق ہے اور فرشتوں کا جواب ابلاغ کا ردعمل ہے اور پھر حضرت آدمؑ کی پیدائش کے بعد ان سے جب مختلف چیزوں کے نام پوچھے گئے اور آدمؑ کی طرف سے دیا جانے والا جواب حقیقت میں پہلے انسانی ابلاغ کا آغاز تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئۡهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسۡمَآئِهِمۡ﴾[207]

ترجمہ: فرمایا کہ اے آدم بتاتو دو انہیں ان سب کے نام توجب بتادیا انھیں ان سب کے نام۔

یوں ابلاغ کام آغاز عرش عظیم پر ہوا ہے پھر حضرت آدمؑ کے نزول کے بعد یہاں پر اس کا عمل شروع ہوا اور جبریل آمین اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ابلاغ کے فرائض کو سرانجام دینے لگے اور آسمانی کتب بھی اس مقصد کی تکمیل کی اہم کڑی تھی۔

ڈاکٹر ایاز احمد لکھتے ہیں:

" قرآن کے بہت سے ایجازات میں سے ایک ایجاز یہ بھی ہے کہ صحافت کے تمام قواعد وضوابط قرآن پاک کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کو عطا کردیئے تھے"[208]

پھر مکتوبات نبوی خطبات نبوی اور شاعری بھی ابلاغ کے سلسلے کی مضبوط کڑی تھے۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان لکھتے ہیں:

"شاعری کی طرح فن خطابت بھی مؤثر ذریعہ ابلاغ تھا۔لوگوں کو اپنے ہم خیال بنانے،دلائل سے خاموش کرنے،اہم کاموں پو اکسانے اور ابھارنے کا یہا ایک کارگر ذریعہ تھا۔"[209]

---

[206] سورة البقرہ:30

[207] سورة البقرہ:33

[208] صحافتی ضابطہ اخلاق اور قرآن حکیم کی تعلیمات،ایاز محمد،آصف جاوید برائے نگارشات پبلشرز،2002،ص11

[209] اسلام کا قانون صحافت،لیاقت علی خان نیازی،بک ٹاک،میاں چیمبرز،ٹمپل روڈ لاہور،2008،ص177

شاعری خطابت، مکتوبات، معاہدات، دعوت اور تبلیغ آپ ﷺ کے دور میں ابلاغ کے موثر ترین ذرائع تھے۔ جنہیں آپ ﷺ نے بھی استعمال کیا۔ آج اس کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے دیگر موثر ترین اور جدید ذرائع بھی سامنے آ گئے ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے ابلاغ کا کام آمنے سامنے، شاعری خطابت، مکتوبات معاہدات دعوت اور تبلیغ سے ہی ہوتا تھا کیونکہ آبادی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ پھر جوں جوں آبادی بڑھتی گئی انسان میں تحقیق اور تجسس کی لگن بھی بڑھتی گئی تب ان سب کی جگہ "اخبارات،، رسائل، ریڈیو، ٹیلی وژن، انٹرنیٹ، فلم، کتب، جلسہ ہائے عام، پمفلٹ، پوسٹرز، تھیٹرز، ڈائجسٹ/میگزین، بینرز، سی ڈیز/ڈی وی ڈی، موبائل، مسیجز" [210] نے لے لی

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت:

رات کی تاریکی میں راستے کے نشیب و فراز کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے، اندھیرے کی خوف ناک چادر میں چھپے خطرات سے باخبر رہنے اور دوست اور دشمن کی پہچان کرنے کے لیے جس طرح چراغ کی روشنی انسان کی زندگی میں اہمیت کی حامل ہے۔ بالکل اسی طرح کامیاب زندگی گزارنے اور آگے بڑھنے کے لیے ارد گرد ہونے والے واقعات، اپنے ماحول اور دنیا میں ہونے والی نادر ایجادات سے آگاہی کے لیے ایسے ذرائع کا ہونا ضروری ہے۔ انسان اپنے گردونواح سے تو باخبر ہوتا ہے لیکن آج کا انسان پوری دنیا سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو انسانی زندگی میں ذرائع ابلاغ کو شہ رگ کی طرح سمجھا جا رہا ہے جس طرح شہ رگ کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اس طرح آج کے دور میں میڈیا کے بغیر انسان نامکمل سمجھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی ذرائع ابلاغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "ذرائع ابلاغ نے انسانی زندگی کو نئی رفتار اور نئی معرفت عطا کی ہے۔انسان کو گرد و پیش کا شعور دیا ہے اور زندگی کے مسائل کی نقاب کشی کی ہے۔اگر غور کریں تو دور حاضر کی تمام تر علمی ترقی و خوشحالی، سائنسی ایجادات و علمی تحقیقات کا ادراک انہی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے یہ معلومات کا ہی نہیں تفریح کا ذریعہ بھی ہے.... عالم آگہی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں کوئی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا ہے تو ہر شخص اس سے واقف ہوتا ہے" [211]

[210] شاہکار صحافت، ندیم الحسن گیلانی، ڈاکٹر، کالج بک ڈپو، اردو بازار لاہور، 2011ء، ص 27

[211] اسلام کا معاشرتی نظام، خالد علوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور، 2005ء، ص 404

اس سے ظاہر ہوا ہے کہ اب انسان پوری دنیا سے باخبر ہے اور یہ ابلاغ کی بدولت ممکن ہوا۔وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ ابلاغ کے ذرائع نے دنیا کو پہلے ایک گاؤں پھر ایک ایک کمرہ پھر ایک باکس میں قید کر دیا ہے انسان اپنی مرضی کے مطابق کائنات کے طول و عرض کی سیر کر سکتا ہے میڈیا کی اہمیت مندرجہ ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

معلومات کی ترسیل میں میڈیا کی اہمیت:

انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے خیالات و احساسات کو ہمیشہ دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے اور ان کے خیالات و احساسات تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔اگر انسان کو اپنے دلی خیالات و جذبات اور علمی افکار و نظریات کو دوسروں تک پہچانے کا موقع نہ ملے تو وہ بے بس، بے چین اور مضطرب رہتا ہے۔ دور حاضر میں وہ تمام کی تمام ایجادات سامنے آ رہی ہیں جو تصور انسانی میں آ سکتی تھی جبکہ آج سے پچاس سال پہلے انسان کے وہم و گمان میں بھی یہ چیزیں نہیں تھی۔آج معلومات اس قدر تیزی سے ایک کونے سے دوسرے کونے میں منتقل ہو رہی ہیں کہ ابھی منہ سے بات نکلتی ہے اور وہ اگلے ہی لمحے بحث و تمحیص کا موضوع بن جاتی ہے۔انسان اپنی رائے کو آسانی سے وسیع پیمانے پر پھیلا سکتا ہے اور دوسروں کی رائے سے بغیر معاوضے کے فائدہ اٹھا سکتا ہے ہر قوم آج اپنے دروازے اور کھڑکیاں دوسروں پر کھول رہی ہیں وہ انسان جاہل تصور کیا جاتا ہے جو حالات و واقعات سے لاعلم ہے۔

دفاعی نقطہ نظر سے میڈیا کی اہمیت:

دور حاضر کا سب سے طاقت ور ہتھیار میڈیا کا ہے۔پہلے جنگ تیر اور تلوار سے لڑی جاتی تھی پھر ان کی جگہ بندوق اور توپ نے لے لی پھر انسانی ذہن کی اختراع نے ایٹم بم بنایا اب جنگ ان ہتھیاروں سے لڑنے کے بجائے میڈیا سے لڑی جا رہی ہیں۔میڈیا جس کو چاہے ذلیل اور رسوا کر دے اور جسے چاہے بامِ عروج تک لے جائے۔ دور حاضر میں اسلام اور مسلمان قومی اور بین الاقوامی میڈیا کا مرکز ہیں بین الاقوامی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور دونوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر برائے نام رکھنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا میں محو اور مستغرق ہیں۔ کبھی اس بات کا دعویٰ کے اسلام تلوار کے ذور سے پھیلا تو کبھی مسلمانوں کو دہشت گرد بنا دیتے ہیں۔لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر رہے ہیں۔اب مسلمانوں کو وقت کی نزاکت کو سمجھنا ہو گا اور ان حالات میں اسلام کا دفاع کرنا ہو گا میڈیا کے ذریعے اسلام کا صحیح نقشہ سب کے سامنے پیش کرنا ہو گا چونکہ یہ دور میڈیا کا ہے اس لیے تلوار، بندوق یا ایٹم بم کی جگہ میڈیا کو ہی استعمال کر کے مخالفوں کے ارادوں کو ناکام کرنا ہو گا اور اپنے عمل سے بھی ثابت کرنا ہو گا۔

عبدالمالکؒ لکھتے ہیں:

پاکستانی الیکٹرانک میڈیا کو چاہیے کہ وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہجویہ اشعار سے سبق سیکھیں اور دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے سامنے ڈھال کا کردار ادا کریں .... کفار کے جھوٹے پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لیے آپ ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں ممبر رکھوادیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب حسان حق کی مدافعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح القدوس کے ذریعے اس کی اعانت کرتے ہیں"[212]

مسلمان اگر یہ سمجھتے ہیں کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک جگہ بیٹھ کر کفار کی ہجو کرتے تھے لہذا وہ بھی میڈیا کے بنا ہی اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور آپ ﷺ کی ناموس، اپنا اور اسلام کا دفاع کر سکتے ہیں تو یہ سوچ غلط ہے کیونکہ جتنے لوگوں تک میڈیا اسلام کو بدنام کر رہا ہے مسلمانوں کو ان تک اپنی بات پہنچانی ہوگی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"جو لوگ ریڈیو کے ذور سے ایک سیکنڈ کے اندر باطل کی آواز کرہ زمین کے ایک ایک کونے میں پہنچا دیں اور کروڑہا انسانوں کے خیالات کو ایک جنبش زبان سے مسموم کر کے رکھ دیں ان کے مقابلے میں وہ لوگ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں جو ایک جلسے کے سامعین تک بھی حق کی آواز پہنچانے میں خدا کی پیدا کی ہوئی ایک طاقت سے کام لیتے ہوئے جھجکتے ہوں"[213]

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے صرف ریڈیو کی بات کی غالبا اس وقت میڈیا کی جدید شکلیں سامنے نہیں آئی تھی یا انھیں اس مذموم مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا تھا اب مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے ان پر فلمیں اور ڈرامے بنائے جاتے ہیں اور ان میں مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو بدترین مذہب کے طور پر سامنے لایا جاتا ہے۔ ریڈیو پر تو صرف آواز سنائی دیتی ہے جبکہ اب بصری مواد کے ذریعے فلموں اور ڈراموں میں سب دیکھایا جاتا ہے اور سمعی مواد سے زیادہ بصری مواد انسانی ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے مسلمانوں کو وہی ذرائع استعمال کر کے مخالفوں کے زہریلے ارادوں کو ناکام بنانا ہو گا۔

---

[212] اسلام اور جدید میڈیا، عبدالمالک آغا، ڈاکٹر، القلم، دسمبر 2014ء، ص/6،7

[213] دعوت اسلامی اور اسکے مطالبات، مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1998ء، ص454

دین اسلام کی تبلیغ میں میڈیا کی اہمیت

دین اسلام تمام بنی نوح کے لیے ہے یہ دین جامع اور کامل ہے اس دین پر عمل کرنے والے لوگ ہی آخرت میں کامیاب ہوں گے۔اس دین کو کو جو بھی قبول کرتا ہے اس پر اس کی تبلیغ واجب ہو جاتی ہے تاکہ وہ حق کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا کر رسولوں اور انبیاء علیہ السّلام کی سنت کو پورا کرے۔قرآن وحدیث اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ ﴾[214]

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

اسلام کی تبلیغ کے لیے آپ ﷺ اور اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہنے اپنے گھر بار چھوڑے۔راستے میں آنے والی مشکلات اور تکالیف میں صبر و تحمل اور استقامت و بردباری کا مظاہرہ کیا اور ایسا انقلاب لایا جس کی مثال آج تک کوئی قوم نہ پیش کر سکی۔ مسلمانوں کو یہ انقلاب وراثت اور تحفے میں ملا اس کی قدر کرنی ہو گی اور تبلیغ کے کام کو آگے بڑھانا ہو گا۔مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حق کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں اور اسلام کی صحیح تصویر کو لوگوں کے سامنے لائیں اور ذہنی انقلاب لانے کی کوشش کریں۔

اس حوالے سے حفیظ ندویؒ یوں لکھتے ہیں:

"اسلام کا پیغام انسانیت کو نہ پہنچانا معصیت کا باعث ہے۔اس لیے کہ ایک طرح سے وہ کتمان علم کے حکم میں آتا ہے،ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آخری سانس تک حق کا پیغام پہنچاتا رہے"[215]

دور جدید میں دین کی تبلیغ میں میڈیا کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اگر لوگوں کے پاس جا کر اپنی بات منوانی ہے تو وہی عمل کریں گئے جن کے پاس مبلغ گیا ہے،جبکہ اس مقابلے میں میڈیا کے ذریعے ایک ہی وقت میں مبلغ اپنی بات دنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکتا ہے۔میڈیا کے ذریعے مبلغ اگر لوگوں کو تعلیم دے گا تو بہت سے لوگ

---

[214] سورة النحل:125

[215] مغربی میڈیا اور اس کے اثرات،نذرالحفیظ ندوی،مجلس نشریات اسلام،ناظم آباد کراچی،س۔ن،ص/349-340

علم سے بہرہ ور ہو کر مہذب، بااعتماد اور پر سکون ہوں گے ۔اگر لوگوں کو معاشرتی برائیوں اور خرابیوں سے آگاہ کرے گا تو لوگ ان سے اجتناب کریں گے۔اسلام کی صحیح تصویر کشی کرے گا تو لوگ اسلام سے محبت کریں گے۔

مفتی محمد شفیعؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"خبر گیری سنت ہے.... تبلیغی ضرورتیں بخوبی ادا کی جاسکتی ہیں"[216]

لیاقت علی خان نیازی اس حوالے سے یوں لکھتے ہے:

"ریڈیو اور ٹیلی وژن پر تبلیغ کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ پروگراموں میں مقصدیت کا واضح ربط ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ تلاوت قرآن پاک یا کسی دینی موضوع پر رشد وہدایت کی باتیں ختم ہوتے ہی رقص و سرو لعو لعب کا ایسا سماں باندھ دیا جائے جو پہلے پروگرام کا اثر زائل کر دے.... حکومت اندرون وبیرون ملک تبلیغ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لے کیونکہ دینی اعتبار سے یہ حکومت کا فریضہ ہے"[217]

درجہ بالا عبارت میں واضح کہا گیا ہے کے نشر ہونے والے پروگرام مقصد پر مبنی ہوں اور فرد واحد کی تبلیغ کے علاوہ حکومت کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ تبلیغ کے انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھے۔

درجہ بالا بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ ابلاغ کا آغاز عرش عظیم پر ہو گیا تھا لیکن زمین پر اس کا آغاز حضرت آدم علیہ السّلام کی آمد کے بعد ہوا۔اور آج تک ابلاغ کا عمل جاری وساری ہے لیکن اس ترقی یافتہ دور میں جہاں انسان روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے تو اس کی ترقی کی ایک وجہ یہ ابلاغ بھی ہے۔ابلاغ کے بنا انسان کی زندگی ادھوری تصور کی جارہی ہے اسے انسان کی شہ رگ مانا جارہاہے کیونکہ اسی کی بدولت وہ تمام حالات و واقعات سے باخبر ہے۔اسی کی بدولت اپنی ایجادات وانکشافات کالوہا پوری دنیا میں منوارہاہے اور اس میں اسے کسی رقم کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ہے۔ جہاں ابلاغ ہر میدان میں قابل ستائش ہے وہاں مسلمان دفاعی اعتبار سے اسے استعمال کر کے دشمنوں کے مذموم عزائم کو خاک میں ملانا ہو گا اور اپنے دین کا پرچار کرنا ہو گا۔ تبلیغ کے کام کو آگے بڑھا کے آپ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنا ہو گا ایک ہی وقت میں اپنی با مقصد تبلیغ کو کونے کونے میں پھیلانا ہو گا۔

---

216 صحافت اور اسکی شرعی حدود، عثمانی، مفتی محمد شفیع، ادارہ اسلامیات کراچی، 2003ء، ص29

217 اسلام کا قانون صحافت، لیاقت علی خان نیازی، ص/91

فصل دوم:

ذرائع ابلاغ کا بچوں کی تعلیم و تربیت میں کردار واثرات

کائنات کے وجود سے لیکر حالات حاضرہ تک عوام الناس سے میل جول اور ان کے بارے میں آگاہی کے مختلف طریقے اور ذرائع رائج ہوئے ہیں جنھیں ابلاغ کا نام دیا گیا ہے۔ جس نے تمام دنیا کو ایک گاؤں اور کمرے میں لا کر کھڑا کر دیا ہے جو ہر امیر اور غریب کے گھر میں موجود ہے۔ جس سے ہر انسان متاثر ہے ابلاغ جسے میڈیا بھی کہتے ہیں۔ اور میڈیا کی رسائی انسان کے ذہنوں تک بھی ہے میڈیا افکار کی تبدیلی کا آسان ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعے لوگ تاریخ اور موجودہ حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور دور دراز رہنے والوں میں فاصلے نہیں رہتے۔

آیت اللہ خمینیؒ اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نشریات (ذرائع ابلاغ) کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی محاذ جنگ پر قربان ہونے والی جانوں کی ہے"[218]

انسان کی زندگی ایک ہی بار عطا کی جاتی ہے اسے آیت اللہ خمینیؒ نے نشریات کے مشابہ قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں کی اہمیت ایک جتنی ہے اور کیوں نہ ہو اب تعلیم و تربیت میڈیا کے ذریعے سہل ہے۔ بچے جو فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں پھر ارد گرد کے حالات بچوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ میڈیا نے انھیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ بچہ جس گھر میں آنکھ کھولتا ہے وہاں کا ماحول، رہنے والے لوگ اور ان کا رویہ بچے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ چونکہ آج ہر گھر میں میڈیا کسی نا کسی صورت میں موجود ہے اس لیے چاہے وہ میڈیا کا استعمال کرے یا نہ کرے وہ اپنا اثر رکھتا ہے اور استعمال کی صورت میں بچہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر چیز کے ایجابی اور سلبی پہلو ہوتے ہیں لہذا اس فصل میں بچوں کی تربیت میں ذرائع ابلاغ کے مثبت اور منفی کردار کو احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

---

[218] منتخب کلمات، خمینی، سید، روح اللہ موسوی، موسسہ تنظیم و نشر آثار، ایران، س ن، ص 199

ذرائع ابلاغ کا بچوں کی تربیت میں مثبت کردار اور اس کے اثرات:

ذرائع ابلاغ نے تمام دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے ابلاغ کی نت نئی ایجادات نے انسانی زندگی کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اور اس پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں بچے جو اپنے ارد گرد کے ماحول سے سیکھتے ہیں اور تربیت کے مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں وہ بھی ابلاغ سے متاثر ہوئے بنا رہ نہیں سکے۔ابلاغ نے ان کی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔درجہ ذیل میں ابلاغ کا بچوں کی تربیت میں مثبت کردار اور اس کے اثرات کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا۔

تحقیق و تجسس اور ذہنی انقلاب:

بچوں کی فطرت میں تحقیق اور تجسس کا مادہ ہوتا ہے وہ جس بھی چیز کو دیکھتے ہیں اس کے بارے میں بار بار سوال کرتے ہیں ذہن نشین ہونے تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ماں باپ سے سنی گئی کہانی کے بارے میں بھی سوچتے ہیں ٹی وی پر دیکھے گئے پروگراموں میں سمجھ نہ آنے والی بات کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔استاد سے سنی گئی جگہ اور نئی بات و ایجادات پر تحقیق و تجسس کا اظہار کرتے ہیں ابلاغ ایسے وقت میں ان کا بھرپور ساتھ دیتا ہے وہ ابلاغ کے ذریعے ہر اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں جس کو دیکھنا ان کی دلی خواہش ہوتی ہے ۔میڈیا کے ذریعے جب وہ سنتے ہیں کہ فلاں بچے نے دوڑ میں ، کراٹوں میں، تلاوت میں، تقاریری مقابلے میں اور کسی ایجاد میں پوزیشن حاصل کی ہے تو ان میں تجسس بڑھ جاتا ہے کہ کیسے کیا ہو گا وہ اس ایجاد کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں ان مقابلوں کو دیکھتے ہیں اور خود بھی ویسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کی ان کے سامنے تعریف کی جائے تو ڈاکٹر بننا ان کا خواب بن جاتا ہے، ٹی وی میں موجود کسی بھی اداکار کا کوئی روپ پسند آ جاتا ہے اور شروع سے ہی خود کو ویسا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

معلومات میں اضافہ اور مسائل کا حل:

سوشل میڈیا استعمال کرنے والے بچے ارد گرد کے حالات سے باخبر رہتے ہیں دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والا واقعہ دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں بھی کوئی واقعہ ہوا خبر میڈیا کی وجہ سے آگ کی طرح پھیل جاتی ہے ۔بچے بھی ایسے واقعات سے باخبر رہتے ہیں۔ وہ کسی چیز کے بارے میں تجسس کی بنا پر نیٹ سے مدد لیتے ہیں اس دوران ان کی معلومات بڑھتی جاتی ہے ۔جب انھیں کوئی مسلئہ پیش آتا ہے خواہ وہ تعلیم سے متعلق وہ یا کسی جگہ سے وہ سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہیں جو ان کے مسائل کو فورا حل کر دیتا ہے۔

محمد بشیر اس بارے میں لکھتے ہیں:

"انٹرنیٹ ابلاغ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور ایک انتہائی تیز رفتار سروس بھی، آج کے دور کی اہم ٹیکنالوجی کمپیوٹر کا ایک عالمگیر نیٹ ورک ہے جو مختلف انداز میں بے شمار معلومات مہیا کرتا ہے"[219]

بچوں کو کوئی پروجیکٹ بنانا ہو اور سب کے گھر میں کوئی پڑھا لکھا موجود نہیں ہوتا اس صورت میں نیٹ ان کا بہترین ساتھی ہے جو نئے نئے پروجیکٹ سے انھیں متعارف کراتا ہے۔ پراجیکٹ کا پورا طریقہ نیٹ سے دیکھ کر وہ اس مشکل سے آسانی سے نکل جاتے ہیں۔ کسی سوال میں جہاں بھی دشواری ہوتی ہے وہ نیٹ سے دیکھ کر خود کو اس سے آزاد کر لیتے ہیں۔ نیٹ ان کے تمام مسائل کو بغیر معاوضے کے حل کر دیتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بچے اس کے استعمال سے واقف ہوں۔

تنہائی کا دوست اور سیر و تفریح کا ذریعہ:

میڈیا بچوں کی تنہائی کا بہترین ساتھی ہے آج کل بچے اپنا زیادہ وقت کھیل (Games) کھیلنے میں اور ٹی وی دیکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ ہر وقت اس سرگرمی میں مصروف رہنا بچوں کے معصوم ذہنوں پر خطرناک اثرات مرتب کرتا ہے۔ اگر صرف ضرورت کے وقت اور فارغ اوقات میں والدین کی موجودگی میں بچے میڈیا کا استعمال کرتے ہیں تو یہ ان کی سیر و تفریح کا بہترین ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر سلمیٰ میڈیا کو سیر و تفریح کا بہتریں ذریعہ مانتی ہیں۔

ام سلمیٰ اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"اخبار ورسائل اور ٹی وی ایک سستی تفریح ہے، جو بغیر کسی مشقت کے گھر بیٹھے بٹھائے ہر کسی کو میسّر آجاتی ہے۔ ایک بٹن دبائیں اور نیا جہان آباد کریں"[220]

اب سرمایہ استعمال کر کے آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں بلکہ گھر بیٹھ کر آپ کسی بھی جگہ کی سیر کر سکتے ہیں۔ بچے اب خود مختلف جگہوں کو تلاش کرتے ہیں اور استاد یا والدین سے کہہ کر اگلے ہی دن وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اپنا پسندیدہ پروگرام بچے بار بار دیکھ سکتے ہیں جب چاہیں میلوں دور بیٹھے اپنے پیاروں سے بات کر سکتے ہیں انھیں اپنی تصویر بھیج سکتے ہیں۔

محمد بشیر میڈیا کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[219] مختصر انٹرنٹ ڈکشنری، محمد بشیر، اردو بازار لاہور، ص:60

[220] ذرائع ابلاغ کا کردار اور اس کے انفرادی و معاشرتی اثرات سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں تحدیدات،، ڈاکٹر سلمیٰ، العلم۔ ج2 شمارہ 1، جنوری، جون 2018ء، ص:32

"میل کے ذریعے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک متین اشکال تصاویر چند سیکنڈ میں پہنچ جاتی ہیں" [221]

ٹی وی میں بہت سے ایسے پروگرام ہیں جن میں سوال کیے جاتے ہیں اور جواب دینے والا انعام کا مستحق ہوتا ہے بچے ایسے پروگرام دیکھتے ہیں جن سے ان میں تجسس بڑھتا ہے۔ وہ جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح کے پروگرامز دیکھنے سے بچوں کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے۔

اظہار جذبات اور رائے کا اظہار:

ابلاغ نے اب جذبات اور رائے کی ترسیل کو آسان بنادیا ہے بغیر کسی معاوضے کے اپنی رائے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ بچے بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ واٹس اپ پر وائس پیغامات کے ذریعے دوستوں اور رشتہ داروں سے رابطے میں رہتے ہیں اتنا ہی نہیں وہ اپنی رائے یوٹیوب، فیس بک کے ذریعے ان لوگوں تک بھی پہنچا رہے ہیں جن کو جانتے بھی نہیں اور جن تک ان کی رسائی بھی ممکن نہیں اور دوسروں کی رائے اور خیالات سے بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر ہر وقت گردش کرتی ہوئی احمد پٹھان اور لائبہ کی ویڈیوز اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں لائبہ کی جموں کشمیر پر اٹھائی گئی آواز کو سوشل میڈیا پر بہت سراہا گیا اس کے بعد متعدد انٹرویو اس سے لیے گئے۔ احمد پٹھان کی سکول میں بنی ویڈیو نے اسے سوشل میڈیا کا ہیرو بنادیا۔ اب بڑے بڑے مسائل پر احمد سے رائے لی جاتی ہے۔ ابلاغ نے یہ کام آسان کردیا ہے پہلے اپنی رائے کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے اخبار، ریڈیو یا ٹیلی ویژن کا سہارا لینا پڑتا تھا اور اس پر ایک خطیر رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب ایسا نہیں ہے اب رقم کی ضرورت نہیں پڑتی بس ایک لمحے سوچیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس سوچ کو لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ الغرض ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن میں بچے اپنی رائے دے بھی رہے ہیں اور مستفید بھی ہو رہے ہیں

ذرائع ابلاغ کا بچوں کی تربیت میں منفی کردار اور اس کے اثرات:

ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور افادیت بجا سہی مگر اسکے دور س اثرات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جس طرح اس کے ثمرات بے شمار ہیں اس طرح ابلاغ کے نقصانات بھی زیادہ ہیں۔ چونکہ بچے معصوم ذہن کے حامل ہوتے ہیں ہر دیکھنے والی چیز اور سنی جانے والی بات کو اپنے ذہن میں راسخ کر لیتے ہیں۔ ایسے میں اگر وہ سوشل میڈیا کا بے دریغ استعمال کریں گے تو منفی نتائج بھی بھگتنا پڑیں گئے۔ ذیل میں ابلاغ میں ابلاغ کا منفی کردار اور اس کے اثرات کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا۔

---

[221] مختصر انٹرنٹ ڈکشنری، محمد بشیر، ص:60

جسمانی اور تعلیمی نشو ونما پر منفی اثرات:

بچے نشو ونما کے مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں ٹی وی کے آگے بیٹھے رہنے کی وجہ سے وہ جسمانی ورزش سے دور ہو جاتے ہیں۔ ورزش نہ کرنے کی وجہ سے ان کے اعصاب بھی کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ ذہنی اور جسمانی نشو ونما میں بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ٹی وی اور شوشل میڈیا کے بے حد استعمال کی وجہ سے وہ تعلیمی میدان میں بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ بچہ جب ٹی وی دیکھتا ہے تو ذہن کو اتنا استعمال نہیں کرتا اور اور وقت بھی ضائع کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ عملی میدان میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ گھنٹوں گھنٹوں ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے بچوں کی نظر کمزور ہو جاتی ہے اس لیے زیادہ بچے نظر کی کمزوری کی وجہ سے عینک کا استعمال کرتے ہیں۔

بے حیائی کا فروغ:

بچے جو چیز بھی دیکھتے ہیں اسے اپنے ذہن میں راسخ کر لیتے ہیں آج کل ٹی وی میں بہت سے پروگرام ایسے ہیں جن میں فحاشی اور بے حیائی عروج پر ہے۔ اگر بچے نیٹ استعمال کر رہے ہیں تو وہاں پر ایسی ایسی ویڈیو ہیں جو کسی بھی مسلمان کے دیکھنے کے قابل نہیں اور ایسی ویڈیو بچوں کے ذہنوں کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ وہ حیاء کے زیور سے محروم ہو جاتے ہیں۔ قرآن ایسے پروگراموں کی سخت مذمت کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ﴾[222]

ترجمہ: اور جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[223]

ترجمہ: اور پاس نہ جاؤ فحاشی کہ کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو۔

---

[222] سورة النور:19

[223] سورة الانعام:151

قرآن نے سختی سے ایسے پروگرام بنانے سے منع کیا ہے اور واضح طور پر بتادیا ہے کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہیں اس لیے بچوں کو ان سے دور رکھنا چاہیے۔ ایسے مضر پروگرام دیکھنے سے بچے ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور ان کا رجحان اسی طرف رہتا ہے وہ قبل از وقت ہی بالغ ہو جاتے ہیں اور غیر حقیقی زندگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے والدین اپنے بچوں کو ٹی وی اور سوشل میڈیا سے دور رکھیں یا وقت مختص کر لیں اور بچوں کے ساتھ اس وقت رہیں تاکہ بچے فحاشی سے دور رہیں۔

مذہب سے دوری اور بے زاری:

سوشل میڈیا کے استعمال سے بچے اپنے وقت کو نہ صرف ضائع کرتے ہیں بلکہ اپنے قیمتی اثاثے یعنی کہ اپنے مذہب سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اپنا سارا وقت وہ سوشل میڈیا کو دیتے ہیں اور نماز اور قرآن کے وقت کا انھیں احساس ہی نہیں ہوتا۔ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں۔ بڑوں کا احترام نہیں کرتے۔ ایسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں جن میں مسلمانوں کو دہشت گرد بنا کہ دیکھایا جاتا ہے۔ ایسے ایسے حملے دیکھائے جاتے ہیں جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شہید ہوتے ہیں پشاور APS کی مثال ہمارے سامنے ہے جس میں حملہ آور کلمہ پڑھتے ہوئے فائر نگ کرتا ہے، ایسے ہی ڈرامے اور فلموں میں دیکھایا جاتا ہے جن میں ہمارے مذہب کو تشدد پسند اور مشکل ظاہر کیا جاتا ہے نتیجتاً بچے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں.

28 فروری 2016 کو ایک پروگرام دیکھایا گیا:

> "جس میں پاکستانی بچوں پر طنز کیا گیا کہ کہ وہ ایک مسلمان ملک میں رہتے ہیں لہذا وہ دہشت گرد بنیں گے اچھے انسان نہیں"[224]

اس طرح کے پروگرامز بچوں کے معصوم ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں نتیجتاً وہ اپنے ہی دین سے دور ہو جاتے ہیں اور برائے نام مسلمان رہ جاتے ہیں پھر وقت پڑھنے پر انہی معصوم بچوں کو اسلام کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔

کارٹون بینی کے منفی اثرات:

کارٹون بینی ایک ایسی وبا ہے جس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے. بچے تو بچے بڑے بھی کارٹون بہت شوق سے دیکھتے ہیں اور افسوس کی بات ہے کہ اسے بے ضرر سمجھا جاتا ہے۔ والدین اپنے بچوں کو خود کارٹون کا عادی بنا رہے ہیں تاکہ ان کے بچے گھر میں ہی رہیں ایک بری عادت سے دور رکنے کے لیے وہ خود اپنے بچوں کو انتہائی خطرناک اور مہلک برائی

---

[224] Ntto://michellemalkin.com ,28 feb 2016

کا عادی بنا رہے ہیں کیونکہ کارٹون بینی سے وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ بہت سے کارٹون صرف لڑائی جھگڑے اور بدلہ لینے پر بنائے جاتے ہیں ان سے تشدد اور بدلے کا پہلو اجاگر ہوتا ہے جیسے Tom and Jerry۔

اتنا ہی نہیں غیر مسلم کارٹون بینی کے ذریعے اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں اور اپنی تعلیمات اور تہذیب کو بچوں کے ذہنوں میں راسخ کرتے ہیں جیسے کرشنا[225] ،ہنومان[226]،اس طرح بچوں کے کچے ذہنوں میں غیر مسلموں کی تعلیمات راسخ ہو جاتی ہیں پھر بعض کارٹون جانداروں سے مشابہت رکھتے ہیں جو کہ شرعاناجائز ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَوَّرَ صُورَةً كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ))[227] .

ترجمہ: جس نے کوئی تصویر بنائی، قیامت کے روز اسے حکم ہو گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

تصویر کی نحوست سے آدمی رب کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ کارٹون کے ذریعے اس کو بہت زیادہ عام کیا جا رہا ہے۔اب تو باقاعدہ سے انسانوں کے خاکے بنائے جاتے ہیں اور انسانوں کی شکل کے کاٹون بنا کر لوگوں کی تذلیل کی جاتی ہے۔

ایاز محمد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اخلاقیات کے تحت کارٹون نویسی کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ متعلقہ کارٹون سے مذمت کا پہلو نہ نکلتا ہو ،تضحیک اور دل آزاری سے اجتناب کیا جائے، مذہبی اور دیگر

---

[225] کرشن 3228ق م میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے بعد اس کا کنس ماموں اسے مارنا چاہتا تھا مگر ناکام رہا۔ بعد میں اس نے اپنے ماموں کو قتل کیا۔ یہ ہندوؤں کے ایک خدا کا نام ہے جس کو ہندوؤں کے خداوں کا آٹھواں اوتار کہا جاتا ہے۔ وفات 3102ق م میں ہوئی https://ur.wikipedia.org/wiki,22,6,2020

[226] ہنومان کو ہندو مذہب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے ہندو مت کی اہم کتاب رامائن کے مطابق رام نے لنکا کے علاقے میں ہنومان کی ہی مدد سے سیتا کی قید سے اپنی بیوی کو رہا کرایا تھا، https://www.nawaiwaqt.com.pk/08-Aug-2020

[227] سنن النسائی ،كتاب الزاينة،بَابُ : ذِكْرِ مَا يُكَلَّفُ أَصْحَابُ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ح: 5362، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رہنماؤں کے کارٹون بنانے سے احتراز کیا جائے، جسمانی عیوب واضح کرنے والے کارٹون بنانے سے احتراز کیا جائے"[228]

کارٹون نویس اس بات سے قطع تعلق ہو کر کاٹون بناتے ہیں کہ کسی کی کتنی دل آزاری ہو گی وہ صرف اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں۔ ہمارے بچے انھیں دیکھ کر ویسی ہی حرکتیں کرتے ہیں اور ویسی زبان بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ والدین کے لیے ضروری ہے کہ اس کا عادی ہونے سے اپنے بچوں کو بچائیں۔

ویڈیو گیمز کا کرداراوراس کے منفی اثرات:

آج کل والدین بچوں کو مصروف رکھنے کے لیے انھیں ویڈیو گیمز کا عادی بنا دیتے تا کہ ان کے بچے ان کی آنکھوں کے سامنے اور مصروف رہیں۔ لیکن لاشعوری طور پر وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی بچوں کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے نقصانات اس کے فوائد سے کئی زیادہ ہیں مثلاً، وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ بچے پسند ہی ایسی گیمز کو کرتے ہیں جس میں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ تشدد پر مبنی گیمز کو پسند کرتے ہیں اور خود بھی اس کے خو گر ہو جاتے ہیں۔

کھیل (Games) میں اسلحہ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے بچے اس سے واقف ہو جاتے ہیں ۔گیم میں ایک گروپ دوسرے کے مارنے کی کوشش کرتا ہے کنڑول مکمل طور پر بچے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو حقیقت میں وہ یہ بات مان لیتا ہے کہ وہ دشمن کو زیر کر سکتا ہے۔ پھر عملی زندگی میں بھی بچے گروپ میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو بندوق کے ساتھ مارنے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے ہو کر بھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ضد ان کی فطرت میں آجاتی ہے وہ تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حتی الامکان کھیل(Games) کے استعمال سے روکیں۔

درجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہو چیز کے دوررس نتائج ہوتے ہیں اس طرح ابلاغ کے بھی ہیں اس کے ایجابی پہلو بچوں کی زندگی پر مثبت اور سلبی پہلو منفی نتائج مرتب کرتے ہیں۔ مثلاً ابلاغ کے ذریعے بچوں میں جہاں تحقیق و

---

[228] صحافتی ضابطہ اخلاق اور قرآن حکیم کی تعلیمات، ایاز محمد، ڈاکٹر، آصف جاوید برائے نگارشات پبلشرز، 2002، ص:93

تجسس کو عنصر سامنے آتا ہے، غور و فکر کرنے کی عادت پروان چڑھتی ہے، وہی ان میں مذہب سے دوری اور بے زاری بھی پیدا ہوتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف بنائے گئے پروگرام دیکھ کر اپنے ہی مذہب کو برا سمجھنے لگتے ہیں۔ جہاں ابلاغ ان کی معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور ان کے مسائل کا فوراً حل بتاتا ہے، وہی پر ابلاغ ان کی جسمانی اور ذہنی نشو نما میں ایک رکاوٹ ہے ابلاغ کے استعمال سے بچے ورزش سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ ایک طرف تو وہ ان کی تنہائی میں ان کا ساتھی ہے تو وہی پر ابلاغ ان کی تنہائی کا فائدہ اٹھا کر ان میں بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ اور ان کے والدین بھی اس سے قطع تعلق ہوتے ہیں کہ ان کے بچے کس طرف جا رہے ہیں۔ مختلف کھیل اور کارٹون دیکھ کر بچے تشدد پسند ہوتے جا رہے ہیں اور اسلحے کے استعمال کا شوق ان میں پروان چڑھتا جا رہا ہے۔ ان مہلک اثرات سے صرف والدین ہی اپنے بچوں کو بچا سکتے ہیں۔

فصلِ سوم:

تعمیرِ شخصیت میں ذرائع ابلاغ کے کردار کا شماریاتی جائزہ

عصر حاضر ذرائع ابلاغ کا دور ہے اور انسان اسی ٹیکنالوجی کی بدولت دن بدن ترقی کرتا جارہا ہے اس کے اثرات سے کوئی بھی نہیں بچ سکا۔ بچہ جو کہنے کو تو معصوم اور ہر چیز سے لاعلم ہوتا ہے وہ بھی بے دھیانی میں اس کی طرف کھنچتا جاتا ہے۔ جہاں بچوں کی شخصیت کو تعمیر کرنے میں جہاں ہر عامل اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے وہاں ذرائع ابلاغ کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ بچوں کی شخصیت کو بنانے میں اور کافی حد تک بگاڑنے میں اس کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ ذیل میں ضلع سدھنوتی پرائمری جماعت کے بچوں کی تعمیرِ شخصیت میں ذرائع ابلاغ کے کردار کا شماریاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کے جوابات کی روشنی میں نتائج مرتب کیے گئے ہیں اور حتمی نتائج کو فیصد اور چارٹ کی مدد سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ذیل میں سوالنامہ اور اس کی تجزیاتی رپورٹ پیش کی جاتی ہے۔

سوال نمبر 1: کیا آپ ٹی وی دیکھتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	130	63	67	65%
نہیں	30	17	13	15%
کبھی کبھی	40	20	20	20%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.1

مذکورہ سوال کے جواب میں 65% بچوں نے ہاں اور 15% نے نہیں جبکہ 20% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.1 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
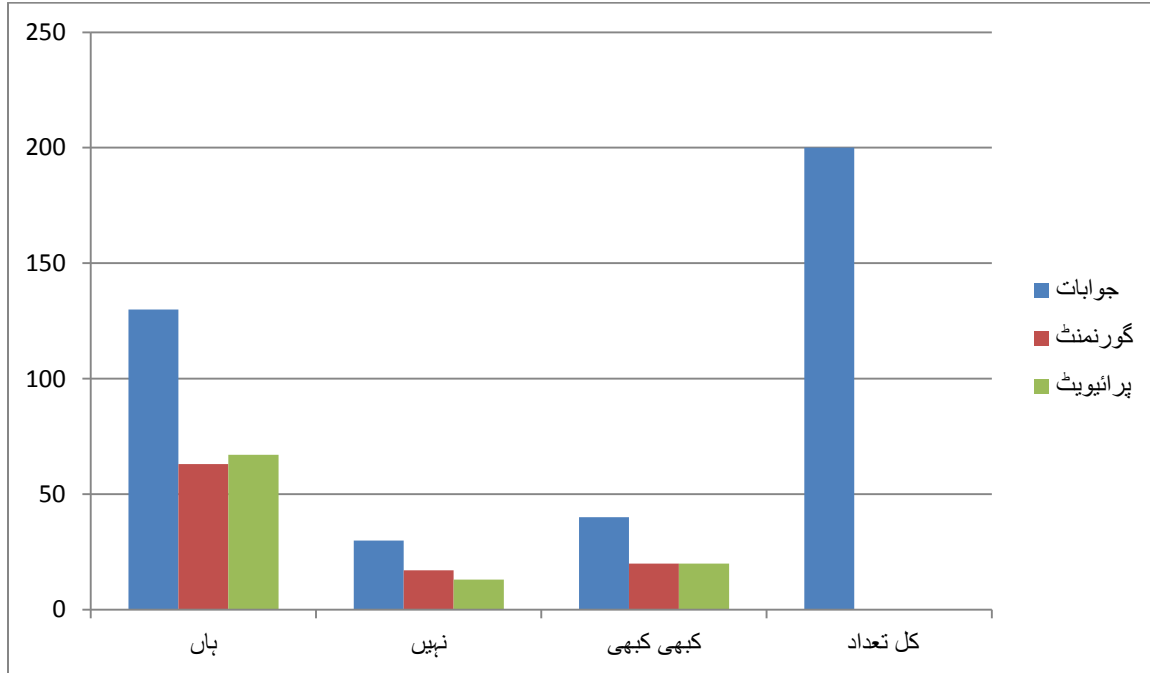
چارٹ نمبر 4.1

سوال نمبر2: کیا آپ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	53	23	30	26.5%
نہیں	127	67	60	63.5%
کبھی کبھی	20	10	10	10%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر4.2

مذکورہ سوال کے جواب میں 26.5% بچوں نے ہاں اور 63% نے نہیں جبکہ 10% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.2 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
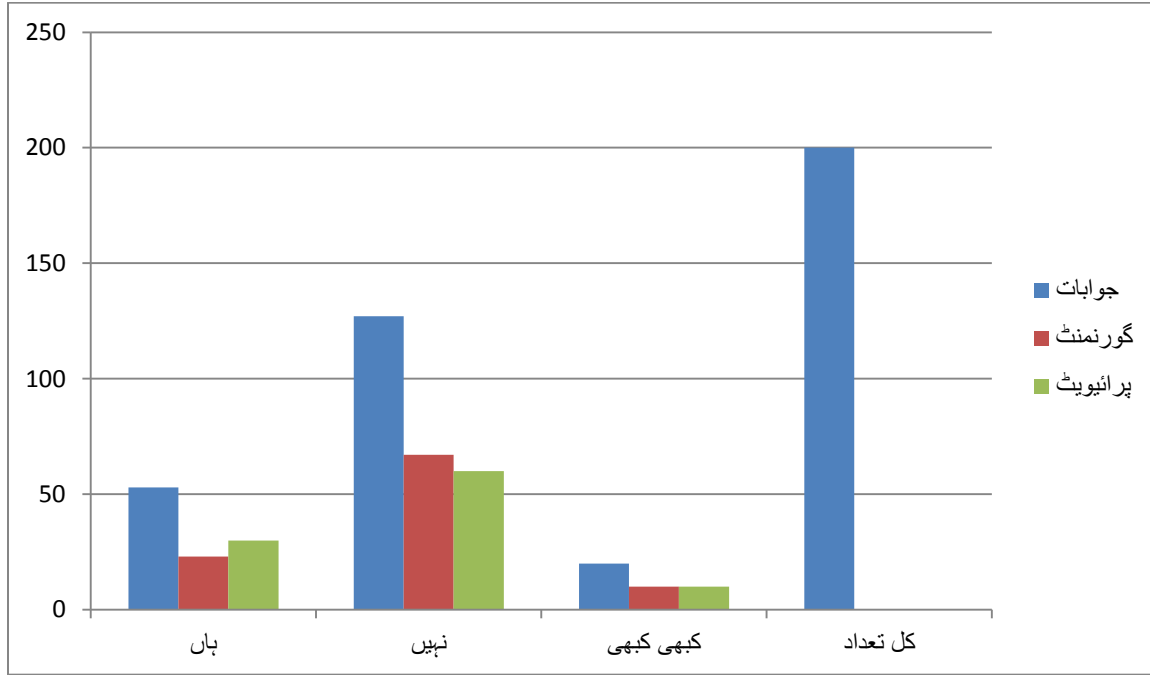
چارٹ نمبر4.2

سوال نمبر 3: کیا آپ فون استعمال کرتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	132	63	69	66%
نہیں	48	27	21	24%
کبھی کبھی	20	10	10	10%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.3

مذکورہ سوال کے جواب میں 66% بچوں نے ہاں اور 24% نے نہیں جبکہ 10% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.3 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
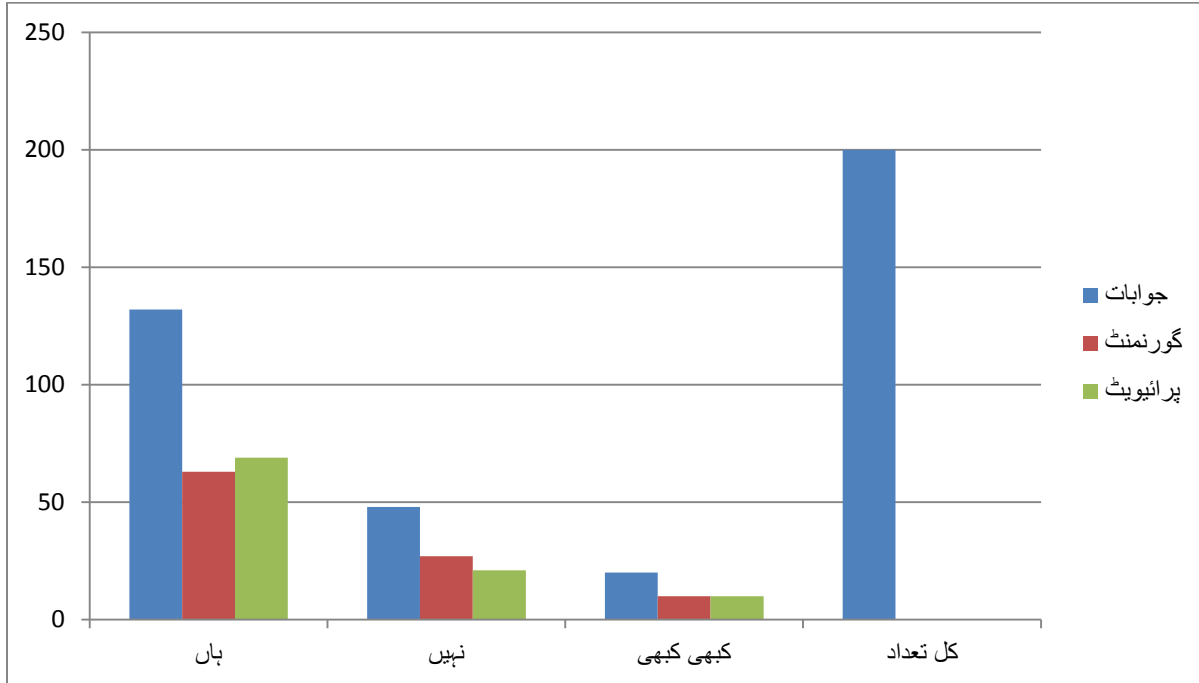
چارٹ نمبر 4.3

سوال نمبر 4: کیا آپ کے گھر میں ٹی وی یا کمپیوٹر کے استعمال کا کوئی وقت مختص ہے؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	45	25	20	22.5%
نہیں	165	75	80	82.5%
کبھی کبھی	00	00	00	0%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.4

مذکورہ سوال کے جواب میں 22.5% بچوں نے ہاں اور 82.5% نے نہیں میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.4 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
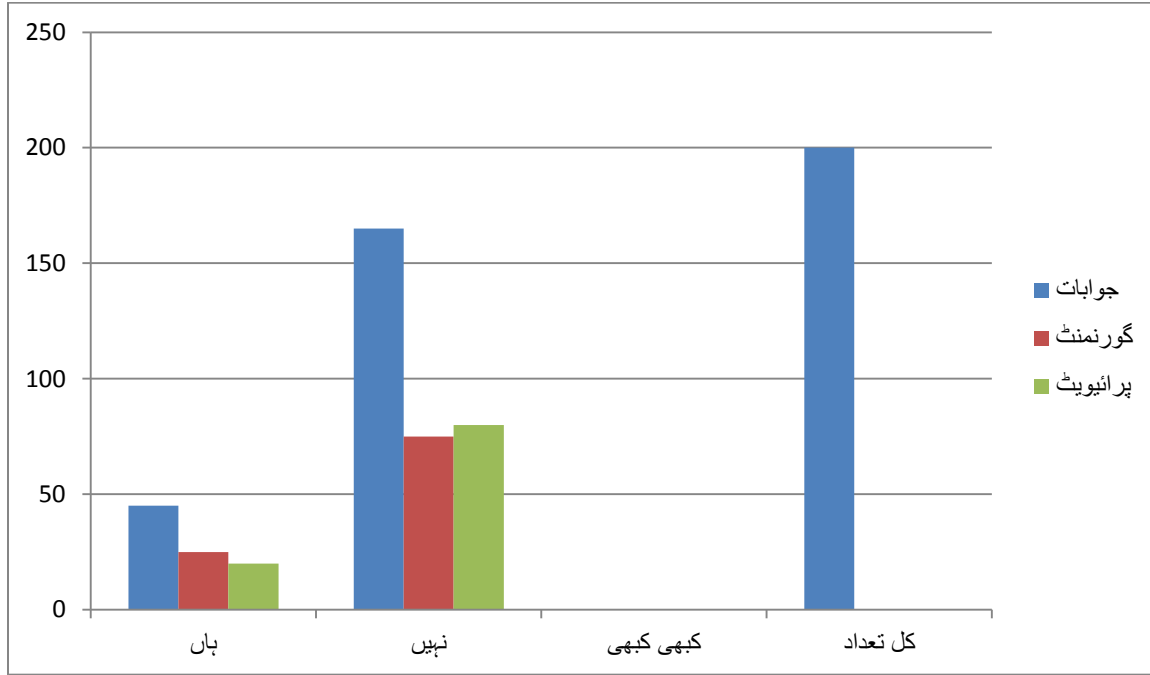
چارٹ نمبر 4.4

سوال نمبر 5: جب آپ ٹی وی، فون یا کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں تو کیا آپ کے پاس کوئی ہوتا ہے؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	123	63	60	61.5%
نہیں	27	11	16	13.3%
کبھی کبھی	50	26	24	25%
کل تعداد	200			

ٹیبل نمبر 4.5

مذکورہ سوال کے جواب میں 61.5% بچوں نے ہاں اور 13.5% نے نہیں جبکہ 25% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.5 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
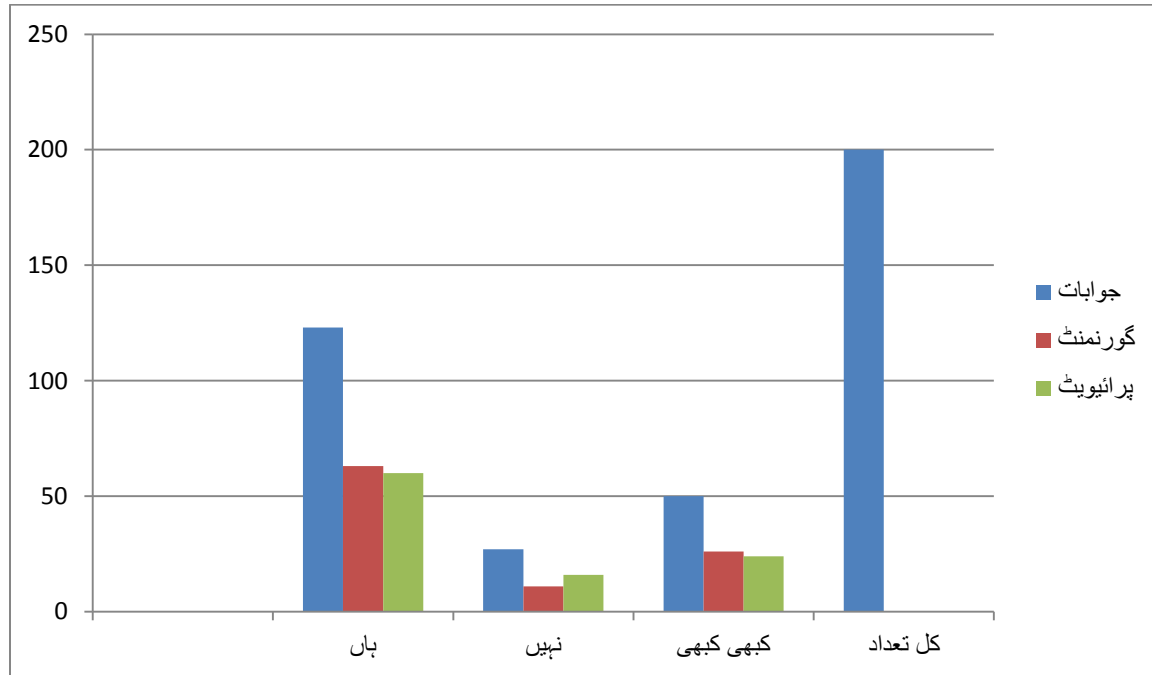
چارٹ نمبر 4.5

سوال نمبر 6: کیا آپ کے سکول میں آپ کو کمپیوٹر چلانا سکھایا جاتا ہے؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	40	18	22	20%
نہیں	140	77	63	70%
کبھی کبھی	20	15	05	10%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.6

مذکورہ سوال کے جواب میں 20% بچوں نے ہاں اور 70% نے نہیں 10% نے کبھی کبھی میں جواب دیا جبکہ پورے آزاد کشمیر میں پرائمری سطح پر گورنمنٹ سکول میں 2.7% جبکہ پرائیویٹ میں 11.1% کمپیوٹر لیب[229] ہیں۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.6 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
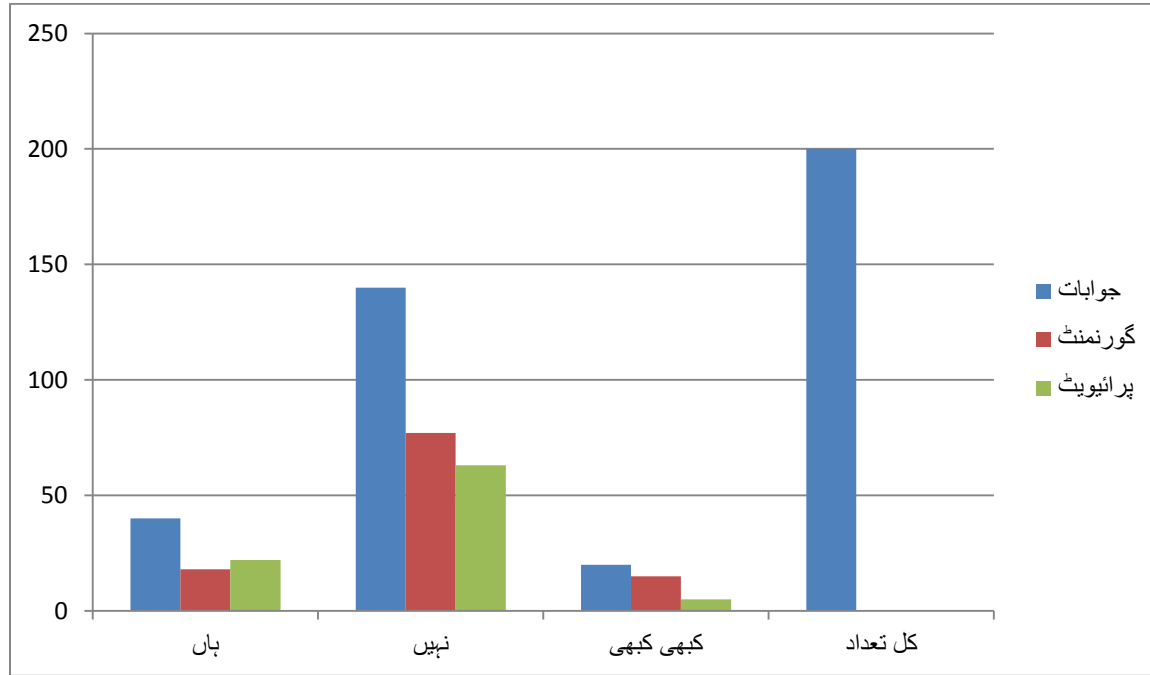
چارٹ نمبر 4.6

[229]Annual Status of Education Report ASER-PAKISTAN 2019,. January 29, 2020,p 207

سوال نمبر 7: کیا آپ فون یا کمپیوٹر پر گیم کھیلتے ہیں؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	79	41	56	39.5%
نہیں	73	39	34	36.5%
کبھی کبھی	30	20	10	15%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.7

مذکورہ سوال کے جواب میں 39.5% بچوں نے ہاں اور 36.5% نے نہیں جبکہ 15% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.7 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
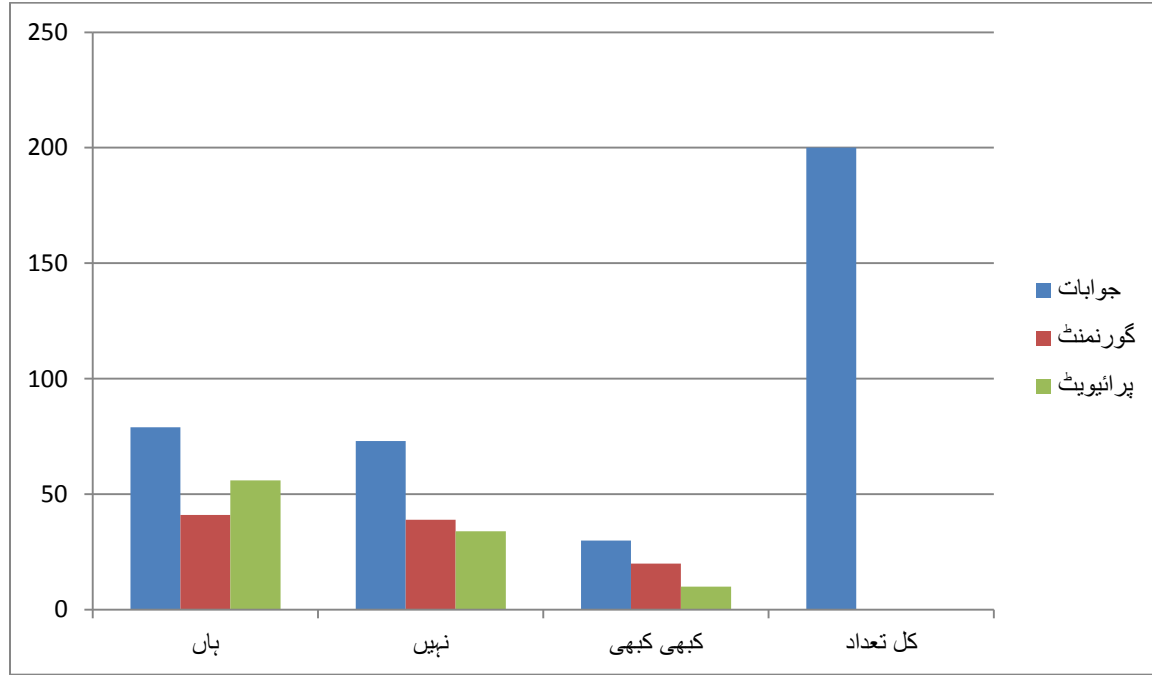
چارٹ نمبر 4.7

سوال نمبر 8: کیا ٹی وی، فون یا کمپیوٹر کی استعمال سے آپ کا وقت ضائع ہوتا ہے؟

انتخابات	جوابات	گورنمنٹ	پرائیویٹ	فیصد
ہاں	94	50	44	47%
نہیں	80	35	45	40%
کبھی کبھی	26	15	11	13%
کل تعداد	200			100

ٹیبل نمبر 4.8

مذکورہ سوال کے جواب میں 47% بچوں نے ہاں اور 40% نے نہیں جبکہ 13% نے کبھی کبھی میں جواب دیا۔

مذکورہ بالا ٹیبل کی معلومات کو ذیل 4.8 میں چارٹ کی مدد سے بیان کی جاتا ہے۔
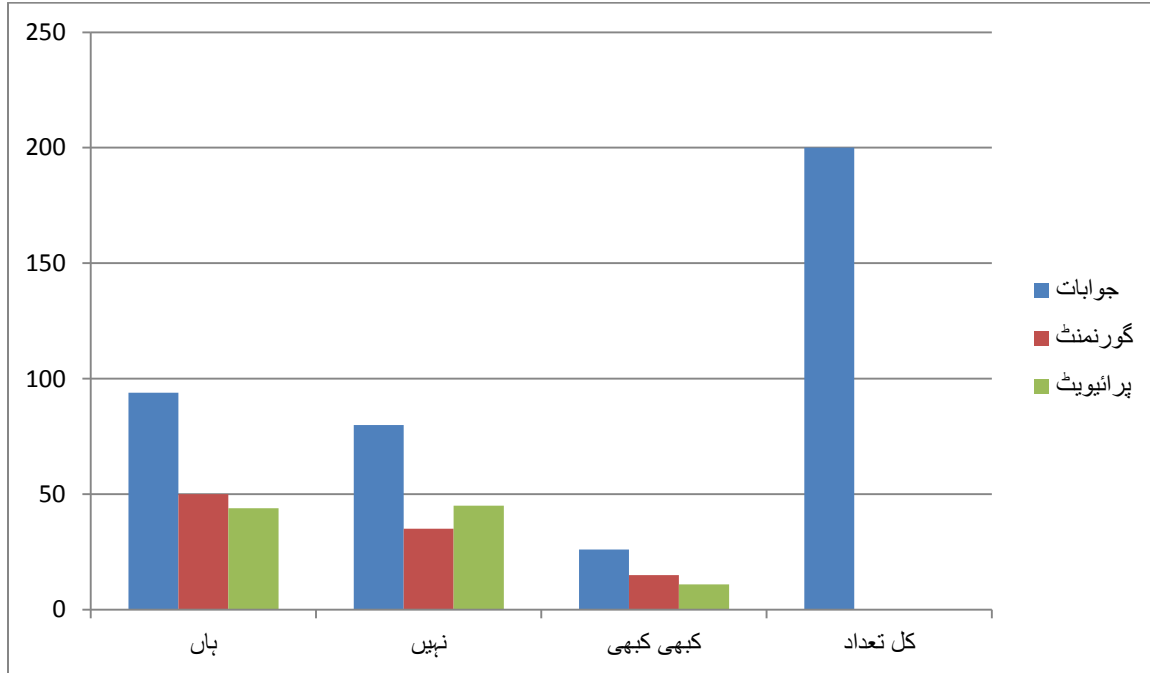
چارٹ نمبر 4.8

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات سے معلوم ہوا کہ ذرائع ابلاغ کے بچوں پر غالب اثرات ہیں۔ وہ اگرچہ گاؤں میں رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود 65% بچے ٹی۔وی کے اور 66% فون کے شائقین ہیں اور اس کی ایک وجہ ان کے والدین ہیں جنہوں نے بچوں کو کم سنی میں ان کا عادی بنادیا اور 22.5% نے بتایا کہ ان کے گھر میں اس کے لیے کوئی وقت بھی مختص نہیں کیا جس کی وجہ سے بچے اپنا کافی قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ البتہ 61% والدین ان کے استعمال کے وقت بچوں کے پاس رہتے ہیں کیونکہ گاؤں میں بچوں کے علیحٰدہ کمرے نہیں ہوتے اور زیادہ تر سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ 26% بچے انٹرنیٹ سے اور کمپیوٹر سے مانوس تو ہیں لیکن 70% بچوں کو سکول میں کمپوٹر چلانا نہیں سکھایا جاتا جس کی ایک وجہ وسائل کی کمی اور ماہر اساتذہ کی کمی بھی ہے۔ اور جو ان کے استعمال سے واقف ہیں وہ بچے پڑھائی میں کافی تیز ہیں لیکن جو بچے اسے استعمال نہیں کرتے ان میں کچھ کلاس میں پوزیشن لینے والے بھی ہیں۔ اس کے استعمال کا گویا آج تو کوئی نقصان نہیں ہو رہا لیکن مستقبل میں تعلیم کو دار و مدار کافی حد تک ان پر ہے تب یہی بچے پڑھائی میں کمزور ہو سکتے ہیں۔

فصلِ چہارم: ذرائع ابلاغ کے کردار کو سود مند بنانے کے لیے ضروری لائحہ عمل

انسانی فطرت ہے کہ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کے خیالات سے آگاہی حاصل کرے۔ باخبر رہنا انسان کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے۔ چونکہ بلغ کا مطلب ہی دوسروں تک اپنی بات پہنچانا ہے۔ اس لیے نسل انسانی کے ساتھ ہی ابلاغ کا آغاز بھی ہو گیا اور وقت کی رفتار کے ساتھ اس میں جدت آتی رہی۔ انسان کی ضروریات جوں جوں بڑھتی گئی توں توں ابلاغ کے ذرائع میں بھی وسعت آتی گئی۔ اور ایسے ایسے ذرائع سامنے آئے جو قابل تعریف ہیں۔ ابلاغ کی مدد سے اب دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ایک عام انسان بھی پوری دنیا کے حالات و واقعات سے باخبر رہتا ہے۔ گھر بیٹھا انسان دنیا میں کسی بھی جگہ کی سیر کر سکتا ہے۔ جہاں اس کے بے شمار فوائد ہیں وہاں اس کے نقصانات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ نقصانات پر قابو پا کر اس کے کردار کو موثر بنایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں کچھ نکات ترتیب دیئے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ابلاغ کے کردار کو سود مند بنایا جا سکتا ہے۔

فحش پر مبنی پروگرام کی روک تھام:

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ معاشرے میں برائیاں پھیلائی جائیں اس لیے وہ فحاشی کی مذمت کرتا ہے۔ بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ کی مدد سے آزادی اور تفریح کے نام پر کھلی بے حیائی اور اور فحاشی پھیلائی جا رہی ہے۔ اخبارات، ٹی وی، رسائل اور شوشل میڈیا پر گلوکاروں کی نیم برہنہ تصاویریں اور پروگرام اس بات کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں کہ ہم برائی کی دلدل میں بری طرح پھنس گئے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں واضح طور پر فحاشی کی سزا بتادی گئی ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ﴾[230]

ترجمہ: جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں فحاشی پھیلے ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہو گا اور آخرت میں بھی۔

[230] سورۃ النور: 19

لباب التأويل في معاني التنزيل میں اس آیت کی تفسیر اس انداز میں کی گئی ہے۔

"قيل الآية مخصوصة بمن قذف عائشة والمراد بالذين آمنوا جميع المؤمنين لَهُمْ عَذابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيا يعني الحد والذم على فعله وَالْآخِرَةِ أي وفي الآخرة لهم النار وَاللَّهُ يَعْلَمُ أي كذبهم وبراءة عائشة"[231]

ترجمہ: یہ آیت خاص ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی اور تمام مومنوں کے لیے عام ہے دنیا میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے یعنی حد اور اس فعل پر ان کی مذمت کی اور اسی طرح آخرت میں بھی اور آخرت میں ان کے لیے آگ ہے اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور عائشہ اس سے بری ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[232]

ترجمہ: اور فحاشی کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

ضیاء القرآن کے مؤلف لکھتے ہیں:

(فواحش ان اعمال اور اقوال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں۔ یہاں کسی ایک برائی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فواحش جمع کا لفظ ذکر کر کے ہر قسم کی قولی اور فعلی برائیوں کے ارتکاب سے نہیں بلکہ ان کے قریب تک پھٹکنے سے منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور ما ظھر منھا وما بطن کے کلمات سے اس حکم کو اور وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن، جلوت اور خلوت میں ممنوع ہے۔)[233]

درجہ بالا آیات کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ فواحش میں ہر برا کام قولی، فعلی اور جس سے کسی کی دل آزاری ہو وہ آتا ہے۔ اور ان کے ارتکاب کی سزائیں دنیا اور آخرت دونوں میں ملیں گی۔ سزا کا یہ حکم تمام مومنین کے لیے بھی ہے۔ لیکن ابلاغ میں اس حکم کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اب سوشل میڈیا پر فحش گوہی ایک عام اور معمولی چیز ہے۔ بے حیائی کا عالم یہ

---

[231] تفسير حازن،لباب التأويل في معاني التنزيل ،علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن،دار الكتب العلمية بيروت،1415 ھ،28/3

[232] سورة الانعام :151

[233] ضیاء القرآن،ج/1،ص613-614

ہے گھر میں مردوں کے ساتھ بیٹھ کے کوئی پروگرام نہیں دیکھ سکتے۔بچوں کو گھر کے اندر کنڑول کریں تو باہر اشتہارات ایسے آویزاں ہیں جن میں بلکل عریاں تصاویر ہیں وہاں سے بچوں کو کیسے بچائیں۔ تفریح کی ایسی عادت کہ ٹی وی پر ایسے پروگرام اور ڈرامے بچے، مرد اور عورت ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ والدین اس قدر غافل ہیں فارغ اوقات میں بچوں کو کمپیوٹر پر بٹھا دیتے ہیں اور نجانے وہ کیا کیا دیکھتے ہیں۔ پھر یہ سوال کہ بچے خراب کیسے ہو گئے ہیں؟ سروے میں سوال کے دوران تمام بچوں نے یہی جواب دیا والدین کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے وہ ٹی۔وی اکیلے بھی اور بڑوں کے ساتھ بھی دیکھتے ہیں۔ابلاغ کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں کو اپنایا جائے فحاشی کو عام ہونے سے روکا جائے۔ اسلامی ملک ہونے کے ناطے سے حکومت اس معاملے میں اپنا فعال کردار ادا کرے۔اور والدین بھی شوشل میڈیا کے استعمال کے وقت بچوں کے ساتھ رہیں۔

جھوٹی خبر کی تشہیر پر سزا:

ابلاغ اگر جھوٹی خبروں کی ترسیل سے پاک ہو تو اس کا کردار بہتر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کو جھوٹی خبر کی تشہیر اور اپنے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔حالانکہ معاشرے میں افواہوں کے فروغ سے وہ معاشرہ بدعنوانی، خون ریزی، افراتفری اور انتشار کا مرکز بن جاتا ہے۔اس کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔یہ سب اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اسلام ایسی حرکت کی شدید مذمت کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّعۡنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلۡكَٰذِبِينَ ﴾[234]

ترجمہ: جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس سے بڑی جھوٹے کی بدقسمتی کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ خود اس پر لعنت بھیج رہے ہیں اور یہ سزا دوسری کسی سزا سے کم نہیں ہے یہ حکم عام ہے جھوٹے کی سزا احدیث میں بھی مذکور ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا))[235]

---

[234] سورة آل عمران:61

[235] سنن ابی داود ،كتاب الأدب ،باب فِي التَّشْدِيدِ فِي الْكَذِبِ،ح/4989، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ترجمہ: تم جھوٹ سے بچو پس جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے، اور بے شک برائی جہنم میں لے جاتی ہے، آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث عبرت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ جھوٹ بولنے سے آدمی اللہ کی بارگاہ میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے اور خود کو اپنے ہی ہاتھوں برائی کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔ جہنم اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود ابلاغ میں جھوٹ کا استعمال زیادہ ہے۔ ابلاغ کے کردار کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ جھوٹی افواہ پھیلانے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ تاکہ اس کا انجام دیکھ کر دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ ایک جھوٹے کا جھوٹ کسی ایک انسان کو نہیں بلکہ پوری قوم کو تباہ کر سکتا ہے۔

محمد یوسف فاروقی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"افواہیں خواہ حکومت کے خلاف ہوں یا کسی ادارے کے، جماعت مسلمین کے کس فرد کے خلاف ہوں، یا امت مسلمہ کے کسی طبقے کے خلاف، یہ ہر حالت میں قابل مذمت ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ چند لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں پوری قوم کے لیے شرمندگی اور پریشانی کا باعث بن گئی۔ اور اس کے سنگین نتائج آنے والی نسلوں کو بھی بھگتنا پڑے"[236]

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کے نتائج سنگین ہیں جو پوری قوم کو اور آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ جب ایک جھوٹ سے اتنے لوگ مصیبت میں آ جاتے ہیں تو لازماً جھوٹ کی سزا اس دنیا میں بھی مقرر ہونی چاہیے۔ ابلاغ کے کردار کی بہتری اسی پر منحصر ہے کہ حکومت اس زمرے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اور اس ادارے کو بند کر دے جو جھوٹی افواہیں پھیلاتا ہے یا پھر ادارے کے متعلقہ انسان کو سزا دے جسکی وجہ سے کسی کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔

ملی اور دینی محبت کو اجاگر کرنا:

ابلاغ کے ذریعے سے ملی اور دینی محبت کو اجاگر کیا جانا چاہیے۔ اسلام رنگ و نسل کے فرق سے بالا تر ہے۔ وہ انسان کو ایک خدائے لاشریک کی پرستش کی دعوت دیتا ہے اور اسی عقیدے کی وجہ سے اخوت کے جذبے کو فروغ دیتا ہے اور تفرقہ بازی کے خاتمے پر زور دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[236] افواہیں اور ان کے مہلک اثرات، ڈاکٹر، محمد یوسف فاروقی، دعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 1991ء، ص79

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَآءٗ فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَٰنٗا﴾[237]

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب تم دشمن تھے۔ پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

جلال الدین سیوطی ؒ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

" تَمَسَّكُوا بِحَبْلِ اللَّه أَيْ دِينه جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا بَعْد الْإِسْلَام وَاذْكُرُوا نِعْمَة اللَّه إنْعَامه يَا مَعْشَر الْأَوْس وَالْخَزْرَج إذْ كُنْتُمْ قَبْل الْإِسْلَام أَعْدَاء فَأَلَّفَ جَمَعَ بَيْن قُلُوبكُمْ بِالْإِسْلَامِ فَأَصْبَحْتُمْ فَصِرْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إخْوَانًا فِي الدِّين وَالْوِلَايَة"[238]

ترجمہ: یعنی اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس دین کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اے اوس و خزرج اللہ کے ان نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے اسلام کی صورت میں تم پر کی اور اسلام پر جمع کر کے تمارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم دین میں بھائی بھائی بن گئے۔

انہی قرآنی تعلیمات کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کی حدیث مروی ہے:

((يَدُ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ))[239]

ترجمہ: اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔

درج بالا آیت اور حدیث دینی اور ملی محبت کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ حبل اللہ کو تھام کر انسان دین کے قریب ہو گا دین کے جب قریب ہو گا تو تفرقہ بازی سے نفرت اور دوری اس میں سما جائے گی اور وہ اخوت کے جذبے سے سرشار ہو گا ملت کو اسی کی تو ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ اس کے برعکس کام کر رہے ہیں۔ اب پس پردہ جہاں بیرونی طاقتیں ملک و ملت کو کمزور کر رہی ہیں وہی داخلی انتشار مثلاً گروہی، نسلی، جغرافیائی، مسلکی اور جماعتی بھی اپنے مقصد کو انجام تک پہنچا

---

[237] سورة آل عمران :103

[238] تفسير الجلالين ،جلال الدين محمد بن أحمد المحلي وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي ،دار الحديث – القاهرة،س-ن 88/1

[239] سنن الترمذي ،كتاب الفتن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب مَا جَاءَ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ،ح/2166، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رہے ہیں۔اور حقیقت میں وہ اپنے نقصان کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ نئی نسل کو اخوت کے بجائے تفرقہ بازی سیکھا رہے ہیں۔ذرائع ابلاغ کی مدد سے ہی ہم داخلی اور خارجی سطح پر اس بیماری اور نفرت کا خاتمہ کر سکتے ہیں اخوت کے جذبے کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔دین پر عمل کروا کے ملک اور ملت کو تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں۔یہ سب ابلاغ کی بدولت ہی ممکن ہے۔ابلاغ کا کردار تب ہی مؤثر ہو سکتا ہے جب دینی قواعد وضوابط پر عمل ہو گا اور ملک سے نفرت وانتشار کا خاتمہ ہو گا۔

قلم اور الفاظ کی حرمت کا لحاظ:

ذرائع ابلاغ قلم اور الفاظ کا مجموعہ ہے قلم سے ہی لکھ کر انھیں الفاظ کی شکل دی جاتی ہے۔پرنٹ میڈیا قلم سے اور الیکٹرانک الفاظ سے چل رہا ہے ایک کی عدم دستیابی بھی اس ملک کو کمزور سے کمزور بنا سکتی ہے۔ قلم کی حرمت کا ذکر تو قرآن میں بھی آیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾[240]

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لوگ لکھتے ہیں۔

اور اس کے استعمال کے فن پر بات کی جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[241]

ترجمہ: پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

اب جس فن کو رب کریم خود سیکھا رہا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اس کے غلط استعمال پر وہ معاف کر دے گا۔

مولانا محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

"کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہ وہی حکم رکھتا ہے جو زبان سے کہنے کا ہے جس کلام کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے اور جس کا بولنا گناہ ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہو جاتی ہے کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی

[240] سورۃ القلم:1

[241] سورۃ العلق:5-3

چیز ہے مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گزرتی رہے گی اس لیے جب تک وہ دنیا میں رہے گی اس کے اچھے یا برے اثرات سے لوگ متاثر ہوتے رہیں گے "[242]

مذکورہ بالا قرآنی تفاسیر قلم کی حرمت کی دلیل ہیں جبکہ آداب الاخبار میں قلم اور الفاظ کے غلط استعمال کے نتائج بھی بتادیئے ہیں۔ اس کے باوجود ذرائع ابلاغ میں بیشتر خبریں جھوٹی یا تبدیل کی ہوئی ہوتی ہیں اپنی طرف سے کسی پر آسانی سے الزام لگادیا جاتا ہے۔ سیاست میں آسانی سے دوسرے کی پگڑی اچھال دی جاتی ہے۔ اس گناہ سے انسان بچ سکتا ہے اگر وہ پہلے خبر کی تحقیق کر لے۔

تحقیق و تفتیش شدہ ابلاغ:

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ابلاغ کا مقصد خبر کی تشہیر ہے لیکن قرآن اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ تشہیر سے پہلے تحقیق کر لی جائے تاکہ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤ۔ کیونکہ خبروں کی ترسیل میں بعض اوقات ذرا سی لاپروائی پریشان کن صورت حال پیدا کر سکتی ہے۔ کسی انسان کے بارے میں غلط بیانی سے اسے نقصان بھی ہو سکتا ہے اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہو کہ اسلام نے صحت خبر پر بہت زور دیا ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقُۢ بِنَبَإٖ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمَۢا بِجَهَٰلَةٖ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ ﴾[243]

ترجمہ: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے پس اس کو خوب تحقیق کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سبب سے کسی قوم کو جہالت سے کوئی نقصان پہنچا دو، پھر اپنے کیے شرمندہ ہو۔

مفسر عماد الدینؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"(اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو، جب تک پوری تحقیق و تفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کوئی حرکت نہ کرو، ممکن ہے کہ کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گزرو تو اصل اس کی پیروی ہو گی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر

[242] آداب الاخبار،، صحافت اور اس کی شرعی حدود، مفتی محمد شفیع، ادارہ اسلامیات لاہور، 2003ء، ص 23

[243] سورۃ الحجرات:6

بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتایاہے جس کا حال نہ معلوم ہو اس لیے کہ بہت ممکن ہے یہ شخص فی الواقع فاسق ہو)"[244]

جبکہ بلا تحقیق بات کرنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))[245]

ترجمہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے بیان کردے۔

آیت مبارکہ میں واضح طور پر خبر کی تحقیق کا حکم دیا ہے۔ جبکہ تفسیر میں کہا گیا ہے اس انسان کی بات پر اعتماد نہ کیا جائے جس کے بارے میں آپ جانتے نہیں جس کا حال معلوم نہیں ہو سکتا ہے وہ فاسق ہے ۔اور خبر ملنے پر تب تک کوئی حرکت نہ کرو جب تک اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ حدیث میں صریحاً اس انسان کو جھوٹا کہا گیا ہے جو بنا تحقیق و تفتیش بات کو پھیلا دیتا ہے۔

ابلاغ کے حامل لوگ اگر صحت خبر کے بارے میں تحقیق و تفتیش کے اصول پر عمل کریں تو معاشرہ بہت سی برائیوں اور خون ریزی سے پاک ہو سکتا ہے۔ جس بھی خبر کے بارے میں آگاہی ہو اس کی پہلے خود تحقیق کریں اور سچ ہونے کی صورت میں نشر کریں۔ ابلاغ کا کردار تب ہی مؤثر ہو سکتا ہے جب ہر ادارہ خبر کی تفتیش کا اصول بنالے اور خلاف ورزی کی صورت میں متعلقہ شخص کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ علاوہ ازیں حکومت بھی ایسے انسان اور ادارے کے خلاف اقدام اٹھائے جس نے جھوٹی خبر دی ہے۔ اسی اقدام سے ابلاغ کا کردار بہتر اور قابل ستائش ہو سکتا ہے۔

اظہار خیال میں شائستگی:

انسانی فطرت ہے کہ اسی زبان کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے جس میں مٹھاس اور حلاوت ہو۔ کیونکہ انسان کی کہی گئی بات اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتی ہے۔ زبان کے انداز سے ہی انسان کسی کے دل میں گھر کرتا ہے یا پھر اتر جاتا ہے۔ اظہار خیال بھی ایک فن ہے جسے استعمال کرنے والا موقع و محل دیکھ کر اس کی مناسبت سے بات کرتا ہے۔ یہ انداز اور سوچ اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ قرآن اچھی گفتگو کی تائید کرتا ہے۔

---

[244] ابن کثیر، ج/26، ص325-326

[245] صحیح مسلم، مقدمہ، باب: النھی عن الحدیث بکل ما سمع، ح/9

ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ [246]

ترجمہ: لوگوں سے بھلی باتیں کہو گے۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعے انسان اپنے خیالات کو دوسروں تک آسانی سے پہنچا سکتا ہے اور اپنے افکار میں اور لوگوں کو بھی شامل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا انداز مختلف اور متین ہو وہ اپنے افکار کو زبردستی رائج نہ کرے بلکہ لوگ خود اس کے گرویدہ ہو جائیں۔ نرمی سے اپنی بات سمجھائے کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو دونوں کو تاکید کی کہ نرمی سے بات کریں۔

قرآن میں ہے:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ [247]

ترجمہ: دیکھو، اسے نرمی سے بات کہنا۔

ضیاءالقرآن میں اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے

"ہر مبلغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہوا کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہو گا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے "[248]

چونکہ ایک صحافی بھی مبلغ ہوتا ہے اپنی رائے میں اوروں کی شمولیت چاہتا ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ نرمی سے بات کرے کیونکہ سخت کلام کسی کے دل کو نرم نہیں کر سکتا بلکہ اور سخت کر دیتا ہے۔ اس لیے ایک صحافی صاف واضح اور نرم انداز میں بات کر اور آپ ﷺ کے گفتگو کے طریقے کو اپنائے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ)) [249]

[246] سورة البقره:83

[247] سورة طه:44

[248] ضیاءالقرآن،113/3

[249] سنن ابی داود ،كتاب الأدب ،باب الْهَدْيِ فِي الْكَلَامِ ،ح/4839 ، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

" ترجمہ: رسول ﷺ کی گفتگو کا ہر لفظ الگ الگ اور واضح ہوتا تھا، جو بھی اسے سنتا سمجھ لیتا۔

آپ ﷺ کی ذات ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔اس لیے ذرائع ابلاغ سے متعلقہ لوگوں کو اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ اگر بات سمجھ آجائے تو اس پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔اس لیے سمجھانے کے لیے بہترین سے بہترین اسلوب اختیا کیا جائے۔ تبھی ذرائع ابلاغ کا کردار مؤثر ہو گا جب بولنے والا سوچ کہ بولے گا اور نرم اور خوبصورت انداز میں اپنی بات دوسروں تک پہنچائے گا۔

فتنہ پردازی سے اجتناب:

ذرائع ابلاغ دو دھاری تلوار کے مشابہ ہے کبھی اس کا استعمال شر وفساد کے خاتمے کے لیے کیا جاتا ہے اور کبھی خون ریزی اور قتل وغارت میں استعمال ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تلوار کس کے ہاتھ میں ہے آیا اس کے ہاتھ میں ہے جو ظلم وزیادتی کرتا ہے لوگوں کے حقوق کی پامالی کرتا ہے اس صورت میں اس کا کام منفی ہو گا۔ یا پھر عدل وانصاف اس کی رگ رگ میں ہے تو وہ اپنا کام مثبت طریقے سے کرے گا۔اسی طرح ذرائع ابلاغ بھی مثبت اور منفی کام سرانجام دیتا ہے۔ منفی کردار کی صورت میں شوشل میڈیا پر کسی بھی انسان کو اشتعال دلایا جاتا ہے۔ جیسے ایک حکومت کے ماننے والے دوسری حکومت کے لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں اس صورت میں سامنے والا یا خاموش ہو جاتا ہے یا جوابی وار کرتا ہے اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ جوابی وار قولی بھی ہو سکتا ہے اور فعلی بھی۔ دونوں حالتیں شر وفساد کو جنم دیتی ہیں۔ جبکہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَٱلۡفِتۡنَةُ أَشَدُّ مِنَ ٱلۡقَتۡلِ﴾[250]

ترجمہ: اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ برا ہے۔

محمود بن عمرؒ واس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أى المحنة والبلاء الذي ينزل بالإنسان يتعذب به أشد عليه من القتل. وقيل لبعض الحكماء: ما أشد من الموت؟ قال: الذي يتمنى فيه الموت، جعل الإخراج من الوطن من الفتن والمحن التي يتمنى عندها الموت"[251]

---

[250] سورة البقره:191

[251] الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل،أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الزمخشري ،دار الكتاب العربي بيروت،1407ھ،236/1

ترجمہ: یعنی وہ مصیبتیں اور تکالیف جو انسان کو پہنچتی ہیں جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے وہ قتل سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔اور بعض حکماء سے پوچھا گیا موت سے زیادہ سخت کیا ہے؟ انہوں نے کہا جس میں وہ موت کی خواہش کرتا ہے اور ان فتنوں اور تکالیف کی وجہ سے وطن سے ہجرت کرتا ہے۔

آیت مبارک میں فتنے کو موت سے بھی سخت کہا گیا ہے کیونکہ موت میں انسان ایک ہی بار مر جاتا ہے جبکہ فتنہ و فساد سے پیدا شدہ تکالیف اور آزمائشیں انسان کو ذہنی، دلی اور جسمانی طور پر ایذا پہنچاتی ہیں وہ اسے لحہ لحہ موت کے قریب کرتی ہیں اور کچھ تکلیف اتنی شدید ہوتی ہیں جن کا اثر ساری زندگی انسان پر اور اس کی نسلوں پر رہتا ہے۔ لہذا فتنہ موت سے زیادہ سخت ہے۔ جب کوئی اپنی سوچ، خیالات و نظریات کو دوسروں پر اس انداز اور طریقے سے مسلط کرے کہ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائے تو ایسی سوچ اور نظریے کا فوراً قلع قمع کیا جانا چاہیے۔ تاکہ معاشرے میں شر و فساد نہ رہے اور ایک پر امن ماحول میسر آسکے۔

شر و فساد کی بہت سی وجوہات ہیں مسلمان اب مذہبی، گروہی، مسلکی، جماعتی اور ثقافتی تعصبات میں گر چکے ہیں۔ اب ٹی وی پر ایک مسلک، گروہ، اور جماعت کا حامل افراد دوسرے مذہب، مسلک کے لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اپنے مسلک اور گروہ کی برتری کے لیے وہ قرآن کی مذکورہ بالا آیت کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ پھر مذہب کو دیوانے جان دینے سے بھی نہیں کتراتے اور جان کا ضیاع کسی فتنے سے کم نہیں ہے۔

ایک صحافی کو چاہیے کہ وہ ایسے تجزیہ نگاروں سے سوال نہ کریں جو صرف اپنے گروہی، جماعتی، مسلکی اور ثقافتی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں۔ صحافی حضرات اور ذرائع ابلاغ کے متعلقہ ادارے ایسے ایسے پروگرام ترتیب دیں جس سے ان کی انفرادی سوچ کی نفی ہو اور اجتماعی سوچ پروان چڑھے۔ انھیں اخوت کی لڑی میں پرودے شر و فساد کا خاتمہ کرے۔ ایسی خبروں کی تشہیر نہ کرے جس سے معاشرے میں بدامنی پھیلے۔ یہ کام وہی انسان کر سکتا ہے جس میں خوف خدا ہے۔ حکومت کے لیے بھی ضروری ہے کہ شر و فساد کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ معاشرے کو اس بیماری سے پاک کرنے کے لیے حدود و تعزیرات کا نفاذ کرے کیونکہ انہی کے نفاذ سے معاشرہ فتنہ و فساد سے پاک ہو سکتا ہے۔

سطور بالا کی بحث و تحقیق سے معلوم ہوا کہ ذرائع ابلاغ کا کردار اسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے جب بحیثیت مسلمان فحاش پروگرام کی روک تھام کی جائے۔ ایسے کسی پروگرام کی تشہیر نہ کی جائے جو اسلامی اقدار کے منافی ہو جس سے لوگوں میں جرائم بڑھیں۔ قلم اور الفاظ کی حرمت کا خیال رکھا جائے۔ صحافی حضرات کسی بھی خبر کی تشہیر سے پہلے اس کی تحقیق کریں یہ نہ ہو کہ ان کی خبر کسی کی جان لے لے۔ اگر کسی نے غلط خبر کی تشہیر کی تو اسے کڑی سزا دی جائے۔ اپنے پروگرام میں ایسے لوگوں کو نہ بلائیں جو خاص اپنے مسلک اور اپنی گروہ اور جماعت کی بہتری چاہتے ہیں۔ صحافی حضرات

لوگوں میں ملی اور دینی محبت کو اجاگر کریں۔ گفتگو کے دوران نازیبا الفاظ استعمال نہ کریں۔ ان تمام اقدامات کو لینے سے ابلاغ کا کردار بہتر اور قابل ستائش ہو سکتا ہے۔

نتائج:

بچوں کی تعلیم و تربیت پر سماجی عوامل کے کردار اور اثرات کو احاطہ تحریر میں لانے کے بعد جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں

- معاشرے کے ہر فرد پر سماجی عوامل (والدین، خاندان۔ دوست و احباب، مسجد، تعلیمی ادارے، میڈیا اور ماحول) اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔
- بچے اپنی معصومیت اور ناقص عقل کی وجہ سے سماجی عوامل سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔
- 67.5% والدین اپنے بچوں کو شادی بیاہ اور دعوت میں ساتھ لے کر جاتے ہیں ان کے بچے محفل کے آداب سے واقف اور معاشرے کا حصہ ہیں جبکہ 2.5% والدین بچوں کو ایسی تقریبات میں ساتھ نہیں رکھتے۔
- باعمل، باوقار اور رجائیت پسند والدین اور استاد کا بچوں کی شخصیت پر مثبت اور واضح اثر ہوتا ہے۔
- 100% بچوں نے بتایا کہ وہ سکول میں کھیلتے ہیں 68% بچوں کے ساتھ ان کے اساتذہ بھی کھیلتے ہیں اور 42% بچے سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں جبکہ نصابی اور غیر نصابی دونوں سرگرمیاں بچوں کی شخصیت پر اپنے مثبت اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ان میں حصہ لینے سے بچے، مضبوط، ذہین، بااعتماد، اشتراک و تعاون، اخوت، دیانت دار، انصاف پسند، نظم و ضبط جیسی خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں۔
- ماہر اساتذہ کا انتخاب، مناسب نصاب تعلیم، صباحی خطابات کا مؤثر ہونا، سمعی و بصری معاونات کا استعمال اور زجر و توبیخ کا اہتمام کرنے والے ادارے ہی مستقبل کے معمار پیدا کرتے ہیں۔
- 57% اداروں میں بچوں کی کارکردگی جاننے کے لیے والدین کو مدعو کیا جاتا ہے۔ جن اداروں میں بچوں کی کارکردگی کی خبر ان کے گھر دی جاتی ہے اس ادارے کے بچے اپنی تعلیم پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جبکہ 27% والدین سکول میں نہیں جاتے۔
- 91% بچے مسجد میں جاتے ہیں اور 3.5% نہیں جاتے۔

- 85% بچوں نے بتایا کے قاری صاحب کلمے، دعاوں کے ساتھ وضواور نماز کی عملی مشق کر کے دکھاتے ہیں دور حاضر میں مساجد میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا کردار موجود ہے جبکہ 14% نے کبھی کبھی میں جواب دیا ۔
- مسجد میں نماز کے بعد لوگوں کو آپس میں ملتا دیکھ کر بچے اخوت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور ایک ہی صف میں مختلف لوگوں کی حاضری سے وہ مساوات کی لڑی میں جڑ جاتے ہیں۔
- پانچ وقت کی نماز میں حاضری سے بچوں میں نظم وضبط کی ایسی عادت مستحکم ہوتی ہے جس کی وجہ سے کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔
- اہل علم حضرات کا انتخاب، سماجی فلاح و بہبود کے کاموں اور فرقہ واریت کے خاتمے سے مسجد میں ماضی کے کردار کو بحال کیا جاسکتا ہے۔
- 65% بچے ٹی وی دیکھتے 15% نہیں جبکہ 20% نے کبھی کبھی ٹی وی دیکھتے ہیں کارٹون بینی کے اثر سے بچے تشدد پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ 66% بچے فون استعمال کرتے ہیں 24% بچے فون استعمال نہیں کرتے 39% بچے گیمز کھیلتے ہیں۔ گیمز کے استعمال سے بچوں میں اسلحے کا شوق پروان چڑھتا ہے۔۔
- ذرائع ابلاغ کی بدوولت انسان تمام حالات و واقعات سے باخبر ہوتا ہے اسی کی بدولت اپنی ایجادات وانکشافات کا لوہا پوری دنیا میں منواتا ہے۔
- ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ایک طرف بچوں میں تحقیق و تجسس اور غور و فکر کا عنصر پروان چڑھتا ہے وہی ان میں مذہب سے دوری اور بے زاری بھی پیدا ہوتی ہے وہ مسلمانوں کی خلاف بنائے گئے پروگرام دیکھ کر اپنے ہی مذہب کو برا سمجھنے لگتے ہیں۔
- 82.5% بچوں کے مطابق ان کے گھر میں ٹی وی کا کوئی وقت مختص نہیں ہے جبکہ ذرائع ابلاغ کے استعمال سے 47% بچوں کے مطابق ان کا وقت ضائع ہوتا ہے۔۔
- خبر کی تحقیق، جھوٹی خبر پر سزا، فحاشی کے پروگرام کی روک تھام سے ذرائع ابلاغ کے کردار کو بہتر بنا جا سکتا ہے۔

• تجاویز و سفارشات

تحقیقی مقالے کی روشنی میں پیش کردہ نتائج اور خلاصہ بحث کو عملی شکل دینے کے لیے ذیل میں چند تجاویز و سفارشات دی جا رہی ہیں جن پر عملِ پیرا ہو کر بچوں کی تربیت پر سماجی عوامل کے کردار کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

- والدین کو چاہیے کہ وہ پرائمری سطح کے بچوں کو مکمل وقت دیں اور گاہے بگاہے انھیں دیکھیں کہ وہ کسی منفی سرگرمی کا حصہ تو نہیں بن رہے۔
- حکومت کو چاہیے کہ وہ بطورِ خاص پرائمری سطح کے اساتذہ کے لیے خصوصی تربیت (ٹریننگ) کا انتظام کرے تاکہ وہ بچوں کی بہتر انداز میں تربیت کر سکیں۔
- مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ خواتین میں محبت اور نرمی کے جذبات مرد حضرات کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں اس لیے حکومت ابتدائی عمر کے بچوں کے لیے خواتین اساتذہ کے انتخاب کو ترجیح دے۔
- متعلقہ ادارے بطور خاص پرائمری کے بچوں کے لیے ایسا نصابِ تعلیم مرتب اور نافذ کریں جو دنیاوی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کی عکاسی بھی کرے۔
- پرائمری اداروں کی انتظامیہ کو چاہیے کہ ایسی غیر نصابی سرگرمیوں کا اہتمام کریں جو بچوں کی معاشرتی ضروریات اور ذہنی سطح کے مطابق ہوں تاکہ بچے بہتر انداز میں سیکھ سکیں۔
- مساجد میں امام اور قاری حضرات کو چاہیے کہ وہ کسی مخصوص نماز کے بعد خاص بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے درس کا اہتمام کریں نیز عملی مشق کرکے بھی بتایئں تاکہ بچے اسلامی احکام سے مکمل واقفیت حاصل کر سکیں۔
- میڈیا مالکان اور انتظامیہ کو چاہیے کہ بچوں کے فارغ اوقات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے ایسے پروگراموں کا اہتمام کرے جو ان کی ذہنی و فکری، سماجی و معاشرتی اور دینی و مذہبی ضروریات کے مطابق تربیت کر سکیں۔
- پیمرا (PEMRA) کو چاہیے کہ بچوں کے حوالے سے میڈیا کے منفی اثرات کو کم کرنے یا ختم کرنے کے لیے اصول و قواعد وضع کرے اور میڈیا کو ان کا پابند کرے تاکہ بچوں پر میڈیا کے منفی اثرات کا خاتمہ کیا جا سکے۔

سوال نامے کا نمونہ

محترم جواب دہندہ

یہ سوالنامہ ایم۔فل کی ڈگری کے حصول کے لیے مرتب کیا گیا ہے. آپ سے " **بچوں کی تعلیم و تربیت میں سماجی عوامل کا کردار اور اثرات (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ)** " کے موضوع پر رائے دہی کی درخواست کی جاتی ہے۔ آپ کے جوابات کی روشنی میں تحقیق کے نتائج برآمد ہوں گے۔ لہذا آپ سے التماس ہے کہ تمام سوالات کے جوابات **مکمل** ایمانداری اور غیر جانبداری کے ساتھ دیں اور درست جواب پر (√) کا نشان لگائیں۔ آپ کی فراہم کردہ **معلومات** کا مقصد فقط مذکورہ موضوع پر تحقیق ہے اس لیے آپ کی فراہم کردہ **معلومات مکمل** صیغہ راز میں رکھی جائیں گی۔

آپ کے تعاون کا بہت شکریہ ! اللہ آپ کو سلامت رکھے۔

محققہ: صاعقہ گلناز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، پاکستان

نام:----------------------- ولدیت---------------------- جنس: مرد/عورت

عمر:----------------------- تعلیمی قابلیت:---------------------------

سکول------------------------------

نمبر شمار	سوالات	ہاں	نہیں	کبھی کبھی
	والدین			
1	کیا آپ کے والدین تعلیم یافتہ ہیں؟			
2	کیا آپ کے والدین آپ کو قصے، کہانیاں سناتے ہیں؟			
3	کیا جھوٹ بولنے پر آپ کے والدین آپ کو سزا دیتے ہیں؟			
4	کیا آپ کے والدین نماز نہ پڑھنے پر آپ کو سزا دیتے ہیں؟			
5	کیا آپ کے والدین آپ سب بہن بھائیوں سے ایک جیسا سلوک کرتے ہیں؟			
6	کیا آپ کے والدین آپس میں لڑتے ہیں؟			
7	کیا آپ کے گھر میں آپ کے رشتہ دار آتے ہیں؟			
8	کیا آپ اور آپ کے والدین کا رشتے داروں کے گھر میں آنا جانا ہے؟			
9	کیا آپ کے والدین آپ کو شادی یا کسی دعوت پر ساتھ لے جاتے ہیں؟			
	سکول			
1	کیا آپ کی سکول اسمبلی میں صباحی خطابات ہوتے ہیں؟			
2	کیا آپ سکول میں کھیلتے ہیں؟			
3	کیا آپ کے اساتذہ آپ کے ساتھ کھیلتے ہیں؟			
4	کیا آپ کے اساتذہ اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہیں؟			
5	کیا آپ کے اساتذہ آپ کو مارتے ہیں؟			

6	کیا آپ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں؟			
7	کیا آپ کے والدین کبھی کبھی آپ کے سکول جاتے ہیں؟			
8	کیا آپ کے اساتذہ آپ کو اچھی کارگردگی پر انعام دیتے ہیں؟			
9	کیا مشکل وقت میں آپ اپنے دوست کی مدد کرتے ہیں؟			
	مسجد			
1	کیا آپ مسجد جاتے ہیں؟			
2	کیا آپ قرآن پاک پڑھتے ہیں؟			
3	کیا آپ باجماعت نماز پڑھتے ہیں؟			
4	کیا آپ کے ابو اور بھائی آپ کے ساتھ مسجد جاتے ہیں؟			
5	کیا قاری صاحب آپ کو کلمے اور دعائیں سکھاتے ہیں؟			
6	کیا قاری صاحب آپ کو وضو کی عملی تربیت (مشق) کرواتے ہیں؟			
7	کیا قاری صاحب آپ کو نماز کی مشق کرواتے ہیں؟			
8	کیا آپ کو مسجد میں دینی مسائل سکھائے جاتے ہیں؟			
9	کیا آپ کو مسجد میں آپ ﷺ سے محبت کا درس دیا جاتا ہے؟			
	ذرائع ابلاغ			
1	کیا آپ ٹی وی دیکھتے ہیں؟			
2	کیا آپ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں؟			
3	کیا آپ فون استعمال کرتے ہیں؟			
4	کیا آپ کے گھر میں ٹی وی یا کمپیوٹر کے استعمال کا کوئی وقت مختص ہے؟			
5	جب آپ ٹی وی، فون یا کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں تو کیا آپ کے پاس کوئی ہوتا ہے؟			
6	کیا آپ کے سکول میں آپ کو کمپیوٹر چلانا سکھایا جاتا ہے؟			

			کیاآپ فون یا کمپیوٹر پر گیم کھیلتے ہیں ؟	7
			کیاٹی وی، فون یا کمپیوٹر کی استعمال سے آپ کا وقت ضائع ہوتا ہے ؟	8

دستخط=---------------------

فہارس

انگریزی مقالات

ویب سائٹس

سکول

فہرست آیاتِ قرآنیہ

.22	﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ--------------﴾	سورۃالنحل	78	27
.23	﴿اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ---------------﴾	سورۃالنحل	125	161
.24	﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ--------------﴾	سورۃالاسرا	36	66
.25	﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ----------------﴾	سورۃالاسرا	70	53
.26	﴿وَاَ قِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ---------------﴾	سورۃطٰہ	14	123
.27	﴿فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا--------------﴾	سورۃطٰہ	44	190
.28	﴿وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا-----------------﴾	سورۃالحج	40	X
.29	﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا------﴾	سورۃالمومنون	51	20
.30	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ-------------﴾	سورۃالنور	19	182،167
.31	﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ-----------﴾	سورۃالفرقان	74	18
.32	﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ-------------﴾	سورۃ العنکبوت	45	111
.33	﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ------﴾	سورۃیسین	40	81،66
.34	﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ----------﴾	سورۃ الصافات	100	17
.35	﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ -------﴾	سورۃالزمر	9	141،10
.36	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ------﴾	سورۃ الحجرات	6	188
.37	﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ---------﴾	سورۃ الحجرات	10	123،36
.38	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى-----------﴾	سورۃالحجرات	13	144
.39	﴿وَما خَلَقتُ الجِنَّ وَالإِنسَ إِلّا لِيَعبُدونِ----------﴾	سورۃ الذاریات	56	113
.40	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ -----------﴾	سورۃالجمعہ	9	116
.41	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ -----------﴾	سورۃالتحریم	6	X
.42	﴿وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ----------------﴾	سورۃالقلم	1	187
.43	﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ---------------﴾	سورۃالعلق	5-3	187
.44	﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ-----------------﴾	سورۃالعلق	1-5	XI

فہرست احادیث مبارکہ

17.	الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى---------	سنن النسائی	111
18.	الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ----------	سنن ابن ماجه	21
19.	أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِشَرَابٍ----------	صحیح بخاری	59
20.	أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ-----------------	سنن النسائی	119
21.	إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا-----------------	سنن النسائی	57
22.	انْظُرْ أَيْنَ هُوَ، فَجَاءَ فَقَالَ----------	صحیح بخاری	148
23.	إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا ---------	سنن ابی داود	25
24.	إِنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا------------	صحیح بخاری	82
25.	إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ لَمَا بَرَكَتُهُ كَبَرَكَةِ الْمُسْلِمِ---------------	صحیح بخاری	25
26.	إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى--------------	صحیح بخاری	65
27.	أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهْوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لاَ أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ -----------	صحیح بخاری	148
28.	إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ------------	سنن ابی داود	35
29.	إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ----------------	سننن ابی داود	185
30.	بَيْنَا الْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ---------	صحیح بخاری	22
31.	تَنَحَّ حَتَّى أُرِيَكَ"، فَأَدْخَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ-------------	سنن ابن ماجہ	24
32.	جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ-------------	صحیح بخاری	154
33.	حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، قال: دَعَانِي أَبِي عَلِيٌّ بِوَضُوءٍ------------	سنن النسائی	27
34.	حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ-------------	سنن ابن ماجہ	23

125	سنن ابن ماجہ	خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ -------------	.35
33	صحیح بخاری	رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ مُقْبِلِينَ-----------	.36
111	سنن النسائی	سَأَلْتُ رَسُولَ ﷺ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ أَوَّلًا------------	.37
68	صحیح بخاری	وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي	.38
116	صحیح بخاری	ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا-----------	.39
50	سنن ابن ماجہ	طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ--------------	.40
74،22	البیہقی	عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمْ السِّبَاحَةَ والرِّمَايَةَ ------	.41
69	صحیح مسلم	فَبِأَبِي هو وأُمِّي، ما رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ ولَا بَعْدَهُ------------------	.42
29	سنن النسائی	فَبَدَأَ"فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ------	.43
127	سنن ابن ماجہ	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا أَنْ لَا نُبَادِرَ الْإِمَامَ---------------	.44
29	سنن ابی داود	كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ----------------	.45
34	صحیح بخاری	كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ--------------	.46
199	سنن ابی داود	كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا---------------	.47
6	صحیح بخاری	كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ --------------	.48
23	صحیح مسلم	كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ ، فَجَاءَ ------------	.49
189	صحیح مسلم	كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ------------	.50
70-60	صحیح بخاری	لَا تَغْضَبْ"فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: "لَا تَغْضَبْ----------------	.51
35	سنن ابن ماجہ	لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ------------------	.52

VI	سنن الترمذی	لَا يَشْكُرُ اللَّهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ----------------	.53
28	صحیح بخاری	لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ-----------	.54
80	صحیح بخاری	لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي -----------	.55
58	صحیح بخاری	لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْأَحْزَابِ وَخَنْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ---------	.56
34	سنن الترمذی	لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا-------------	.57
105	سنن النسائی	مَا أَحْسَنَ هَذَا-----------------	.58
125	سنن الترمذی	مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ---------------------	.59
70	صحیح مسلم	مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا---------------	.60
9	صحیح بخاری	مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ-------------	.61
27	صحیح بخاری	مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ،-------------	.62
10	سنن ابی داود	مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ -----------	.63
124	سنن ابی داود	مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي--------------	.64
30	سنن ابی داود	مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ-------------	.65
122	سنن ابی داود	مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ--------------	.66
114	سننن ابی داود	مَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ------------	.67
139،115	سنن ابن ماجہ	مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا، بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ-----------	.68
7	صحیح بخاری	مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ------------	.69
169	سنن النسائی	مَنْ صَوَّرَ صُورَةً كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ--------------	.70

114	صحیح بخاری	مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ---------------	.71
VI	سنن الترمذی	مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ	.72
141	سنن الترمذی	مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ---------------	.73
21	سنن ابن ماجہ	الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ------------	.74
145	سنن الترمذی	وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً---------------	.75
64	سننن ابن ماجہ	وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ---------------	.76
64	سنن ابن ماجہ	وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا---------------	.77
83	صحیح بخاری	"وَشَاوَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُحُدٍ------------	.78
68	صحیح بخاری	وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي--------------	.79
146	صحیح بخاری	وَلَاعَنَ عُمَرُ عِنْدَ مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ------------	.80
10	سنن ابی داود	وَمَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ----------------	.81
39	صحیح بخاری	يَا كَعْبُ، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ----------------	.82
186	سنن الترمذی	يَدُ اللَّهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ---------------	.83

فہرست اصطلاحات

فہرست اعلام

فہرست اماکن

.3	کولمبیا	78
.4	نیویارک	76
.5	یوکے	75

فہرست مصادر و مراجع

- القرآن الکریم

عربی کتب لغات

- إبراهيم مصطفى،المعجم الوسيط، ،دار الدعوة،2004ء
- ابن منظور،محمد بن مكرم بن على ،لسان العرب، دار صادربيروت،الطبعة: الثالثة ، 1414 ھ
- الحسيني ، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق ،تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهداية،1423ھ
- الرازي ، أحمد بن فارس بن زكرياءأبو الحسين ،معجم مقاييس اللغة، دار الفكر،1979ء
- زبیدی،محمد بن عبد الرزاق تاج العروس من جواهرالقاموس، ، دار الهداية ،1423ھ

اردو کتب لغات

- فیروزالدین فیروزاللغات،،فیروز سنز لمیٹڈ لاہور،1995ء
- قاموس مترادفات،وارث سرہندی،اردو سائنس بورڈ لاہور، 2001
- محمد بشیر، مختصر انٹرنٹ ڈکشنری،اردو بازار لاہور،
- منہاج الدین،پروفیسر، قاموس اصطلاحات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور،1965ء

عربی کتب

- ابن ماجہ ، أبو عبد الله محمد بن يزيد ، دارالفکر بيروت لبنان،1414ھ
- ابن هشام ، عبد الملك ،السيرة النبوية لابن هشام ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، 1955 ء
- سلیمان بن اشعث،سنن ابی داؤد، دارالفکر بيروت لبنان،1414ھ
- البخاری،محمد بن اسماعیل بن ابراھیم،الجامع الصحیح، ناشر مرکزی جمعیت اهل حديث هند، 2004ء

- البهیقی،احمد بن حسین، شعب الایمان، باب،حقوق اولاد والاهلین، ، مکتبة الرشد النشر والتوازیع،1423ھ
- الترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،جامع ترمذی، مکتبة دارالسلام ریاض،1991ء
- التونسي ، محمد الطاهر بن محمد، التحرير والتنوير ، الدار التونسية للنشر – تونس،1984ء
- الزحيلي ، وهبة بن مصطفى ،التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ، دار الفكر المعاصر دمشق الطبعة : الثانية ، 1418 ھ
- الزمخشري ،أبو القاسم محمود بن عمرو بن أحمد، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، دار الكتاب العربي – بيروت،1407 ھ
- السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين ،قوت المغتذي على جامع الترمذي، رسالة الدكتوراة – جامعة أم القرى، مكة المكرمة ، كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة،1424 ھ
- السیوطی،جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر،الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، دار ابن عفان للنشر والتوزيع – المملكة العربية السعودية ، 1996 ء
- الشعراوي ، ، محمد متولي ،تفسير الشعراوي ،مطابع أخبار اليوم،1997ء
- اشاربي ،سيد قطب إبراهيم حسين ،في ظلال القرآن، ا دار الشروق بيروت القاهرة ،1412 ھ
- اصفهانی، حسین بن محمد،المفرادات فی غریب القرآن، دارالمعرفه بیروت،1412ھ
- الطبری ، علامه ابن جعفر محمد بن جریر ،تاریخ طبری تاریخ الامم والملوک ،مترجم(سید محمد ابراهیم ندوی)نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی،2004ء
- المحلى، جلال الدين محمد بن أحمد وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ي السيوطى،تفسير الجلالين ، دار الحديث – القاهرة،1424ھ
- النسائی،ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب،السنن النسائی، مكتب المطبوعات الإسلامية حلب،1986ء
- جوزی، محمد بن أبي بكر، زاد المعاد في هدي خير العباد، مكتبة المنار الإسلامية، الكويت،1994ء
- حازن،علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم ،لباب التأويل في معاني التنزيل، ،الناشر: دار الكتب العلمية بيروت،الطبعة الأولى،1415 ھ
- صابوني ،محمد علي ،صفوة التفاسير ،دار للطباعة والنشر والتوزيع القاهرة، س-ن
- طنطاوي ، محمد سيد ،التفسير الوسيط للقرآن الكريم، دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع، الفجالة – القاهرة،1997ء
- عبد الله بن عباس ،تنوير المقباس من تفسير ابن عباس،جمعه: مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادى دار الكتب العلمية لبنان،1992ء
- عینی ، بدرالدین ،عمدة القاری، ،دار الکتب العلمیه بیروت، س-ن

- ماوردي ، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، النكت والعيون (تفسير الماوردي) دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان،2010ء
- مسلم بن حجاج،صحيح مسلم، دار إحياء التراث العربي بيروت،1375ھ

اردو کتب

- ابن کثیر، عمادالدین، مترجم: محمد جوناگڑھی، مکتبہ قدوسیہ،2006ء
- ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور، تہذیب اطفال،، نورالاسلام اکیڈمی لاہور،1991ء
- الازھری، محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن،، ضیاالقرآن پبلیکیشنز لاہور،1995ء
- اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ط2002ء
- افضل حسین، فن تعلیم و تربیت، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور،1970ء
- ایاز محمد، ڈاکٹر، صحافتی ضابطہ اخلاق اور قرآن حکیم کی تعلیمات،، آصف جاوید برائے نگارشات پبلشرز،2002ء
- پانی پتی، قاضی محمد ثناءاللہ، تفسیر مظہری، مترجم (سید عبدالدائم جلالی)، اردو بازار کراچی،1999ء
- ترمذی، شمیم حیدر، اسلام کا نظام تعلیم،، پرنٹنگ پریس لاہور،1993ء
- ثریا بتول علوی، پروفیسر، استاد ملت کا محافظ، علوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور،2006ء
- حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، عہد نبوی کے نظام تعلیم و تربیت میں صفہ اور اصحاب صفہ کا کردار، رمضان 1420ھ
- حبیب الدین احمد، علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم، القمر انٹرپرائزر، لاہور، س۔ن
- خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفصیل ناشران لاہور،2005ء
- خلیلی، منیر احمد، تعلیمی مقالات، حسن البنا اکیڈمی، راولپنڈی،2004ء
- خمینی، سید، روح اللہ موسوی، منتخب کلمات، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، س ن
- خوشنما بنت وزیر، عکس تعلیم،، سردار پبلیکیشنز کراچی،1997ء
- خوشنما بنت وزیر، تعلیمی نفسیاتی کرنیں، سردار پبلیکیشنز کراچی،1989ء
- ڈاکٹر عبدالروف، بچوں کی نفسیات،، فیروز سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، س۔ن
- سید محمد میاں، سیاسی اور اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و ارشادات،، مکتبی قاسمیہ لاہور،1983ء
- شاہکار صحافت، ندیم الحسن گیلانی، ڈاکٹر، کالج بک ڈپو، اردو بازار لاہور،2011ء
- شبلی نعمانی، سیرت النبی، مکتبہ اسلامیہ لاہور، 2012ء

- صدیقی، بختیار حسین، اقبال بحیثیت مفکر تعلیم، اقبال اکیڈمی پاکستان، 1983ء
- ظفیر الدین مولانا، اسلام کا نظام مساجد، دارالاشاعت کراچی، 1957ء
- عثمانی، مفتی محمد شفیع، صحافت اور اسکی شرعی حدود، ادارہ اسلامیات کراچی، 2003ء
- غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، کیمیائے سعادت، مترجم (محمد سعید احمد نقشبندی) مکتبہ رحمانیہ لاہور، 1999ء
- فاروقی، محمد یوسف، افواہیں اور ان کے مہلک اثرات، ڈاکٹر، دعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 1991ء
- فتح پوری، ڈاکٹر فرمان، اقبال سب کے لیے، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، 1978ء
- کاندھلوی، مولانا محمد زکریا، اکابر کا سلوک واحسان، مکتبہ شیخ بہادر آباد کراچی، 1396ھ
- کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام لاہور، ط1432ء
- لیاقت علی خان نیازی، اسلام کا قانون صحافت، بک ٹاک، میاں چیمبرز، ٹمپل روڈ لاہور، 2008ء
- مبارکپوری، مولانا قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، ادارہ اسلامیات لاہور، 2000ء
- محمد اقبال، بانگ درا، اقبال اکادمی لاہور، 2002ء
- محمد امین، ڈاکٹر، تعلیمی ادارے اور کردار سازی، عزیز بک ڈپو لاہور، 1997ء
- محمد بن جمیل زینو، اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت والدین اور اساتذہ کی ذمہ داریاں، مترجم (ابو القاسم حافظ محمود تبسم)، حدیبیہ پبلی کیشنز، 2004ء
- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی، 1981ء
- محمد نور بن عبد الحفیظ سوید، تربیت اولاد کا نبوی انداز اور اس کے زریں اصول،، دار القلم لاہور، 1990ء
- مفتی محمد شفیع، آداب الاخبار، صحافت اور اس کی شرعی حدود، ادارہ اسلامیات لاہور، 2003ء
- مفتی محمد طلحہ، اولاد کی تربیت کیسے کریں، مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی، 2010
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، لاہور، 1972ء
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، دعوت اسلامی اور اسکے مطالبات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1998ء
- ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، س۔ن
- ندوی، سراج الدین، رسول اللہ کا طریق تربیت، دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور، 2016ء

- ندیم الحسن گیلانی، شاہکار صحافت، ڈاکٹر، کالج بک ڈپو، اردو بازار لاہور، 2011ء ص27

مقالات

- اُم سلمی، ڈاکٹر، ذرائع ابلاغ کا کردار اور اس کے انفرادی و معاشرتی اثرات سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں تحدیدات، العلم۔ ج2 شمارہ 1، جنوری 2018ء
- عبدالمالک آغا، ڈاکٹر، اسلام اور جدید میڈیا، القلم، دسمبر 2014ء

انگریزی کتب

- Ferozsons,Urdu English dictionaryFerozsons Lahore p27
- James, H.Stronge, Qualities of effective Teacher Alexandria, Virginia USA,2004
- Milner A,Literature,cultural and the society, l university college londen press p: 81
- Oxford Advanced Learner’s Dictionary, Oxford University Press,
- The New Encyclopaedia of brtannica,The University of Chicago,USA 1968
- William Morris The Heritage Illustrated Dictionary of the English language,American Heritage Publishing,Boston,
- Bureau of Statistics, P&DD, Azad Govt. of The State of Jammu and Kashmir, Muzaffarabad,Statistical year book 2019,

انگریزی مکالات

- Bharati Rajendra Dhameher, Impact of co-curricular activitieson the non academic development of junior college students, (Mphil), D. Y. Patil University, Navi Mumbai. 2014,
- Chi-Hung Leung,Can Co-curricular Activities Enhance the Learning Effectiveness of Students?, International Journal of Teaching and Learning in Higher Education Volume 23, Number 3 ,2011
- Singh Annu 1 & Mishra Sunita2, Extra curricular activities and students performance in secondary school ao government and private schools, International Journal of Sociology and Anthropology Research Published By European Centre For Research Training And Development UK, Vol.1, No.1, , March 2015

ویب سائٹس

- http://www.raisesmartkid.com
- http://www2.bgsu.edu/departments/tcom
- Ntto://michellemalkin .com
- http://www.urdunews.com,
- https://ur.wikipedia.org/wiki
- https://peoplepill.com
- https://www.researchgate.net
- https://www.urdusafha.pk/aristotle-history-in-urdu/
- https://www.humsub.com.

سکول

گورنمنٹ	پرائیویٹ
گورنمنٹ پرائمری سکول ڈنہ	اسلامیہ پبلک سکول نیریاں۔
گورنمنٹ پرائمری سکول کیمر چیڑان۔	پاکستان پبلک سکول پنڈی ترااڑ کھل۔
گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول بلوچ ایریاڑی	کشمیر پبلک سکول ترااڑ کھل۔
گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول بلوچ ایریاڑی۔	اقراء پبلک سکول نیریاں۔
گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول اپر کہالہ بلوچ۔	ماڈل سائنس پبلک سکول مرشد آباد۔
گورنمنٹ بوائز سٹی پرائمری سکول بلوچ۔	دی نیشن مانٹیسوری سکول بلوچ۔
گورنمنٹ بوائز پرائمری سکول نیریاں۔	معروف ماڈل سکول ٹنگی گلہ۔
گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول نیریاں۔	اسلامیہ ماڈل سکول ٹنگی گلہ۔
گورنمنٹ پرائمری سکول دلمار دھار۔	یونائیٹڈ پبلک سکول ترااڑ کھل۔
گورنمنٹ پرائمری سکول راولا دھڑہ	ماڈل سائنس پبلک سکول ترااڑ کھل۔